مواعظ وملفوظات

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان

مرتب

مولانا شاکر صدیق جکھورا

مکتبہ معارف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

Karachi, Pakistan.

مواعظ وملفوظات

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
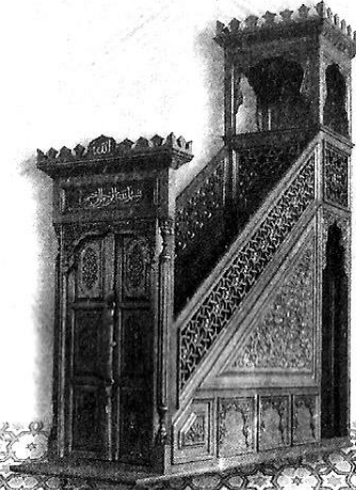
مفتی اعظم پاکستان

مرتب

مولانا شاکر صدیق جکھورا

مکتبہ معارف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

Karachi, Pakistan.

باہتمام : سید قادر معین (بابر)
طباعت : ربیع الاوّل ۱۴۴۴ھ۔ اکتوبر ۲۰۲۲ء
ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)

فون : 92-21-35031565, 35123130
ای میل : info@mmqpk.com
ویب سائٹ : www.mmqpk.com
www.maktabamaarifulquran.com
fb/onlinesharia
آن لائن :

فیس بک سے خریداری کے لئے scan کریں

www.SHARIAH.com
آن لائن خریداری کے لئے تشریف لائیں۔

ملنے کے پتے
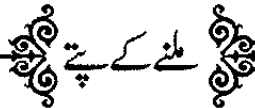
* مکتبہ دارالعلوم، کراچی	* مکتبہ رحمانیہ، لاہور	* دارالسلام، اسلام آباد	* ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان
* ادارۃ المعارف، کراچی	* مکتبہ سید احمد شہید، لاہور	* مسٹر بکس، اسلام آباد	* مکتبہ احیاء العلوم، کرک
* بیت المعارف، کراچی	* الفلاح پبلشرز، لاہور	* مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی	* مکتبہ عباسیہ، تیمر گرہ
* دارالاشاعت، کراچی	* مکتبہ عائشہ، لاہور	* اسلامی کتب گھر، راولپنڈی	* مکتبہ احرار، مردان
* فخرالدین کانچ والا، کراچی	* مکتبۃ البشیر، پشاور	* مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی	* مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
* بیت القرآن، کراچی	* دارالاخلاص، پشاور	* مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی	* تاج بک ایجنسی، منگورہ
* مکتبہ عمر فاروق، کراچی	* بیت العلم، پشاور	* قرآن مجید محل، راولپنڈی	* برکی کتب خانہ، ڈیرہ اسماعیل خان
* مکتبۃ القرآن، کراچی	* مکتبہ اصلاح وتبلیغ، حیدرآباد	* اسلامی کتب گھر، فیصل آباد	* مکتبہ محمدیہ، لکی مروت (درہ پیزد)
* ادارۂ اسلامیات، کراچی/لاہور	* بیت القرآن، حیدرآباد	* مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد	* عثمان دینی کتب خانہ، مانسہرہ

پیش لفظ
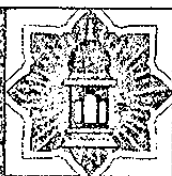
اللہ تبارک وتعالی نے میرے والد ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ تعالی سرہ کو اشاعتِ دین کی خاص توفیق سے نوازا تھا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آخری دور میں اپنے قول وعمل اور تحریر کے ذریعہ دین کے متوارث مزاج و مذاق کو جس مؤثر انداز میں عوام وخواص کے سامنے پیش کیا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ حضرت والد صاحب کی تحریریں جس طرح مقبول ہوکر شہرۂ آفاق ہوئیں، اسی طرح آپ کے مواعظ وملفوظات بھی ہر طبقے کے لوگوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئے اور ان کے ذریعہ نہ جانے کتنے انسانوں کی زندگیوں میں خوشگوار انقلاب رونما ہوا، حاضرین میں سے مختلف حضرات نے حسبِ توفیق ان میں سے متعدد تقریروں اور ملفوظات کو اپنے طور پر قلم بند بھی کیا، بندہ نے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی تقریروں کے ایک سلسلے کو قلم بند کیا جو ''دل کی دنیا'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ نیز حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف سکھروی صاحب مدظلہم کی ترتیب کردہ ''مجالس مفتیٔ اعظم'' بھی اس سلسلہ کا ایک قابلِ قدر مجموعہ ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد حضرات نے اپنے قلم بند کئے ہوئے مواعظ وملفوظات ماہنامہ البلاغ میں وقتاً فوقتاً شائع کرواتے رہے، بلکہ جامعہ دار العلوم کراچی کے کتب خانے میں حضرت والد صاحب کے قدیم کاغذات میں متعدد ایسی قلم بند تقریریں بھی دستیاب ہوئیں جواب

تک کہیں چھپی نہیں تھیں۔ ضرورت تھی کہ ''دل کی دنیا'' اور ''مجالس مفتی اعظم'' کے علاوہ حضرت کے دستیاب مواعظ وملفوظات کو یکجا شائع کروا دیا جائے تا کہ محفوظ ہو کر ان کی افادیت عام ہو سکے۔ میں نے عزیزم مولانا شاکر صدیق جکھوراسلمہ کو اس کام پر لگایا، جنہوں نے بحمد اللہ زیر نظر مجموعہ میں حضرت والد صاحب کے ان مواعظ و ملفوظات کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر امت کے لئے نافع بنائے۔ آمین

بندہ محمد تقی عثمانی

فہرست مضامین

حصہ
مواعظ

اشرف الملفوظات فی مرض الوفات
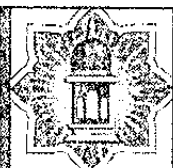
حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے سے کچھ قبل آپ کی خدمت میں حاضری کے دوران جو زرّیں ہدایات پر مشتمل ملفوظات قلمبند فرمائے، وہ ذیل میں ہدیہ ناظرین ہیں۔ مرتب

تمہید

ناکارۂ خلائق کمترین خدام بارگاہ اشرفی بندہ محمد شفیع دیوبندی عرض گذار ہے کہ یوں تو حضرت والا نور اللہ مرقدہ کی پوری عمر اور عمر کے تقریباً پورے اوقات ہی افاضہ وافادہ کے لئے وقف تھے، حضرت کے جملہ کاروبار کو دیکھ کر بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی تھی:

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ (۱)

اور معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کی ذات گرامی اُنھیں مخصوص بندگان الٰہی میں سے ہے جن کو قدرت کے انتخاب نے اپنے ہی لئے چن لیا تھا۔

لیکن اس افاضہ وافادہ کا رنگ آخر عمر میں اوائل سے زیادہ ممتاز طریق پر محسوس

---

(۱) ص: ۴۶۔ ہم نے ان کو ایک مخصوص کام کے لیے خاص کر دیا ہے اور وہ کام آخرت کی یاد ہے۔ ۱۲۔ منہ

ہوتا تھا۔ وفات سے ایک دوسال پہلے مجلس میں فرمایا بھی تھا کہ اب جولوگ مجھ سے خدمت لیتے ہیں وہ پکے ہوئے پھل کھاتے ہیں اوراس سے پہلے گدرے یا کچے پھل کھانے کی مثال تھی۔ جس پر مجلس میں کسی نے عرض کیا کہ بڑے فائدے میں وہ لوگ ہیں جنھوں نے تینوں موسموں کے پھل کھائے ہیں۔

۱۶ جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ کو احقر حاضر آستانۂ عالی ہوا تو مولانا عبدالباری ندوی اور مولانا مسعودعلی صاحب ندوی منجملہ اور بہت سے حضرات کے وہاں مقیم تھے۔ ان حضرات کی مدت قیام چونکہ مختصر تھی اس لئے باوجود شدت مرض و بے انتہا ضعف کے دن رات میں چار چار مرتبہ طویل طویل وقت مجالست کے لئے عطا فرماتے تھے جن میں احقر بھی شریک رہتا تھا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضرت چاہتے تھے کہ سب کو گھول کر پلادیں، بات بات میں ایسے اصول تلقین فرماتے جو عمروں میں بھی حاصل ہونا دشوار ہیں۔

ادھر چونکہ سفر آخرت کا وقت قریب تھا، مدت سے تصنیف وتالیف کے پھیلے ہوئے کاموں کو سمیٹنے کی فکر تھی، جو کام خود شروع کئے ہوئے تھے وہ بحمداللہ سب مکمل فرما چکے تھے۔ بعض کام ایسے بھی تھے کہ طویل الذیل ہونے کی وجہ سے خود ان کی تکمیل کی مشقت برداشت نہ ہوسکتی تھی۔ مگر کام کا ادھورا چھوڑنا بھی حضرت کی طبیعت کے لئے اس کام کی مشقت سے کم نہ تھا۔ مگر حق تعالی نے حضرت اقدس کو مشکل سے مشکل چیز میں آسان سے آسان راستہ نکال لینے کا ایک خاص کمال عطا فرمایا تھا۔ ایسے کاموں میں ایک عجیب صورت اختیار فرمائی جس سے ضرورت کی تکمیل بھی ہوگئی اور طویل کام کی مشقت سے فراغت بھی ہوئی۔ اس سلسلے کے تین کام اس وقت مجھے یاد ہیں ایک تو رسالہ کثرۃ الازواج لصاحب المعراج جس میں حضرت والا نے یہ ارادہ فرمایا تھا کہ تمام ازواج مطہرات سے جس قدر روایات حدیث امت کو پہنچی ہیں

ان سب کو یکجا جمع فرمادیں، لیکن یہ کام بہت دقت اور بہت تفتیش و محنت کا تھا، اس کی صرف ایک قسط جو سب سے بڑی قسط ہے یعنی ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات، ان کو خود جمع فرما کر اسی پر اکتفاء کر کے شائع فرمادیا اور باقی کے متعلق احقر سے فرمایا کہ اب محنت نہیں ہوتی، میں نے اس رسالہ سے ضرورت کا احساس بھی کرادیا اور اس کا ایک خاص طرز بھی بتلادیا۔ آگے کوئی اور اللہ کا بندہ پورا کرے گا۔ چنانچہ یہ رسالہ اتنا ہی شائع ہو کر مفید خواص و عوام ہو رہا ہے۔ ناتمام اور غیر مفید حالت میں نہیں رہا۔

جس وقت حضرت والا نے یہ کلمات فرمائے کہ اور کوئی اللہ کا بندہ پورا کرے گا، احقر کو خیال ہوا کہ میں اس کام کو کرلوں اور حضرت سے عرض کرنے کا بھی ارادہ ہوا۔ لیکن مجھے یاد آیا کہ اس سے پہلے حضرت نے میرے سپرد کوئی کام فرمایا تھا اور ابھی تک اس کی تکمیل نہ ہوئی تھی، اس لئے عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور عجب اتفاق ہے کہ اس کے بعد سے پھر کبھی اس کا خیال بھی نہ آیا۔ آج جب ان ملفوظات کی تمہید لکھنے بیٹھا تو واقعہ یاد آیا۔ اور عجب پر عجب یہ ہے کہ اس وقت بھی میں ایسے ہی حال میں ہوں جیسا اس وقت تھا کہ حضرت ہی کے ایک سپرد فرمائے ہوئے کام (احکام القرآن کی تصنیف) میں مشغول ہوں، شاید حق تعالیٰ نے یہ کسی مقبول بندہ کا حصہ رکھا ہو جو مجھ سے بہتر اس کام کو انجام دیں، ورنہ احقر ناکارہ کا بھی ارادہ ہے کہ اگر فرصت ملی تو حسب استطاعت اس کی تکمیل میں کوشش کرے ورنہ ؎

فکم حسرات فی بطون المقابر

دوسرا کام جو خود حضرت والا نے شروع فرمایا وہ ابن منصور کے حالات صحیحہ کا جمع کرنا اور ان کے بارے میں قول فیصل لکھنا تھا۔ اور تیسرا کام خود اپنے قلم سے شروع

فرمایا تھا وہ حافظ ابن قیم کی طرف منسوب ایک رسالہ کا جواب تھا جس میں جمہور امت کے خلاف فناء جہنم کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

ان دونوں رسالوں میں یہ صورت اختیار فرمائی کہ پہلے رسالہ میں مختصر حالات کے حوالے اور غامض ودقیق مقالات کی شرح اور ابن منصور کے متعلق قول فیصل جو سب سے زیادہ اہم کام تھا اور صرف حضرت ہی کے کرنے کا تھا وہ خود اپنے قلم سے لکھ دیا اور رسالہ کا نام بھی "القول المنصور فی ابن المنصور" تجویز فرمادیا، اسی طرح دوسرے رسالہ میں بھی حافظ ابن قیم کے قابل غور استدلالات کا جواب اور مشکل مواقع کا حل خود فرما کر ان دونوں رسالوں کے مسودے کتب خانہ امداد العلوم تھانہ بھون میں محفوظ کرادیئے اور ایک وصیت ان کے متعلق شائع فرمادی۔ اہل علم کو عموماً اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب اور اس ناکارہ کو خصوصاً خطاب فرمایا گیا تھا کہ ان رسالوں کی تکمیل کردیں۔

مگر حق سبحانہ وتعالیٰ کا معاملہ حضرت کے ساتھ ہمیشہ سے یہ تھا کہ ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں
می دہد یزداں مراد متقیں

چنانچہ اول الذکر رسالہ کی تکمیل باتم تفصیل حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہم نے کردی اور وہ سب حضرت کے ملاحظہ سے گزری اور پسندیدگی کے بعد حضرت کے سامنے ہی یہ کتاب شائع ہوگئی۔

اور آخر الذکر رسالہ کی تکمیل مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدرس دارالعلوم دیوبند نے کر کے حضرت کے ملاحظہ سے گزارا جس کو حضرت والا نے پسند فرما کر اپنی تحریر بھی اس پر ثبت فرمادی جس کی احقر نے بھی زیارت کی ہے، لیکن غالباً یہ رسالہ ہنوز طبع نہیں ہوا۔

الغرض یہ چند کام جو خود شروع فرمائے تھے اور پوری تکمیل کی مشقت کا اب تحمل نہ تھا ان کی تکمیل اس طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

بوادر النوادر کی تکمیلِ تصنیف ہوچکی تھی مگر طباعت کا انتظام نہ ہوا تھا تو قلب مبارک کو اس طرف توجہ تھی۔ جناب شیخ عبدالکریم صاحب شش (۱) جج کراچی نے اس کی طباعت کے لئے ایک ہزار روپیہ بھیج دیا جو اس وقت اس کی ایک ہزار جلدوں کی طباعت کے لئے کافی تھا، مگر کتابت میں دیر لگی، ادھر جنگ کی وجہ سے کاغذ کی قیمت کہیں سے کہیں پہنچ گئی تو فرمایا کہ صرف ڈھائی سو نسخے چھاپ لئے جائیں اور اس میں بھی اگر ایک ہزار روپیہ سے زائد کچھ خرچ ہو تو موصوف کو اس کی اطلاع نہ کی جائے بلکہ زائد رقم میں خود اپنے پاس سے دے دوں گا اور اس کے مقابلہ میں جتنے نسخے آئیں گے وہ میں لے لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، کئی سو روپیہ حضرت والا نے اپنی ذات سے دیا جس کے کچھ نسخے حضرت کے حصے میں آئے، عین مرض کی شدت میں یہ کتاب تیار ہوئی تو روزانہ اس کے پہنچنے کا انتظار رہتا تھا، جب پہنچی تو خاص مسرت کے آثار حضرت والا پر تھے، اپنے حصے میں آئے ہوئے نسخوں کو خود اپنے ہاتھ سے خدام میں تقسیم فرمادیا اور باقی نسخے جج صاحب کے سپرد کرنے کے لئے فرمادیا کہ ان کے پاس بھیج دیئے جائیں وہ جو چاہیں کریں۔

الغرض اول تو ہمیشہ ہی سے حضرت والا کی طبیعت یہ تھی کہ کوئی کام تعویق میں نہ پڑا رہے، پھر اس وقت کہ عمر کے طبعی ضعف کے ساتھ امراض کا ہجوم عرصہ سے تھا جو آنے والے دن کی خبر دے رہا تھا، اس کے پیش نظر ان چیزوں کا اہتمام اور بھی زیادہ ہوگیا تھا۔

---

(۱) اصل میں اسی طرح ہے شاید اس سے مراد سیشن جج ہے، واللہ اعلم، شاکر۔

اسی سلسلہ کی ایک چیز احکام القرآن کی تصنیف تھی جس کی طرف ابتدائی توجہ ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ تفسیر کے آغاز اوراس کے لئے فروع حنفیہ پر استدلالات قرآنیہ اور مواضع خلاف میں دوسرے ائمہ کا جواب ایک مستقل کتاب میں ہونے کی بناء پر ہوئی، اور اسی بناء کے اعتبار سے اس کا نام "دلائل القرآن علی مسائل النعمان" تجویز فرما کر یہ خدمت اس ناکارہ کے سپرد ہوئی، یہ کام نہ آسان تھا، نہ مختصر، احقر نے اپنی فرصت کے موافق کرنا شروع کردیا، اسی عرصہ میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ "اعلاء السنن" کی تصنیف کو مکمل کر کے فارغ ہوگئے تو حضرت والا نے یہ کام ان کے سپرد فرمادیا۔ لیکن اتفاقاً تھوڑے ہی عرصے کے بعد مولانا موصوف بھی ڈھاکہ میں ملازم ہوکر تشریف لے گئے اور یہ کام تعویق میں پڑ گیا۔

۱۳۶۱ھ میں حضرت والا کو اس کام کی طرف زیادہ توجہ ہوئی اور چاہا کہ کوئی عالم فارغ ہوکر صرف اسی کام میں لگ جائے تاکہ تکمیل جلد ہوسکے، مگر اس کی صورت نہ ہوئی تو چند حضرات پر تقسیم کردینے کا فیصلہ فرمایا، اور دو منزلیں قرآن کریم کی اس تقسیم سے احقر ناکارہ کے حصہ میں آئیں۔

ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ میں بعض حوادث کی بناء پر احقر نے دارالعلوم دیوبند کے رسمی تعلق سے استعفیٰ دے دیا اور ۱۶ جمادی الثانیہ کو فارغ ہوکر حاضر آستانۂ عالیہ ہوا تو مشورہ کے بعد یہ تجویز فرمایا کہ احقر اس فراغت میں احکام القرآن کی خدمت انجام دے۔

یہ وہ وقت تھا کہ مرض کا شباب اور ضعف کی انتہا تھی، نقل و حرکت کی دشواری کے علاوہ زیادہ دیر تک کلام فرمانے کا بھی تحمل نہ تھا۔ لیکن دینی خدمات اور افادات کا قدرتی داعیہ اور شغف جو قلب مبارک میں ودیعت رکھا گیا تھا اس نے ہر مشقت کو لذیذ بنا رکھا تھا از محبت تلخہا شیریں شود۔ اسی حالت میں یہ التزام فرمایا کہ میں جو

سورت لکھنا شروع کرتا اس کو بار بار خود تلاوت فرماتے اور اس میں جس مقام سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا نظر آتا اس کی تقریر احقر سے فرماتے اور ہدایت فرمادیتے کہ اس کو کتب تفسیر وغیرہ میں تلاش کرلو، اگر کہیں مل جائے تو اس کے حوالے سے لکھ دو، ورنہ خود بھی غور کرو اگر دل کو لگے تو جس سے تم نے سنا ہے (یعنی خود حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے) اس کے حوالے سے لکھ دو۔

اسی طرح اواخر جمادی الثانیہ میں احقر سورۂ نمل کے ختم پر پہنچا جس کے آخر میں مسئلہ علمِ غیب پر تفصیلی کلام کرنا پڑا، اس میں دیر لگی تو ایک روز دریافت فرمایا کہ نمل ختم ہوگئی۔ احقر نے عرض کیا کہ مسئلۂ علمِ غیب پر مفصل تحریر لکھنے کی وجہ سے دیر لگ رہی ہے، پھر دو روز کے بعد دریافت فرمایا، اس وقت بھی اس بحث سے فراغت نہ ہوئی تھی، مجھے ندامت ہوئی کہ حضرت کو اس کے ختم کا انتظار ہے اور میں ابھی تک ختم نہیں کرسکا۔ خدام کی آسانی اور بے فکری کی رعایت حضرت والا کو انتہا درجہ کی تھی۔ اسی لئے اس کے بعد کئی روز تک دریافت نہیں فرمایا اور حضرت کے انتہائی ضعف کی وجہ سے ازخود کوئی علمی بحث ذکر کرنے کی جرأت نہ ہوئی تھی، پھر کئی روز بعد خود ہی دریافت فرمایا کہ ابھی تو مسئلۂ علم غیب پورا نہیں ہوا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ بحمد اللہ پورا ہو چکا ہے اور سورۂ نمل بھی مکمل ہو چکی ہے۔ سورۂ قصص کی چند آیات بھی لکھ چکا ہوں۔ اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور سورۂ قصص کی آیت جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبطی کو قتل کر دینے اور پھر جناب باری میں اس پر استغفار کرنے اور حق تعالیٰ کی طرف سے مغفرت فرمانے کا تذکرہ ہے، اس کے متعلق فرمایا کہ اس میں ایک سوال ہے وہ یہ کہ قبطی کافر تھا اور کافر بھی حربی جس کا خون حسب قواعد شرعیہ مباح ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے استغفار کیوں کیا؟ اور حق تعالیٰ کی طرف سے بھی مغفرت کا ذکر فرما کر اس

کی تقریر کردی گئی کہ یہ قتل مناسب نہ تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ حربی کافر کے قتل کو ناجائز یا نامناسب قرار دینے کا سبب کیا ہے؟ پھر فرمایا کہ مدت سے میرا ایک خیال ہے وہ یہ کہ کفار سے جیسے باقاعدہ زبانی یا تحریری عہد ہوجاتا ہے تو اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہوجاتی ہے اسی طرح بعض اوقات عملی عہد ہوجاتا ہے کہ باہمی طرز معاشرت اور تعامل سے فریقین ایک دوسرے سے مامون و بے خطر ہوں، باہمی معاملات اور لین دین وغیرہ جاری ہو یہ بھی ایک نوع عہدِ عملی کی ہے، اس کی بھی رعایت کرنا ضروری ہے کہ اگر کسی وقت ایسے لوگوں پر حملہ کرنا ہے تو پہلے ان کو نبذ عہد کے طور پر متنبہ کر دیا جائے کہ اب ہم سے مامون نہ رہیں، پھر طرفین کو اپنے اپنے فعل کا اختیار ہے اور بغیر اس نبذ عہد کے ایک قسم کا غدر ہے جو شریعت اسلامیہ میں کسی حال کسی کافر سے جائز نہیں۔ قبطی کا واقعہ بھی اسی قبیل سے تھا، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام مع اپنے متعلقین بنی اسرائیل کے اور قبطی کفار دونوں فرعونی سلطنت کے باشندے تھے اور ایک دوسرے سے باہم مامون تھے۔ اسی حالت میں قبطی کا اچانک قتل کر دینا عہد عملی کے خلاف تھا، اس لئے اس پر عتاب ہوا اور استغفار و مغفرت کی نوبت آئی۔ رہا یہ سوال کہ جب یہ قتل بحکم غدر اور معصیت تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولو العزم رسول اور معصوم ہیں ان سے کیسے صادر ہوا؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قصداً قتل نہیں کیا، معمولی ضرب اس کو ہٹانے کے لئے لگائی تھی اتفاقاً مر گیا۔ اس لئے معصیت کا صدور اُن سے نہیں ہوا۔ تاہم صورت معصیت کی تھی اس لئے پیغمبر خدا نے اس کو بھی اپنے حق میں معصیت ہی کے برابر سمجھ کر استغفار کیا۔

پھر ارشاد فرمایا کہ یہ میرا خیال ہے، اگر اس کا ثبوت کتاب وسنت میں یا علماء اہلِ حق کے کلام میں مل جائے تو اس کے حوالے سے لکھا جائے ورنہ جس سے آپ نے

سُنا ہے اس کے حوالہ سے لکھ سکتے ہیں کیونکہ بظاہر قواعد اور اصول مسلّمہ کے اس میں کوئی بات خلاف نہیں معلوم ہوتی۔

احقر نے اس کو تلاش کر کے پیش کرنے لئے عرض کیا۔ یہ ارشاد یکم رجب ۱۳۶۲ھ کی مجلس میں فرمایا تھا جس کے پندرہ روز بعد دنیا سے سفر ہونے والا تھا۔ میں نے اسی روز تحقیق کی تو بحمداللہ صحیح بخاری کی ایک حدیث بروایت مغیرہ ابن شعبہ میں اس کا ثبوت اور قسطلانی شرح بخاری میں اس کی تصریح نکل آئی۔ ارادہ کیا کہ حضرت کی خدمت میں پیش کروں لیکن ان دنوں اکثر وقت حضرت اقدس پر ایک قسم کی غنودگی یار بودگی کی کیفیت رہتی تھی، عرض کرنے کا موقع نہ پایا۔

۳ رجب کو احقر اپنے بعض اعزاء کی شدید بیماری کی وجہ سے دیوبند آگیا اور یہ حسرت دل کی، دل ہی میں رہ گئی۔ اس آیت کی پوری تقریر بھی وفات کے بہت بعد جب کچھ دل ودماغ سنبھلنے لگے اس وقت لکھنے کی نوبت آئی جبکہ نہ اپنی غلطی پر کوئی متنبہ کرنے والا رہا اور نہ کوئی مفید بات دیکھ کر خوش ہونے والا۔ بقول اکبر مرحوم ؎

اب کہاں نشو ونما پائے نہال معنیٰ
کس زمیں پر دلِ پُرجوش کی بدلی برسے

اب حالت یہ ہے کہ جب کوئی اشکال پیش آتا ہے تب تو ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

کی مجلس روح افزاء کی یاد پر یہ حال ہونا ضروری ہی ہے کہ ع

سو داغ دے گئے ہمیں دو دن بہار کے

لیکن اگر کسی وقت حضرت ہی کی جوتیوں کے طفیل میں کوئی اشکال حل ہو جاتا

ہے اور اپنے نزدیک کوئی اچھی چیز لکھی جاتی ہے تو یہ رونا ہوتا ہے کہ اب یہ کس کو دکھلاؤں جو اس کو دیکھ کر خوش ہوں اور دعاؤں سے اس کی داد دیں۔

کل کی بات ہے کہ علامہ تقی الدین سبکی شافعی کی مشہور کتاب جمع الجوامع دیکھ رہا تھا جو اصولِ فقہ میں لکھی گئی ہے اور اس کا آخری باب تصوف میں منعقد کیا گیا ہے، اس میں حضرت والا کا وہ زریں اصول جو تنہا نصف سلوک ہے یعنی مسئلہ اختیاری وغیر اختیاری جس کی شرح حضرت کے کل خدام جانتے ہیں اس کتاب میں اصول کے طور پر اسی مسئلہ کو لیا گیا ہے اور مشکلات سالکین کو اس سے حل کیا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر ایک دفعہ تو یہ حالت ہوئی کہ جی میں آیا کہ ابھی کتاب اٹھا کر چلوں اور نقاد معانی کی خدمت میں میں پیش کروں مگر حواس درست ہوئے تو دل پکڑ کر رہ گیا کہ ؎

نہ قاصدے، نہ سفیرے، نہ مرغ نامہ برے

کہ پیش حضرت اقدس بروز من خبرے

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

احکام القرآن کی تصنیف کے بارہ میں حضرت والا نے احقر کو چند نصیحتیں فرمائی تھیں جو اسی وقت احقر نے ضبط کر لی تھیں۔ یہ نصائح کیا ہیں عجیب وغریب اصول ہیں جو ہر تصنیف بلکہ ہر دین ودنیا کے کام میں مشعل راہ ہیں، اس لئے مناسب سمجھا کہ ان کو اس جگہ نقل کر دوں۔ اگرچہ یہ نصائح مختلف اوقات کے ارشادات ہیں، ایک مجلس کی تقریر نہیں۔

علمی اور عملی معمولات کے متعلق چند زرّیں اصول

(۱) ارشاد فرمایا کہ جس قدر وقت اس کام کے لئے مقرر کیا ہے اس میں کام

پابندی کے ساتھ کرنے کا التزام کیا جائے، اگر کسی روز طبیعت نہ لگے تو اگر یہ صورت کام شروع کرنے سے پہلے واقع ہو تو پروانہ کی جائے، طبیعت پر جبر کر کے کام کیا جاوے اور اگر وسط میں پیش آوے تو طبیعت کو زیادہ مقید نہ کیا جاوے بلکہ کام اس روز چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ عملی کاموں میں مقصود اصلی اجر ہے اور وہ ہر حال میں حاصل ہے خواہ دل لگے یا نہ لگے اور علمی کاموں میں اصل مقصود یہ ہے کہ کام مفید اور نافع صورت میں ہو جائے اور یہ بغیر دلچسپی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن کام کے اوائل میں دلچسپی نہ ہونے کو عذر سمجھ لیا جاوے گا تو کام بھی نہ ہوگا۔

(۲) فرمایا کہ جو مضمون ضمناً واستطراداً آئے اُس کو لکھا جائے تو نہایت مختصر لکھیں، بے محل تفصیل سے فائدہ نہیں ہوتا۔

(۳) جس مسئلہ فقہیہ پر بحث ہو اس کا حوالہ کتب فقہیہ سے ضرور ہونا چاہئے، یہ ضروری نہیں کہ خود امام ہی کا قول ہو بلکہ مشائخ مذہب کے اقوال بھی کافی ہیں۔

(۴) جس روز کسی ضرورت سے کام نہ کرنا ہو اس روز بھی تھوڑی دیر کام ضرور کر لیا جائے خواہ ایک ہی سطر لکھی جاوے تا کہ ناغہ کی بے برکتی سے نجات ہو۔ اور فرمایا کہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی صاحب کا درس میں یہی معمول تھا کہ اگر کسی دن سبق پڑھانا نہیں ہوتا تھا تو سب جماعتوں کے طلبہ کو ایک ہی وقت میں جمع کر کے ہر سبق کی ایک ایک سطر پڑھا دیا کرتے تھے۔ اس میں بڑی برکت ہے۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ خود حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کا طرز عمل بھی ہمیشہ یہی رہا ہے جس کی برکت حضرت کے کاموں میں مشاہد ہے۔

رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ کا ایک واقعہ جو میرے پاس قلمبند ہے یاد آیا کہ اطباء نے حضرت کو کچھ چلنے کا مشورہ دیا، چنانچہ بعد عصر جنگل تشریف لے جایا

کرتے تھے، احقر بھی ہمراہ ہوتا تھا اور وصل صاحب مرحوم اور بعض دوسرے حضرات بھی۔ معمول یہ تھا کہ تھانہ بھون میں ریلوے لائن کا پُل جو نالہ پر ہے اس سے غربی جانب میں دوسرا پُل جو بیل گاڑیوں کا ہے وہاں تک روزانہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ میں خیال کرتا تھا کہ کسی دن اس میں ایک قدم کم نہیں کیا۔ ایک روز ریلوے پل پر پہنچے تو راستہ گائے بیلوں سے گھرا ہوا تھا آگے نہ جاسکے تو واپس ہوئے مگر واپسی کا روزانہ کا راستہ چھوڑ کر ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے، ہم سب ساتھ ہوئے مگر خلافِ عادت اسٹیشن کی طرف چلنے کی مصلحت معلوم نہ ہوئی، پھر خود ارشاد فرمایا کہ میں نے وہ مسافت جو کم رہ گئی تھی اس طرف چل کر پوری کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ بعض زوائد کاموں میں پابندی کا یہ حال ہو تو مقاصد میں کس قدر پابندی ہوگی۔

ایک روز اسی سیر کے دوران میں فرمایا کہ جن معمولات کا تعلق کسی دوسرے سے ہو میں اُن کی بہت زیادہ پابندی کرتا ہوں، لیکن جن معمولات کا تعلّق میرے نفس سے ہو ان میں بہت آزاد ہوں، چنانچہ دوپہر کا آرام کبھی کرتا ہوں، کبھی نہیں۔

(۵) ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ کا ایک ملفوظ اسی سلسلے کا میرے پاس لکھا ہوا ہے، وہ بھی تصنیف وغیرہ علمی خدمات میں ایک بہترین فائدہ ہے اس لئے ذکر کرتا ہوں۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اشرف السوانح کی تصنیف میں مشغول تھے، طویل رخصت اس کام کے لئے لے رکھی تھی، مجلس میں ذکر آیا کہ رخصت ختم کے قریب ہے، اور کام بہت باقی ہے۔ تو فرمایا کہ:۔

میں ہمیشہ کہتا تھا کہ مختصر مختصر جو سامنے آوے اس کو لکھ ڈالو، پھر جو یاد آتا

رہے گا اضافے ساری عمر کرتے رہنا۔ کام اسی طرح ہوتا ہے، مگر کوئی بڈھوں کی بات مانتا نہیں۔ اپنی جوانی کے جوش میں جب کام لے کر بیٹھتے ہیں تو یہ خیال کرتے ہیں کہ سب ہی کچھ لکھ ڈالیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں لکھا جاتا۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پند پیر دانا را

اب اس کے بعد وہ ملفوظات تاریخوار لکھے جاتے ہیں جو مرض وفات میں احقر نے خود حضرت کی مجلس میں ضبط کر لئے تھے۔

تنبیہ: حضرت والا کا معمول تھا کہ بدون اپنی نظر ثانی کے ملفوظات چھاپنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور ایک شرط کے ساتھ اجازت بھی تھی۔ احقر نے اس شرط کی رعایت تا بمقدور کر لی ہے، اس کے باوجود اس میں کوئی کوتاہی رہی ہو تو وہ ناکارہ کی طرف منسوب سمجھی جاوے۔ وما أرید إلا الإصلاح ما استطعت وما توفیقی إلا باللہ العلی العظیم۔

محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ
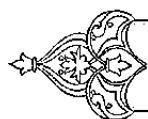
۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ

(۱) بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنی بات کو غالب رکھنا چاہتے ہیں، اس کی غلطی بھی واضح ہو جائے تو بھی اس کو نہیں چھوڑتے۔ سمجھتے ہیں کہ اس میں عزت ہو گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مخاطب اگر کسی وجہ سے خاموش بھی ہو جائے تو اس کی حقارت اور جہالت قلب میں بیٹھ جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ مخاطب کے لئے ایذا کا سبب ہے، اور گناہ بھی ہے۔

(۲) فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے اصل مطلوب ان کا مذاق حاصل کرنا ہے جو محض موہبت سے عطا ہوتا ہے، باقی رہے افعال تو وہ اختیاری ہیں، ایک دم میں بدل سکتے ہیں، مگر مذاق صحیح بعض اوقات پچاس برس میں بھی حاصل نہیں ہوتا۔

۱۹ جمادی الاولی ۱۳۶۲ھ

(۳) فرمایا کہ مولوی عبید اللہ سندھی کا ایک مقولہ مجھے بہت پسند ہے گو وہ اس محل میں درست نہ ہو جس کے لئے انہوں نے فرمایا تھا۔ وہ یہ کہ مولوی صاحب نے مثنوی کی شرح لکھنے کی مجھ سے فرمائش کی، میں نے عذر کیا کہ اب تو مجھے اصطلاحات بھی یاد نہیں رہی۔ انہوں نے فرمایا کہ علم کا تو وہی وقت ہے جب اصطلاحات سے ذہول ہو جائے، فرمایا کہ ذہین آدمی ہیں یہ مضمون بالکل صحیح ہے کیونکہ جب تک اصطلاحات یاد ہیں الفاظ کا غلبہ رہتا ہے، جب اصطلاحات محو ہو جاویں تو معانی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

(۴) حدیث میں ہے کہ امت کے تہتر ۷۳ فرقے ہوں گے بہتر ۷۲ ناری ایک جنّتی۔ اس میں یہ اشکال ہے کہ اگر ناری ہونے سے خلود نار مراد ہے تو ان سب فرقوں کی تکفیر لازم آتی ہے، جو اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہیں اور اگر خلود فی النار مراد نہیں تو فرقۂ ناجیہ اور ان بہتر فرقوں میں کوئی فرق نہیں رہتا کیونکہ فرقۂ ناجیہ کے بدعمل لوگ بھی تا چندے جہنم میں رہیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بہتر ۷۲ فرقوں کا معذّب بالنار ہونا غلطی عقائد کی وجہ سے ہوگا اور تہترویں فرقے کو اگر عذاب ہوگا تو عقائد کی بنا پر نہیں بلکہ اعمال کی بناء پر اور خلود فی النار سے یہ سب فرق اسلامیہ محفوظ ہیں جن کی تکفیر اہلسنت نے نہیں کی۔

(۵) احقر نے سوال کیا کہ قرآن مجید میں:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (الشعراء:۲۲۴)

میں تبعین کی غوایت کو متبوعین کی غوایت کا کنایہ بنایا گیا ہے۔تو کیا اس سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ جس شخص کے اَتباع کو گمراہ پایا جاوے اس کو بھی گمراہ سمجھا جاوے۔فرمایا ہاں بشرطیکہ اس کے اتباع کو دخل ہو گمراہی میں۔نہ یہ کہ اتباع کسی اور چیز میں ہو اور گمراہی کے دوسرے اسباب ہوں۔

(۶) فرمایا میرے ذوق میں نبی کریم ﷺ کے دلائل نبوی میں سب سے بڑی دلیل بیساختگی ہے یہ بغیر صدق کامل کے ممکن نہیں ہوتی کہ کسی چیز میں تکلف نہیں۔ہر چیز بے کم وکاست ظاہر کر دی جاتی ہے۔

(۷) فرمایا کہ میں دیوبند گیا تو پندرہ برس کی عمر تھی، بچوں میں شمار تھا مگر شوق تھا بزرگوں کی مجلس میں حاضر ہونے کا۔ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا فرمایا کہ بھائی پڑھنے سے گُننے [۱] کی فکر کرنا اور فرمایا کہ ان دونوں میں فرق ہے، پھر اس فرق کو ایک حکایت سے واضح فرمایا کہ دو طالب علم تھے ایک ہدایہ کے حافظ تھے دوسرے محض ناظرہ پڑھتے تھے۔ناظرہ خواں نے ایک مسئلہ کے متعلق کہا کہ ہدایہ میں لکھا ہے، حافظ نے انکار کیا، پھر ناظرہ خواں نے ہدایہ دکھلایا کہ اس کی فلاں عبارت سے یہ مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔حافظ نے اقرار کیا۔اور کہا کہ صحیح یہی ہے کہ ہدایہ تم نے ہی پڑھا ہے ہم نے فضول مشقت اٹھائی۔ہمارے حضرات کا خاص وصف یہی تو تھا اور میں تو بلا خوفِ رد کہتا ہوں کہ ہمارے حضرات غزالی اور رازی سے کسی طرح کم نہ تھے۔

(۸) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کو دو شخصوں پر فخر تھا باعتبار درایت مولانا محمد اسمٰعیل شہید پر اور باعتبار روایت مولانا اسحٰق صاحب پر۔اور فرماتے تھے:

---

(۱) گُننا: مشق کرنا (از نور اللغات)۔مرتب

الحمدلله الذی وهبنی علی الکبر إسمٰعیل وإسحٰق۔

(۹) حضرت مولانا عبدالباری صاحب لکھنوی نے عرض کیا کہ شرح صدر میں تقویٰ کو دخل ہے؟ فرمایا کہ تقویٰ کو تو دخل ہے ہی، اس بارہ میں میری ایک اور تحقیق ہے وہ یہ کہ ادب کو بہت بڑا دخل ہے یعنی بزرگوں کے ادب کو بزرگوں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی بڑی وجہ یہی ادبِ اکابر قرار دی ہے۔

(۱۰) حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے رنگ کا اختلاف ذکر کرکے فرمایا کہ دونوں رنگوں کی خاصیتیں مختلف ہیں، ایک کا نفع عام ہے تام نہیں اور دوسرا تام ہے عام نہیں۔ مجھے طبعاً عمل کے لئے تو وہ رنگ پسند ہے جو تام ہے اگرچہ عام نہیں لیکن دوسروں سے برتاؤ میں دوسرا رنگ پسند ہے یعنی دوسروں سے خشونت نہ کی جاوے۔

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ
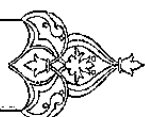
(۱۱) ایک صاحب کا تذکرہ تھا فرمایا کہ دیندار آدمی تھے مگر ایک کمی تھی کہ اپنے کو دیندار سمجھتے تھے، ضرورت اس کی تھی کہ اپنے کو مٹادیں۔

(۱۲) فرمایا مولانا نے خوب فرمایا ہے۔

بیم سر، یا بیم سر، یا بیم دیں
امتحانے نیست مارا جز ازیں

(۱۳) ہمارے حضرت حاجی صاحب حجۃ اللہ فی الارض اور ظل اللہ فی الارض تھے۔ مگر میں کہتا ہوں چاہے کوئی دعویٰ سمجھے، کہ اس کو سمجھا سب نے نہیں، ہاں جن لوگوں کو انہوں نے سمجھانا چاہا حق تعالیٰ نے ان کی مراد پوری کرکے اُن کو سمجھا دیا۔

(۱۴) فرمایا کہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ سالک کو اگر دو چیزیں حاصل ہوں یعنی اتباعِ سنّت اور حبِ شیخ تو اگرچہ وہ ہزاروں ظلمات

میں بھی مبتلا نظر آوے درحقیقت وہ انوار میں ہے اور جس میں یہ دونہیں وہ اگرچہ بظاہر انوار کا مشاہدہ کرے مگر حقیقت میں ظلمات کے اندر گھرا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اور میرا مذاق یہ ہے کہ حب شیخ بھی اصل مقصود نہیں بلکہ وہ بھی ذریعہ ہے اتباع سنت کا۔

حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے اور جس کو فرشتوں کے ذریعہ بھیجا گیا یعنی اِفْعَلْ وَلَا تَفْعَلْ (امر و نہی) اس کا اتباع کرتے ہوئے غیر اختیاری طور پر کیسے ہی حالات و کیفیات پیش آجاویں ذرّہ برابر مضر نہیں۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست
بر صراط مستقیم ایدل کسے گمراہ نیست

۲۱ جمادی الاولی ۶۲ھ بعد ظہر

(۱۵) حضرت کی علالت کا سلسلہ جاری تھا ضعف روز بروز بڑھ رہا تھا مگر خداداد ہمت سے تمام کام اپنے اپنے اوقات پر پورے فرماتے تھے، ظہر کے بعد زنانہ مکان کے قریب مولوی جمیل احمد صاحب کے مکان میں مجلس کا معمول تھا، سخت لُو اور گرمی کا زمانہ اور ایسے ضعف کی حالت میں یہاں تک آنا کچھ آسان کام نہ تھا مگر روزانہ تشریف لاتے تھے۔ ایک روز تشریف لاتے ہی ایک صاحب نے کچھ خلافِ طبع کلام کیا جس سے حضرت کو کچھ تغیر ہوا۔ فرمایا لوگ میرے ضعف کی حالت کو نہیں دیکھتے، حال یہ ہے کہ گھر سے دو قدم باہر تک یہاں آتا ہوں تو بے حد تکان ہو جاتا ہے، اب یہاں سے واپس جاؤں گا تو چارپائی پر گر پڑوں گا، دیر تک اس قابل نہ ہوں گا کہ وضو کر سکوں یا نماز پڑھ سکوں، میری عادت گانے کی نہیں کہ اپنی حالت کو

کہتا رہوں اور کیوں ہو ذکر کرنے کی چیز محض خدا کا نام ہے، کسی شخص کے حالات بلاضرورت ذکر کرنے سے کیا فائدہ۔

ہر چہ جز ذکر خدائی احسن است
گر شکر خواری ست آں جاں کندن است

۲۲ جمادی الاولی ۱۳۶۲ھ

(۱۶) احقر تھانہ بھون میں احکام القرآن کی تصنیف کا کام حضرت والا کے ارشاد کے موافق کررہا تھا، جمعہ کے روز صبح کی مجلس میں دیر سے حاضر ہوا تو دریافت فرمایا کہ کیا آج بھی کام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت آج بھی کیا ہے، ناغہ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ فرمایا کام اسی طرح ہوتا ہے کہ لگ لپٹ کر کیا جاوے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کام تو ایسا تھا کہ مجھے اس کی جرأت بھی نہ کرنی چاہئے تھی، مگر حضرت والا کی خدمت میں ہوتے ہوئے یہ تصوّر بھی نہ آیا کہ یہ کوئی بڑا بوجھ اٹھا رہا ہوں، فرمایا کہ پہلے لوگوں نے بھی سب نے یہی لکھا ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں ہیں مگر حق تعالیٰ نے اُن سے کام لے لیا۔ یہ حال کلید کامیابی ہے کہ ہم میں اہلیت نہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو جس سے چاہیں کام لے لیتے ہیں۔

در فیض است منشیں از کشائش ناامیدی اینجا
کہ مثل دانہ از ہر قفل می روید کلید اینجا

پھر فرمایا:

مایفتح الله للناس من رحمة فلا ممسك لها۔

اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ رحمت کے دروازے کھولدے، مولانا نے خوب فرمایا ہے۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وار می باید دوید

سیر کی روایت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا سے بچ کر بھاگے تو ہر دروازہ پر قفل پڑا ہوا تھا مگر قفل اور دروازہ بند دیکھ کر انہوں نے اپنی سعی میں کمی نہیں کی بلکہ دروازہ تک دوڑے تو حق تعالی نے امداد کی، جس دروازہ پر پہنچے تھے قفل تڑ سے ٹوٹ کر گر جاتا اور دروازہ کھل جاتا تھا۔ اسی کو مولانا نے فرمایا۔ خیرہ یوسف دار می باید دوید

علم مناظر کا قاعدہ ہے کہ دور پہنچ کر بصری شعاعیں مل جاتی ہیں، اس لئے طویل سڑک سامنے سے ایسی نظر آتی ہے کہ گویا دونوں طرف کے درخت ملے ہوئے ہیں راستہ نہیں، اگر کوئی موٹر چلانے والا ناواقف ہو، دور سے یہ منظر دیکھ کر یہ سمجھے کہ آگے چلوں گا تو موٹر ٹکرا جائے گی اور وہیں ٹھہر جاوے تو کبھی مسافت طے نہ ہوگی۔ اور اگر چلتا رہے تو جوں جوں آگے بڑھے گا راستہ کھلتا نظر آوے گا۔

(بعد ظہر)

(۱۷) حضرت کے ہاتھ میں ایک پھانس لگ گئی تھی، اس کو نکالا پھر فرمایا کہ یہ ایک عبرت کی چیز ہے۔ دیکھئے بدن کے اندر خارج کی ذراسی اجنبی چیز داخل ہونے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی تو قلب کے اندر کسی زائد چیز کو کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے۔ مگر بے حسی ہے جو قلب میں لایعنی خیالات سے تکلیف نہیں ہوتی۔ مگر اللہ والے پھانس لگنے سے زیادہ تکلیف اس کی محسوس کرتے ہیں۔ حدیث کے کیسے پاکیزہ الفاظ ہیں جو اسی مضمون کی تعبیر ہیں۔ الإثم ما حاک فی صدرک.

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است
گر شکر خواریست آں جاں کندن ست

(۱۸) فرمایا: میں ایک منٹ کے لئے اس کو گوارا نہیں کرتا کہ اپنی مصالح پر کسی کی مصالح کو قربان کروں، اگر ایثار کی بھی توفیق نہ ہو تو کم از کم دوسروں کو تکلیف تو نہ دے۔

۲۳ جمادی الاولی ۶۲ھ

(۱۹) ایک صاحب نے جو بعض دنیوی مصائب میں مبتلا تھے خط لکھا کہ اس سے مجھے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ سوء خاتمہ سے اس کا دُور کا بھی کوئی علاقہ نہیں، بلکہ مصائب و آلام حُسن خاتمہ میں قوی معین ہوتے ہیں، ان سے تو مقبولیت بڑھتی ہے، بلکہ پہلے سے مقبولیت نہ ہو تو اس سے حاصل ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ؁ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ؁ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ؁ [الفجر:۱۵۔۱۷]

اس میں اسی غلطی کو رفع کیا گیا ہے کہ نہ مصائب مردود ہونے کی علامت ہیں اور نہ آرام و عیش مقبولیت کی علامت ہے۔

(۲۰) فرمایا لوگ تعویذ گنڈے کے پیچھے پڑ گئے ہیں، دعا کی طرف توجہ نہیں، نہ دعا کا اعتقاد، میں یہ تو نہیں کہتا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے، مگر صورت معاملہ کی ایسی ہے کہ تعویذ گنڈہ کو یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے حق تعالیٰ ضرور ہی یہ کام کر دیں گے، گویا معاذ اللہ اختیار نہ رہے گا، بخلاف دعا کے کہ وہ اپنے اختیار سے قبول کریں یا نہ کریں۔

(۲۱) فرمایا کہ بعض صوفیہ نے ایک لطیفہ کہا ہے کہ لغت اور عرف میں بالغ اُس

... کو کہتے ہیں جس سے منی خارج ہو اور صوفیہ کے نزدیک بالغ وہ ہے جو مَنی سے خارج ہو یعنی دعوے سے بَری ہو جاوے۔

خلق اطفال ناد جز مرد خدا
نیست بالغ جز رسیدہ از ہوا

(۲۲) فرمایا معتزلہ کہتے ہیں کہ حضرت حق جل وعلا کا خالق قبائح ہونا اُس کی تنزیہ کے خلاف ہے لیکن محققین یہ کہتے ہیں کہ قبائح کی خلق میں زیادہ دلالت علی القدرۃ الکاملہ ہے۔

محقق ہماں بیند اندر ابل
کہ در خوبرویاں چین وگل

ایک ماہر خوشنویس اگر حرف جیم عمدہ لکھے وہ اتنا کمال نہیں سمجھا جاتا جتنا یہ کہ وہ بگاڑ کر لکھے، جس سے پہچانا نہ جاوے کہ یہ کسی ماہر کا لکھا ہوا ہے۔ انتہی کلامہ۔ احقر جامع کہتا ہے کہ سریع السیر سواریاں جیسے موٹر اور سائیکل وغیرہ میں بڑا کمال اس شخص کا سمجھا جاتا ہے جو ان کو آہستہ سے آہستہ چلا سکے۔ محمد شفیع۔
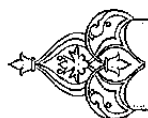
۲۵ جمادی الاولی ۶۲ھ
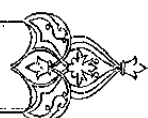
(۲۳) حدیث میں ہے کہ

لا تنظروا إلى ذنوب العباد كأنكم أرباب۔

یعنی ایسی طرح لوگوں کے گناہوں پر نظر نہ کرو جیسے تم خود خدا ہو اور وہ تمہارا کوئی حق فوت کر رہا ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ بے نمازی کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے کہا تمہارے ذمہ واجب ہے، کیونکہ میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ اس کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنے کو بری سمجھنے کا ناز رکھتا ہے۔

گناہ گاروں پر رحم کرنا چاہئے جیسے بیمار پر۔ البتہ چونکہ اس نے باختیارِ خود گناہ کیا ہے اس لئے بغضِ عقلی کافی ہے، یہ نہیں کہ ہر وقت ان پر غرایا ہی کرے۔

گناہ آئینۂ عفو رحمت است اے شیخ
مبیں بچشم حقارت گناہگاراں را

(۲۴) الرحمة المهداة میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام ایک مقبرہ پر گزرے جس میں نئی سی قبریں بنی ہوئی تھیں اور پاس گئے تو معلوم ہوا کہ اکثر معذّب ہیں، دعا کی، اور گزر گئے، کچھ عرصہ کے بعد وہاں گزر ہوا جبکہ قبریں شکستہ ہوگئی تھیں، وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ سب کے سب مغفور اور روح وریحان میں ہیں، حیرت ہوئی اور جنابِ باری میں عرض کیا کہ مرنے کے بعد ان کا کوئی عمل تو ہوا نہیں، پھر مغفرت کا سبب کیا ہوا ؟ فرمایا جب ان کی قبریں شکستہ ہوگئیں اور کوئی ان کا پوچھنے والا نہ رہا تو مجھے رحم آیا اور مغفرت کردی، حضرت نے فرمایا دیکھو کچی قبر رکھنے میں ایک یہ بھی مصلحت ہے۔

(۲۵) یہ مشہور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک بیوی جنیہ تھی جس کے بطن سے محمد ابن الحنفیہ پیدا ہوئے۔ فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق حضرت مولانا محمّد یعقوب صاحب سے دریافت کیا، فرمایا کہ عرب کی عادت یہ ہے کہ ہر عجیب چیز کو جنات کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس لئے عمدہ اور عجیب چیز کو عبقری کہتے ہیں کیونکہ عبقر نام ایک وادی کا ہے جس کے متعلق مشہور یہ ہے کہ اس میں جنات رہتے تھے۔ اسی طرح حضرت محمد بن الحنفیہ اوران کے بھائیوں کے متعلق کسی نے بطور مدح کے کہا ہے ؎

بنو جنية ولدت سيوفا [1] اس سے کسی کو شبہ ہوگیا کہ وہ جنیہ کی اولاد ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو حیرت انگیز شجاعت کی وجہ سے شاعر نے بنو جنیہ کہہ دیا ہے۔

---

(۱) وہ ایک جنیہ عورت کی اولاد ہیں جس نے تلواریں جنی ہیں۔ ۱۲۔
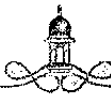
(۲۶) فرمایا کہ مرادآباد میں ایک مرتبہ مولانا انور شاہ صاحب نے ایک عجیب روایت بیان کی تھی جبکہ کسی نے اُن سے سوال کیا کہ کیا جنات بھی زمین میں انسان کی طرح دفن کئے جاتے ہیں؛ فرمایا نہیں بلکہ وہ ہوا میں دفن ہوتے ہیں، پھر فرمایا کہ عقلاً تو کچھ مستبعد نہیں کیونکہ اصل دفن کی یہ ہے کہ جس جوہر سے وہ جسم بنا ہے مرنے کے بعد اسی میں اس کو پہنچا دیا جائے۔ انسان پر مٹی کا عنصر غالب ہے، اس کو مٹی میں دفن کیا جاتا ہے۔ جنّات میں کچھ بعید نہیں کہ نار یا ہوا کا عنصر غالب ہو اور اسی مرکز میں ان کو بعد الموت پہنچایا جاتا ہو۔

ہمارے ماموں صاحب ایک ذہین آدمی تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ہندوؤں میں مُردے جلانے کی رسم یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دیوتاؤں کے تعامل سے چلی ہے کیونکہ دیوتا اُن کے جنّات ہیں اور ممکن ہے کہ ان میں بوجہ ناری الاصل ہونے کے جلانے کا دستور ہو، ان کو دیکھ کر بے سمجھے ہندوؤں نے بھی ان کی تقلید کر لی، حضرت نے فرمایا کہ یہ کوئی روایت تو نہیں مگر کچھ مستبعد بھی نہیں۔

۲۶ جمادی الاولی ۶۲ھ

(۲۷) فرمایا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کے اصحاب جب جہاد کو نکلے ہیں تو اپنے آپ کو ایسا مٹا کر نکلے ہیں کہ کھانے کے لئے برتن ساتھ نہ ہوتے تھے۔ مسجد کے فرش کو کسی کنارہ سے دھو کر اس پر ترکاری رکھ کر کھانا کھاتے تھے اور فارغ ہو کر پھر دھو دیتے تھے، حالانکہ ان کے لشکر میں بڑے بڑے امراء اور شہزادے بھی تھے۔

(۲۸) فرمایا حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جہاد میں ناکامی اس وجہ سے ہوئی کہ جن لوگوں پر اعتماد کیا وہ قابلِ اعتماد نہ تھے، شدت کے وقت ساتھ نہ دیا۔

(۲۹) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے عجیب

جامعیت عطا فرمائی تھی ہر کام میں رائے رکھتے تھے، فرماتے تھے کہ سلطنت کی قابلیت عالمگیر سے زیادہ شاہجہاں میں تھی حالانکہ دینداری میں یقیناً عالمگیر بڑھے ہوئے تھے مگر لکل فن رجال۔

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ

(۳۰) فرمایا کہ حضرت سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی نے حلوا پیش کیا، حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا الھدایا مشترک اشارہ تھا کہ حدیث میں ہے:

من أهدى له هدية فجلسائه شركائه۔ (۱)

حضرت نے فرمایا کہ اے برادر بلکہ تنہا خوشترک۔ اس نے عرض کیا کہ آپ حدیث کا معارضہ کرتے ہیں، فرمایا نہیں، حدیث کا مطلب تو یہ ہے کہ مہدیٰ لہ (جس کو ہدیہ دیا گیا) تنہا نہ رکھے دوسرے جلساء کو بھی شریک کرے۔ میں یہ تمام تمہیں دیتا ہوں خود کچھ نہیں رکھتا۔ اس میں معارضہ کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس حدیث کی شرح حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی ہے کہ مراد اس سے وہ کھانے پینے کی چیزیں ہیں جو عادۃً مجلس میں تقسیم کر کے کھائی جاتی ہیں، نقد یا کپڑا اس میں داخل نہیں، پھر فرمایا کہ ماٰخذ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل قاعدہ جو عقلی بھی ہے، نقلی بھی، یہ ہے کہ ہدیہ اس شخص کی ملکیت ہے جس کی نیت مہدِی (ہدیہ پیش کنندہ) نے کی ہے۔ دوسرے لوگ اس میں شریک نہیں۔ لیکن بعض مواضع میں عرف یہ ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی چیز بعض لوگ مجلس میں اسی نیت سے لاتے ہیں کہ سب شرکا مجلس کو دے دی جائے۔ مگر اکرام مجلس کے سبب بزرگ کے سامنے رکھی جاتی ہے۔ اسی صورت میں حقیقۃً سب شرکاءِ مجلس کو حق ہوتا ہے، یہی

(۱) یعنی جس کو مجلس میں ہدیہ دیا جاوے تو اس کے ہمنشین بھی اس ہدیہ میں شریک ہیں۔ ۱۲

مراد حدیث کی ہے، عام ہدایا مراد نہیں۔ واللہ اعلم۔

احقر جامع کہتا ہے کہ اول تو حضرات محدثین کو اس حدیث کے ثبوت ہی میں کلام ہے، تذکرۃ الموضوعات میں علامہ طاہر مفتی رحمۃ اللہ علیہ[1] نے اکثر حضرات سے اس پر جرح نقل کی ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اس کی توجیہ کرنا اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے اس کو قابل احتجاج سمجھا ہے اور مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کی توثیق کے حکم میں ہے۔ کما تقرر فی الاصول۔ محمد شفیع۔

(۳۱) فرمایا کہ جو لوگ خلاف حق کسی کام میں مبتلا ہوں ان کا خلاف کرنا چاہئے لیکن بدگمانی اور بدزبانی سے احتراز لازم ہے کہ اس میں اپنا ضرر ہے۔

(۳۲) فرمایا کہ مبتدی کو چاہئے کہ اس فکر میں زیادہ نہ پڑے کہ فلاں کام جو میں نے کیا ہے گناہ تھا یا نہیں؟ اور تھا تو کس درجہ کا گناہ تھا؟ بلکہ جس کام میں معصیت کا شبہ ہو اس کو معصیت سمجھ کر تدارک اور استغفار کرے اور اصل کام میں لگ جاوے۔

(۳۳) فرمایا کہ علماء نے لکھا ہے کہ استغراق میں ترقی نہیں ہوتی اور نہ کچھ زیادہ کمال کی چیز ہے، بلکہ بعض اوقات جب کسی خاص جمال کے تحمل سے آدمی عاجز ہوتا ہے تو حق تعالیٰ بطور انعام کے اس پر استغراق مسلط کر دیتے ہیں تاکہ احساسِ مصیبت نہ ہو، جیسے آپریشن میں کلورافارم سنگھا دیا جاتا ہے۔

۱۱ جمادی الثانیہ ۱۳۶۲ھ

(۳۴) ارشاد فرمایا کہ لوگ اپنے دل میں آپ حساب کتاب لگا لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ساری دنیا اس کے موافق چلے، جب وہ پورا نہیں ہوتا تو مصیبت میں

---

(۱) کذا بالأصل المطبوع، علامہ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ "پٹنی" کی نسبت سے مشہور ہیں جسے عربی میں الفتنی لکھا جاتا، واللہ اعلم۔ شاکر

پڑتے ہیں، شریعت مقدسہ نے ہر چیز میں عجیب تعدیل فرمائی ہے، جس میں کسی وقت پریشانی نہیں ہوسکتی۔ دیکھئے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

ان امرأتی لا تردّ ید لامس

یعنی میری بیوی کسی چھونے چھیڑنے والے کو روکتی نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طلقھا یعنی اس کو طلاق دے دو۔ صحابی نے عرض کیا کہ مجھے اس سے محبت ہے (یعنی اگر طلاق دے دوں گا تو پریشانی ہوگی اور ممکن ہے کہ پھر اس کے ساتھ گناہ میں مبتلا ہوجاؤں) فرمایا أمسکھا پہلا حکم یعنی ترک تعلق اصل اور مقتضی غیرت کا تھا، اور جب اس کا تحمل دشوار معلوم ہوا تو اس کی بھی اجازت دے دی کہ اس حال میں بھی اس کو اپنی زوجیت میں رکھ سکتے ہو۔ مطلب یہ تھا کہ اس کی حفاظت وصیانت میں کوشش کی جائے پھر بھی اگر وہ کچھ گڑ بڑ کرے تو تم بری ہو وہ خود اپنے کئے کو بھگتے گی۔ لاتزر وازرۃ وزر أخری۔ انسان کو چاہئے کہ جس قدر انتظام اپنی قدرت میں ہو اس کو پورا کرلیا جاوے۔ پھر اس فکر میں نہ رہے کہ جو کچھ ہم نے حساب لگا رکھا ہے سب اسی کے موافق ہوجاویں۔

(۳۵) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مُدرِکہ کے لئے ایک حد مقرر فرمائی ہے۔ آنکھ ایک حد تک دیکھتی ہے، اس سے آگے نہیں دیکھتی، کان ایک حد تک سنتے ہیں اس سے آگے نہیں سنتے، اسی طرح عقل کا ادراک اور رسائی بھی ایک حد تک محدود ہے، اس سے آگے وہ عاجز ہے، معلوم نہیں کہ لوگوں نے اس کے ادراک کو غیر محدود کیوں سمجھ رکھا ہے کہ جو چیز اپنی عقل میں نہ آوے اس کے انکار کے درپے ہوجاتے ہیں۔

(۳۶) ارشاد فرمایا کہ ہر کام میں آسان اور مختصر راستہ اختیار کرنا چاہئے، بے وجہ تطویل ومشقت میں پڑنا عقل کے بھی خلاف ہے اور سنت کے بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے وہ قوت وہمت عطا فرمائی تھی کہ آپ اپنی ذات پر جس قدر چاہتے

مشقت برداشت فرما سکتے تھے اور بالکل عزیمت پر عمل فرما سکتے تھے۔ مگر اس کے باوجود عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ کو دو کاموں میں اختیار دیا گیا ہمیشہ وہ کام اختیار فرمایا جو سہل وآسان ہو، اس کی حکمت یہ تھی کہ امت متبع سنت ہو سکے اور ضعفاء امت اتباع سنت سے محروم نہ رہیں، اور ان کو یہ غم نہ ہو کہ ہم محروم رہ گئے، ظاہر ہے کہ توکل وزہد وقناعت آنحضرت ﷺ سے زیادہ کس کو حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود بیبیوں کے لئے سال بھر کا غلہ جمع فرما دیتے تھے تا کہ امت کو تنگی نہ ہو۔

حافظ شیرازی جو تارک الدنیا اور رند ومست مشہور ہیں ان کی تعلیم بھی یہ ہے۔

گفت آساں گیر بر خود کارہا کز روئ طبع
سخت می کوشد جہاں بر مرداں سخت کوش

یہ کلمات ارشاد فرمانے کے بعد خواجہ صاحب کو خطاب کر کے فرمایا کہ خواجہ صاحب یہ باتیں ہیں لکھنے کی، جو شاید میرے بعد کہیں نہ ملیں گی۔ مگر یہ کہ مردے از غیب بروں آید وکارے بکند۔ مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی کہا کرتے تھے رانڈ ہو جائیں گے قانون وشفا میرے بعد۔

اور مولوی عبدالسمیع صاحب میرٹھی ایک مرتبہ کانپور آئے تو میں نے اُن سے وعظ کہلوایا۔ وہ اگر چہ بدعات مروجہ میں ہمارے اکابر کے خلاف تھے مگر وعظ میں گڑ بڑ نہ کرتے تھے، اس لئے ان کے وعظ میں مضائقہ نہ سمجھا، اس وعظ میں مولوی صاحب نے اپنی ایک نظم بھی پڑھی تھی جس کا ایک شعر یاد رہا۔

بیدل خستہ کو پاؤ گے کہاں
کرلو اس کی مہمانی چند روز

احقر جامع کہتا ہے کہ حضرت والا کی زبان مبارک سے یہ جملے سن کر مجلس کا رنگ بدل گیا، میرے ایک دوست نے مجلس سے اٹھتے ہی رو کر کہا کہ مولوی صاحب معلوم

ہوتا ہے کہ اب حضرت کی صحبت بہت کم باقی ہے۔ مگر افسوس کہ اس وقت بھی کسی کو یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک ماہ بعد ہی یہ دربار اٹھ جائے گا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اور حیف تو یہ ہے کہ مجلس کی صورت سے افادات وارشادات تو غالباً اسی دن ختم ہو چکے تھے۔ یوں تو آخر وقت تک افادات کا سلسلہ رہا، معمول اور مجلس کی صورت سے پھر ملفوظات کی نوبت نہیں آئی۔

(۳۷) فرمایا کہ حق جل وعلا شانہ کی رحمت کا ہم کیا اندازہ کر سکتے ہیں اور کس کس نعمت کا شکر ادا کر سکتے ہیں، قرآن مجید کے اسلوبِ بیان کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سارا کلام انسانی جذبات اور انسان کے عقل وادراک کے دائرہ میں ہے، وہی محاورات استعمال فرمائے ہیں جو انسان استعمال کرتا ہے، حالانکہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات اور اس کا کلام کہاں اور ہماری عقل وفہم کہاں! لیکن یہ رحمت عظیمہ ہے کہ انسان کے مدرک پر تنزل فرما کر کلام کیا ہے۔ بلا تشبیہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بچوں سے بات کرتے وقت بڑے آدمی بچوں کی طرح تتلا کر کلام کرتے ہیں، تاکہ بچہ اس سے مانوس ہو اور سمجھے۔ قرآن مجید کے متعدد مواضع میں لعلکم ترحمون وغیرہ کے الفاظ وارد ہیں جن میں مفسرین کو کلام ہے کہ یہ لفظ "لعل" کا کیا موضع ہے، کیونکہ اس کے معنیٰ ہیں "شاید"، جو شک کا کلمہ ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جل وعلا کو ہر چیز کا قطعی علم ہے، اس کے کلام میں شک کے کوئی معنیٰ نہیں، اس لئے مختلف توجیہات ان حضرات نے لکھی ہیں۔ بعض نے کہا کہ "لعل" اس جگہ تحقیق کے لئے ہے شک کے معنیٰ میں نہیں۔ لیکن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ یہ سب تکلف ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسانی مدارک پر تنزل فرمانے کے باعث یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ

اس موقع پر انسان کو ظن ہونا چاہئے، اس لئے بصیغہ ظن تعبیر کیا گیا ہے۔

فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ علوم کچھ زیادہ مطالعہ سے حاصل نہیں ہوئے، بلکہ حق تعالیٰ نے قلب میں ایک نور پیدا فرمادیا جس سے یہ چیزیں منکشف ہوئیں۔ کنویں میں پانی کوئی باہر سے نہیں ڈالتا، اندر سے ابلتا ہے۔ اسی طرح اہل اللہ کے سب علوم خارج سے مکتسب نہیں ہوتے بلکہ محض موہوب ہوتے ہیں، اس لئے بعض اکابر کا مقولہ ہے کہ بزرگوں کے ملفوظات جمع کرنے کی فکر میں زیادہ نہ رہو، بلکہ بڑی فکر اس بات کی کرو کہ صاحب ملفوظ جیسے بنو، تاکہ تمہاری زبان سے بھی وہی علوم نکلنے لگیں۔

(۳۸) فرمایا کہ حق تعالیٰ کو علم تھا کہ امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو مغلوب النوم کسلمند ہوں گے اور ان کی نمازیں قضا ہوں گی، ان کی رعایت سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نماز قضاء کرادی تاکہ اس میں بھی ان کو اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوسکے۔ فسبحان من رؤف رحیم۔
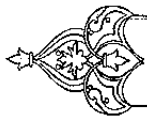
۱۴ جمادی الثانیہ ۱۳۶۲ھ
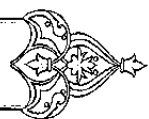
(۳۹) فرمایا کہ علماء کو امراء کے دروازوں پر جانا، یہ تو میں نہیں کہتا کہ نہیں چاہئے، کیونکہ اضطرار ایسی چیز ہے جس میں آدمی مجبور ہوجاتا ہے ؎

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج

احتیاج است، احتیاج است، احتیاج

مگر حکیم شیرازی کا قول ہے ؎

بتمنائے گوشت مردن بہ

کہ تقاضائے زشت قصاباں

یہ ارشاد اس پر فرمایا کہ مجلس میں ایک متبحر عالم کے لئے ریاست حیدرآباد میں

وظیفہ کی کوشش کا تذکرہ تھا جن کے لئے سفارشیں بہم پہنچانے کے بعد بھی کامیابی نہ ہوئی تھی۔

(۴۰) فرمایا کہ ذلت درحقیقت عرض حاجت ہے، پھٹے کپڑے، ٹوٹے جوتے، پیوند پوش ہونا ہرگز ذلت نہیں۔

فرمایا کہ آدمی کو آزاد رہنا چاہئے، کسی خادم کا پابند نہ ہو، اپنا کام خود کرنے کی عادت رکھے، میری ہمیشہ سے یہی عادت ہے، اور میں نے تو چار حرف دین کے پڑھے بھی ہیں اور صحبت بھی اٹھائی، بھائی اکبر علی صاحب کا بھی یہی حال تھا۔ اور یہ سب برکت ان بزرگ کی ہے جن کی دعاء سے ہم پیدا ہوئے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علمائے کرام سے خصوصی خطاب

حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کا یہ فکر انگیز خطاب جسے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے قلم بند فرمایا، ماہنامہ البلاغ (شوال ۱۴۰۴ھ) میں حضرت والا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم کے درج ذیل نوٹ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ مرتب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جو تقریر اس وقت ہدیۂ ناظرین کی جارہی ہے، اس میں آپ نے مشرقی پاکستان کے علمائے کرام سے خطاب فرمایا ہے، علم، اہل علم اور مدارس کے مناقب و فضائل اپنی جگہ، حضرت والد ماجد نے وہ بھی بارہا اپنے خطبات میں ارشاد فرمائے، لیکن اس تقریر میں جو علمائے کرام آپ کے مخاطب تھے وہ یا تو آپ کے شاگرد تھے یا شاگردوں کے شاگرد تھے، اس لئے اپنے بے تکلفانہ، مربیانہ اور مصلحانہ خطاب میں ان کے فضائل و مناقب بیان فرمانے کے بجائے آپ نے اُن امراض کی تشخیص فرمائی

ضروری سمجھی جو ہمارے مدارس اور اہل مدارس میں عموماً پائے جاتے ہیں، اور اُن دکھتی ہوئی رگوں کو چھیڑا، جنہیں شاذ ونادر ہی چھیڑا جاتا ہے، اور ساتھ ہی ان کا علاج بھی تجویز فرمایا ہے۔

آج سے تقریباً بیس سال قبل آپ نے مدرسہ محمودیہ امانت گنج ضلع بریسال (سابق مشرقی پاکستان) کے سالانہ جلسے کے موقع پر علمائے کرام کے ایک خصوصی اجتماع سے یہ خطاب فرمایا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ مشرقی پاکستان میں ہندوؤں کی شہ پر بنگالی اور غیر بنگالی کے نعرے بلند ہو رہے تھے، صوبائی تعصّبات کو ہوا دی جا رہی تھی، اور مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکایا جا رہا تھا۔ صوبہ مشرقی پاکستان کے تقریباً ہر علاقے کے علمائے کرام اس خطاب کو سننے کے لئے دور دور سے تشریف لائے تھے۔ احقر ناکارہ بھی اس سفر میں بطور خادم ساتھ تھا، اور احقر نے اس تقریر کو اسی وقت اپنی کاپی میں قلمبند کرلیا تھا، اب عرصۂ دراز کے بعد یہ تقریر سامنے آئی تو مناسب معلوم ہوا کہ اسے شائع کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حالات کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

احقر: محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۲۲ رجب ۱۴۰۴ھ

۲۵ شوال ۱۳۸۴ھ بروز ہفتہ

مدرسہ محمودیہ، امانت گنج ضلع بریسال۔ مشرقی پاکستان

بوقت گیارہ بجے

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ با الله من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا،

من یهده الله فلا مضل له و من یضلله فلا هادی له و
نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له ونشهد ان
سیدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله۔ اما بعد۔

عربی کا یہ مسنون خطبہ جو میں نے ابھی پڑھا، تقریروں، مواعظ، اور خطبات کے شروع میں پڑھا جاتا ہے، لیکن اس خطبہ کے مضامین کی طرف عام طور سے توجہ نہیں کی جاتی، آج کی مجلس میں اسی کے بعض اجزاء کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

الحمد لله نحمده کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد اس بات پر کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اس نیک کام کے ارادہ کی توفیق دی، ونستعینہ ارادے بغیر اللہ کی مدد کے پورے نہیں ہوسکتے اس لئے مدد طلب کرتے ہیں۔

ونستغفره یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ استغفار کس چیز سے کیا جا رہا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہمارے گناہ جو ہم سے ہر وقت ہوتے رہتے ہیں وہ ہمارے نیک کاموں میں رکاوٹ اور سد راہ ہیں، اس لئے ان کی مغفرت طلب کی گئی۔ "نستعینه" اور "نستغفره" میں یہ جوڑ ہے کہ اول طلب اعانت کے لئے ہے اور ثانی رفع موانع (یعنی رکاوٹوں اور مشکلات کو دور کرنے) کے لئے۔

ونعوذ بالله من شرور انفسنا نفس کے شرور (گناہ) ہمارے تمام نیک کاموں کو بے روح کر دیتے ہیں، مثلاً تکبر ریاء عجب وغیرہ، اس لئے ان سے پناہ مانگی گئی۔

"ومن سیات اعمالنا سیات" کی اضافت اعمال کی جانب صفت کی اضافت موصوف کی جانب کے قبیل سے میرے نزدیک نہیں، بلکہ یہ اضافت بیانیہ ہے، جس کا مطلب یہ کہ ہمارے سیات (گناہ) یہی اعمال ہوتے ہیں جن کو ہم نیکی سمجھ کر کرتے ہیں، آج کی مجلس میں میں اسی چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، باتیں

بہت ہیں، اس لئے کوئی ترتیب قائم کرنا بھی مشکل ہے، بس ایک دردِ دل ہے، وہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ دے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے کہ نہ رہے

ہمارے مدرسے اور خانقاہیں تیس چالیس سال سے بانجھ ہیں، ان مدرسوں سے اب آدمی (تربیت یافتہ) یا مسلمان (اللہ والے) پیدا نہیں ہوتے، بلکہ "مولانا" پیدا ہوتے ہیں۔ یا تو یہ حالت تھی کہ میرے والد صاحب[1] کا ارشاد ہے کہ:

"میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ وقت دیکھا ہے جب مہتمم اور صدر مدرس سے لے کر چپراسی اور دربان تک ہر ایک صاحبِ نسبت ولی اللہ تھا، دربان چوکیداری کر رہا ہوتا تھا، اور ساتھ ہی اس کے لطائف ستہ جاری رہتے تھے، دن کو وہ مدرسہ تھا اور رات کو خانقاہ، رات کو ہر کمرے سے گریہ وزاری اور ذکر اللہ کی آوازیں سنائی دیتی تھیں"۔

در مدرسہ خانقاہ دیدم

چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ ان الفاظ میں نکالی تھی کہ

در مدرسہ خانقاہ دیدم

اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندو پاکستان اور باہر کے ممالک میں بھی جہاں کہیں دین نظر آتا ہے اس میں دیوبند کا بہت بڑا حصہ ہے۔

دنیا میں محققین کی کوئی کمی نہیں، مگر دیوبند کا جو خاص رنگ ہے وہ کہیں اور نظر نہیں آتا۔

---

(۱) یعنی حضرت مولانا محمد یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس درجۂ فارسی دارالعلوم دیوبند۔

چند سال قبل میں دمشق کی ایک کانفرنس میں شریک ہوا وہاں دنیا بھر کے علماء موجود تھے، وہاں بھی اس کا مشاہدہ ہوا۔ دیو بند کی خصوصیت یہ تھی کی وہاں لفظ کے ساتھ معنی، ظاہر کے ساتھ باطن، اور علم کے ساتھ عمل موجود تھا۔

آج نئے نئے فتنے تیزی سے اٹھ رہے ہیں۔ مغربی تہذیب کے اثرات کراچی میں سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اور وہاں لادینی تیزی سے پھیل رہی ہے، مگر ایک لادینی میں مشرقی پاکستان عرصہ سے آگے بڑھا ہوا ہے، وہ ہے ہندو مسلم کا اشتراک (دوستی)

آپ کو یاد ہوگا کہ مسلمانوں کو کس طرح تباہ کیا گیا، اور کس طرح ان کا قتل عام ہوا، مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی پچاس ہزار عورتیں ہندوؤں اور سکھوں کے قبضے میں چلی گئیں۔ علامہ بغدادی نے لکھا ہے کہ سقوط بغداد کے وقت کئی لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔ مگر عورتوں کی عصمت کی قربانی مسلمان نے کبھی نہیں دی تھی، یہ مصیبت سب سے پہلے ہم پر نازل ہوئی، اس کے باوجود ہندوؤں کو ہم نے بھائی بنا رکھا ہے حالانکہ قرآن نے ان کو ہمارا دشمن قرار دیا ہے۔ قرآن کریم نے اسلام اور ایمان کو اُخوت اور برادری کی بنیاد قرار دیا تھا، اور ہم وطنی کی بنیاد پر اللہ کے دشمنوں کو اپنا بھائی بنا کر دوسرے صوبے کے مسلمانوں کو اپنا دشمن بنا رہیں ہیں۔ تو ایک لادینی تو یہ ہے جو مشرقی پاکستان میں سب سے زیادہ پھیلی ہوئی ہے، اور باقی عیاشیوں اور بے حیائی میں کراچی اور مغربی پاکستان سب کا امام بنا ہوا ہے۔ غرض بے دینی ہر طرف مختلف صورتوں میں تیزی سے پھیل رہی ہے، مگر آج کے مولوی کو اس کی فکر نہیں، وہ کبھی ان حالات پر غور نہیں کرتا، آنحضرت ﷺ نے ہرقل قیصر روم کو لکھا تھا کہ:

وإن توليت فإن عليك إثم اليريسيّين

اگر تو نے دین سے روگردانی کی تو تجھ پر تیری رعایا کا بھی گناہ ہوگا۔

آپ حضرات عام مسلمانوں کے پیشوا اور مقتدا ہیں، لہٰذا آپ حضرات پر ان حالات میں سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

اگر ہمارے دل میں دین کا درد ہوتا ممکن نہیں تھا کہ دین سے یہ بغاوت ہوتی رہے اور ہم خاموش وغافل بیٹھے رہیں۔

ایک مرتبہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں میں کچھ زمانہ غیبوبت کے بعد حاضر ہوا تو دیکھا کہ بہت کمزور ہو رہے ہیں، جیسے کئی مہینے سے بیمار ہوں، پوچھنے پر فرمایا کہ بھائی مسلمان تباہ ہوگیا، اسے نہ ہندو پوچھتا ہے نہ انگریز۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب کانگریس نے اپنی وزارت بنائی مگر مسلمانوں کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔

اسی طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اُس وقت احقر نے دیکھا جب عنایت اللہ مشرقی کا فتنہ ملک میں پھیل رہا تھا۔ حالانکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مشاغل سیاسی نہیں تھے مگر چونکہ دین کا درد تھا اس لئے بے چین تھے، مگر ہم نہایت اطمینان سے بے دینی کے اس سیلاب کو برداشت کر رہے ہیں، مگر ہمارے ایک پیسے کا نقصان ہونے لگے تو بوکھلا جاتے ہیں، یہ علامت ہے اس بات کی کہ ہم تدریس، تبلیغ وغیرہ جو کچھ کرتے ہیں، وہ دین کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے لئے ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ آج کل مولویوں کا نیلام ہوتا ہے، مولوی کو جہاں پانچ روپے زیادہ مل جائیں چلے جاتے ہیں۔ دار العلوم دیوبند میں جب میری تنخواہ ۳۵ روپے تھی، اس وقت کلکتہ میں مجھے سات سو ۷۰۰ روپے کی پیشکش کی گئی جو میں نے قبول نہیں کی، ہمارے بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے، لیکن اب یہ بات ہمارے طبقہ میں ختم ہوتی جا رہی ہے۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ ہم اپنے پڑھنے پڑھانے کا مقصد گم کر چکے ہیں، تدریس ایک پیشہ بن چکا ہے، پیش نظر یہ نہیں رہتا کہ ہمیں مخلص خادمانِ دین محقق علماء پیدا کرنے ہیں بلکہ اتنارہ گیا ہے کہ طالب علم کو کتاب اور اس کا حاشیہ پڑھا دیا جائے۔ اسے خود کیوں پڑھا تھا؟ اور کیوں پرھاتے ہیں؟ یہ آج کل مولوی کبھی نہیں سوچتا، اس پڑھنے پڑھانے اور دینی تعلیم کا مقصد صرف یہ تھا کہ صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں خود رنگ جانا اور دوسروں کو رنگنا، اگر یہ مقصد پیش نظر نہیں تو تدریس کی بجائے پھاوڑا لے کر مزدوری کر لینا یہ بدرجہا بہتر ہے، اگر یہ مقصد نہیں تو ہمارے برابر کوئی خسارہ میں نہیں، قرآن کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴿۱۰۴﴾ (الکہف:۱۰۴)

اس کے مصداق ہو کر رہ گئے ہیں۔

تدریس میں ہماری تمام کاوشیں ان مباحث میں منحصر ہو کر رہ گئی ہیں کہ امام شافعی نے کیا کہا؟ ان کی دلیل کیا ہے؟ اور ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے، خوب یاد رکھئے کہ قبر میں اور محشر میں ہم سے یہ سوال نہیں ہوگا، ہم سے سوال یہ ہوگا کہ او مدرّس!، او خطیب!، او مفتی! بتا جب میرے دین پر فتنوں کی بارش ہو رہی تھی تو نے میرے دین کے واسطے کیا کیا؟ کتنے کافروں کو مسلمان اور کتنے بدکاروں کو دین کے رنگ میں رنگا تھا؟

دین کی، عربی کی تعلیم آج روز بروز گھٹتی جاتی ہے، مولوی صاحب کنویں کے مینڈک کی طرح یہ دیکھ کر مطمئن ہیں کہ اُن کے مدرسہ میں ان کے ہاتھ چُومنے والے چند لوگ ان کو مل جاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ علماء و طلباء کی تعداد بہت کافی ہے، حالانکہ ہر سال اس دین کے طالب علم گھٹ رہے ہیں، ہمیں صرف وہ طلباء ملتے ہیں جن کی دنیا

کے کسی شعبے میں کھپت نہ ہو جو کسی بھی درجے میں آسودہ حال ہوں یا دُنیا کے کسی دوسرے شعبہ میں کھپ سکتے ہوں وہ ہمارے مدارس کا رُخ نہیں کرتے۔

بہرحال فتنوں، اور بے دینی کا سیلاب ہے، سوال یہ ہے کہ ہم کو کرنا کیا چاہیے؟

تو سب سے پہلے تو ہم کو یہ چاہیے کہ ہم اس دعوے سے دست بردار ہو جائیں کہ ہم خادمِ دین ہیں، کیونکہ حالات اس دعوے کی تکذیب کرتے ہیں، اور اس قسم کے دعویداروں کے بارے میں قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ

(الزمر: ۶۰)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو دین کے دعوے دار ہوں، مگر دین دار نہ ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ذہن نشین کریں کہ ان مدرسوں کا مقصد شرح جامی کے حواشی رٹوانا نہیں بلکہ دین کے رنگ میں رنگنا ہے، قرآن وحدیث کی صحیح فہم پیدا کر کے ان کے رنگ کو طلباء میں پیدا کرنا ہے۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ اکابر کہ تقاریرِ درس رٹ رکھی ہیں ان سے طلباء کے سامنے اپنے محقق ہونے کا رعب بٹھاتے ہیں، کبھی یہ فکر نہیں ہوتی کہ طالب علم کو کچھ دین بھی آیا یا نہیں،

حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دوں
تا بخواند بر سلیمی زاں فسوں

آجکل طلباء تو طلباء بعض مدرسین کی حالت یہ ہے کہ اگر ان سے برجستہ کسی آیت کا ترجمہ پوچھ لیں تو نہیں بتا سکیں گے، اس کے باوجود لمبی لمبی تحقیقات رٹ کر اپنی علمیت کا رعب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

ان مدرسوں کو سنبھالنے کے لئے یہ ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ ہمارا مقصد

مسلمان پیدا کرنا، پھر مولوی بنانا، پھر محقق بنانا ہے۔

ایک اور گزارش یہ ہے کہ موجودہ فتنوں کا مقابلہ صرف ان مدرسوں سے تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ ان کے فوائد صرف ایک مخصوص حلقہ تک محدود ہیں۔ عوام میں جو بے دینی اور فساد پھیل رہا ہے اس کے انسداد کے لئے صرف مدرسے کافی نہیں۔

اور یہ کام کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے، اور ہم عند اللہ مسؤل ہیں، خلاصہ یہ کہ ہمارے ذمّہ دو کام ہیں، ایک افراد سازی، اور دوسرا جماعت سازی، مگر جماعت سازی اُس طریقہ سے نہیں جو آجکل چل پڑا ہے، بلکہ اس طرح کہ

ہم تو تنہا ہی چلے تھے جانبِ منزل مگر
ہم سفر ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ
(آل عمران: ۵۲)،

کہ کام تو تنہا ہی شروع کر دیا، جب کفر سے مقابلہ پیش آیا تو "مَنْ أَنْصَارِی إِلَی اللهِ" فرمایا۔

آج ہم جماعت سازی کی فکر میں تو پڑ گئے ہیں، افراد سازی کا کام چھوڑ دیا ہے، حالانکہ جماعت سازی اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ فرد سازی نہ ہو، مکّی زندگی میں آپ ﷺ نے افراد کو تیار کیا، جب افراد بن گئے تو مدنی زندگی میں جماعتی طرز کا کام شروع کیا۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ تمام مدرسے اپنے اندر تو افراد تیار کریں، اور باہر کے لئے ہر مدرسہ میں ایک تنخواہ دار مبلّغ رکھا جائے، اور بکثرت مدارس مل کر اس کا کوئی منظم طریقہ باہمی مشورہ سے اختیار کریں، اور اس میں اجمالی طور پر عرض یہ ہے کہ ابتداء صرف مجمع علیہ مسائل (جن پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے) کی تبلیغ کی جائے۔ جس مسئلہ کی فوری ضرورت سمجھی جائے پورے ملک کے مبلغین اس

کی تبلیغ بیک وقت کریں۔

اگر یہ دونوں کام کر لئے گئے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ ہم اپنی اہم ذمہ داریوں سے کسی حد تک بری ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق کامل عطاء فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔
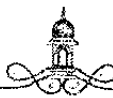
طلباء دارالعلوم کے سامنے
حضرت والا مدظلہم کی ایک تقریر
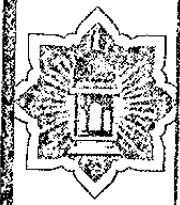
حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسودات سے درج بالا عنوان کے ساتھ یہ دل کشا خطاب دستیاب ہوا، جسے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ضبط فرمایا تھا۔ مرتب۔

بعد از خطبہ مسنونہ

میرے عزیزو اور دوستو! اتفاق سے ہفتہ عشرہ بخار اور نزلہ میں رہا، کمزوری بہت ہوگئی ہے، مگر ایک ضرورت سے آیت مذکورہ کے بارے میں آپ سے کچھ کہنا ہے ماشاء اللہ دنیا میں ہر انسان جب کسی طرف قدم اٹھاتا ہے بلکہ جانور بھی تو ایک مقصد سامنے ہوتا ہے کہ اُس مقصد کے مناسب راستہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ نے ہر جانور کو بھی ہدایت فرمائی ہے اعطیٰ کل شیئٍ خلقه ثم هدى حدیث میں ہے۔

انسان تو پھر بھی اشرف المخلوقات ہے اُسے ہر قدم اٹھانے سے پہلے سوچنا چاہئے کہ وہ کیوں چل رہے ہیں؟ کہاں جا رہے ہیں؟ مگر افسوس ہے کہ اکثر لوگ کوئی مقصد سامنے نہیں رکھتے اور اگر رکھتے ہیں تو اُن کے عمل میں اس کا اظہار نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ سرکاری تعلیم حاصل کرنے میں روپیہ کا بھی خرچ ہے اور یہاں

ہمارے لئے تعلیم حاصل کرنے کا انتظام نہیں اس لئے دار العلوم میں داخل ہو گئے اگر یہ مقصد ہے تو

ان کان منزلتی فی الحب عندکم۔۔ ما قدرأیت فقد ضیّعت ایامی

اگر یہی مقصد ہے تو تمہارے برابر کوئی خسارے میں نہیں، یہ کہ سامنے کوئی بڑا مقصد ہونا چاہئے۔

جس مقصد کیلئے یہ دار العلوم قائم ہوا ہے اُس کا حاصل آیتِ مذکورہ میں ہے، اس میں مقصدِ تعلیم اور پورا نظام تعلیم بتا دیا گیا ہے۔

ترجمہ: سارے مؤمن جہاد کیلئے نہیں جایا کرتے، (یہ نفی بمعنی نہی ہے) اسلام میں صرف جہاد ہی مقصد نہیں بلکہ دوسرے کام بھی ہیں) کیوں نہ ہوا ایسا کہ نکل کھڑا ہوتا ہر فرقہ میں ایک گروہ تا کہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اور تا کہ جب یہ اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو اُنہیں ڈرائیں تا کہ وہ لوگ جنہوں نے یہاں آ کر علمِ دین حاصل نہیں کیا وہ بھی اللہ سے ڈرنے لگیں۔

نظامِ تعلیم: آیت کا انداز بتا رہا ہے کہ وقتِ نزول تمام صحابۂ کرام جہاد کی طرف متوجہ ہو چکے تھے، جس کی وجہ الا تنفروا یعذبکم عذاباً الیما کی تہدید تھی۔

اگر چہ اس آیت کا ظاہر مراد نہیں تھا بلکہ یہ عموم صرف اُس صورت میں تھا کہ آنحضرت خود جہاد میں تشریف لیجائیں، اور آیت مذکورۃ الصدر سرایا کی صورت میں ہے۔ نفر کے معنی جانا چلنا، بھاگنے کے آتے ہیں امام راغب نے کہا اس کے معنی یک طرفے منقطع ہو کر دوسری طرف مائل ہونے کے آتے ہیں۔ اس لفظ سے پروگرام تعلیم بتایا گیا کہ علم حاصل کرنے کے لئے کچھ چیزوں سے الگ ہونا پڑے گا اور کچھ چیزوں کو اختیار کرنا پڑے گا۔

جو چیزیں چھوڑنا پڑتی ہیں وہ یہ ہیں کہ اگر وطن میں، گھر میں، راحت میں علم دین نہیں ملتا تو ان سب چیزوں کو چوڑنا پڑے گا اور ہر مخل فی تحصیل العلم کو چھوڑنا پڑے گا اور ہر معاون لتحصیل العلم کو اختیار کرنا پڑے گا۔ اس عنوان کے تحت طویل فہرست ہے جو پھر کبھی بیان کروں گا۔

من کل فرقة منهم طائفة فرقة فرق سے ماخوذ ہے، ہر وہ جماعت فرقہ ہے جو کسی خاص امتیاز کے ساتھ ممتاز ہو، یہ امتیاز خواہ نسبی ہو یا لونی لسانی ہو، یا اعتقادی ہو، فرقہ سے صرف اعتقادی فرقہ مراد نہیں بلکہ مذکورہ عام مفہوم مراد ہے۔ طائفہ وہ چھوٹی سی جماعت جس سے ایک دائرہ بن جائے یہ کم از کم تین آفراد سے بن سکتی ہے، (خلاصہ یہ ہے کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت تحصیل علم کیلئے نکلے) اسی وجہ سے فقہاء نے کہا کہ ہر آبادی کے باشندوں پر فرض ہے کہ علمِ دین کا انتظام کریں، یہاں آیت میں تحصیلِ علم کو فرضِ کفایہ بتایا گیا ہے۔

لیتفقهوا فی الدین فقہ وہ گہری سمجھ جس سے اندر کی مستور چیزیں منکشف ہونے لگیں اور تفقہ کے معنی بتکلف ایسی چیزیں معلوم کرنا جو مستور ہیں۔ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہ کی تعریف' معرفة النفس مالها وما علیها سے کی ہے۔

معلوم ہوا کہ تحصیلِ علم سے مقصود دین کی سمجھ حاصل کرنا ہے، مگر طلباء عام طور سے تعلیم کی آٹھ سالہ مدت میں اس منزلِ مقصود کو بھول جاتے ہیں اور خود علم میں گم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ادب پڑھیں یا منطق فلسفہ صرف ونحو وغیرہ یہ سب تفقہ فی الدین کیلئے ہونا چاہئے۔

تحصیل علم کے بعد

لینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم، یہاں لیفقهوا قومهم نہیں فرمایا گیا

بلکہ لینذروا قومہم کہا گیا کیونکہ فقیہ سب کو بنانا مقصود ہے نہ ممکن۔ اس طرح علمِ دین کو جتنا ضروری قرار دیا گیا اُتنا ہی اُسے آسان کر دیا ہے۔ طلب العلم فریضة علی کلِ علم۔

اشکال: حدیث سے فرضِ عین معلوم ہوتا ہے اور آیت مذکورہ سے فرضِ کفایہ معلوم ہوتا ہے۔

جواب: حدیث میں "طلب العلم" کا لفظ ہے اور آیت میں "تفقہ فی الدین" کا، لفظ طلبِ علم تو (جتنا عمل کیلئے ضروری ہے) سب پر فرض عین ہے۔ اور تمام ابواب علمِ دین کا احاطہ فرضِ کفایہ ہے۔ اس لئے تعین نہیں۔

حضرت والد صاحب کی ایک تقریر
جو دار العلوم میں ہوئی
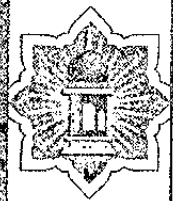
حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کی درج ذیل تقریر بھی درج بالا عنوان کے ساتھ آپ کے مسودات میں دستیاب ہوئی جسے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ضبط فرمایا۔ افسوس ہے کہ اس سلسلہ کی دیگر ضبط شدہ تقریریں ہنوز دستیاب نہ ہوسکیں، تاہم آگے حضرت مولانا صابر دانش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ضبط شدہ حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کی تفقہ فی الدین کے بارے میں تقریر بعنوان ''طالب علم کا نصاب زندگی'' آرہی ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے۔ مرتب

فلولا نفر من کل فرقۃٍ منھم طائفۃ الخ

اس سے پچھلے ہفتہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ تفقہ فی الدین فرضِ کفایہ ہے۔

تفقہ فی الدین کیا ہے؟ تعلّم کی بجائے تفقہ لاکر بتایا کہ علم کی ایک خاص جہت مقصود ہے اور وہ دین کی سمجھ ہے۔ اسی میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہر مطالعہ سے فقہ فی الدین حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بابِ تفعّل سے معلوم ہوا کہ یہ فقہ مشقت سے حاصل ہوگا۔ ورنہ لیفقھوا لایا جاتا۔ پھر فی الدین لاکر سمجھ کی بھی جہت متعین کردی

کہ مطلقاً سمجھ مرادنہیں۔ ورنہ پھر سمجھ کے مفہوم میں بھی اختلاف ہوتا۔ اور دنیا کی سمجھ کو مقصود بنالیا جاتا۔

(تنبیہ) علومِ دنیا بھی جوضروری ہیں فرضِ کفایہ ہیں لیکن وہ مقصودنہیں اور تفقہ فی الدین خود مقصود ہے۔ اورفنونِ معاش مقصودِ زندگی نہیں۔

دین کی سمجھ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرن اول میں فقہ فی الدین علم الآخرۃ، ومعرفۃ دقائق آفات النفوس (مضرآخرت) ومفسدات الاعمال مثلاً تکبر، من واذی وغیرہ، وحقارت الدنیا، وشدۃ التطلع الی نعیم الآخرۃ کی معرفت کہتے ہیں اور خشیت اللہ کے مسلط ہونے کو کہتے ہیں۔

درکنز وہدایہ نتواں یافت خدارا
سی پارہ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

کنز وہدایہ قاعدہ بغدادی کی طرح وسیلہ ہیں معرفتِ مطلوبہ کا۔ جزئیاتِ فقہ کو یادکرلینا تفقہ نہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

أورأيت فقهيا قط؟

خشیت، خوف، تقوی، انذرات وغیرہ کا اردو میں ڈر سے کیا جاتا ہے۔ مگر سب میں فرق ہے۔ خوف عام ہے اور خشیت وہ ڈر جو عظمت ومحبت سے پیدا ہو۔ من خشی الرحمن بالغیب کہا جائے خشی السبع نہیں کہا جاتا۔ معرفت کے برابر عظمت اور عظمت کے برابر خشیت ہوگی۔

إنما الفقيه الزاهد في الدنيا الراغب في الأخرة البصير بدينه المداوم على عبادة ربه الورع الكاف نفسه عن

أعراض المسلمين العفيف عن أموالهم (المستغني عنه)
الناصح لجماعتهم (مع اختلاف الرأي منهم)[۱] (حسن بصریؒ)

درمختار باب الوصیۃ میں ہے کہ، أوصی بماله للعقلاء فمات فهو لتاركي الدنيا

خلاصہ یہ کہ جو کتابیں درسِ نظامی میں داخل ہیں ان میں بہت سی کتب آلات ہیں، مقصودِ زندگی نہیں۔ ان کو اگر آلات کے درجہ سے بڑھایا جائے تو یہی بت بن جائیں گے اور اگر مقصود تفقہ ہو تو ان کے پڑھنے سے بھی وہی ثواب ملے گا۔ الرجل فی الصلاۃ ما انتظر الصلاۃ۔ قطبی پڑھ کر ایصال ثواب ہمارے عمل میں لا فرق بین البخاری والقطبی[۲]۔ فی نومتی ما فی قومتی (ایک بزرگ)

خشیت اللہ را نشانِ علم دان
آیت یخشی اللہ در قرآن بخوان

(رومیؒ)

مزید فرمایا:

جانِ جملہ علمہا این ست واین
کہ بدانی من کیم در یومِ دین

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا طلباء نے گھڑ رکھا ہے کہ یجوز للطلبة ما لا یجوز لغیرہ لیکن یاد رہے کہ

"من کان فی ھٰذہٖ (ای حالة طلب العلم) اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ"۔

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں: احیاء علوم الدین للغزالی ۱/ ۳۲ طبع دار المعرفۃ۔

(۲) مولانا یعقوب صاحب نور اللہ مرقدہ ۱۲ منہ

اگر آپ جوں کے توں یہاں سے گئے تو جاء حماراً صغیراً ورجع حماراً کبیراً کا مصداق ہوں گے۔

جملۂ معترضہ

فنِ حدیث کو دوبارہ شاہ ولی اللہ صاحب لائے سب سے پہلے شاہ عبدالحق صاحب لائے۔ اور دورۂ حدیث کا آغاز حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

ولینذر واقومَھمْ اذا رجعوا الیھم

آگے تحصیل علم کے بعد کا کام بتایا گیا اور وہ انذار قومھم ہے۔ یہاں بظاہر لیعلموا قومھم یا لیفقھوا قومھم آنا چاہئے تھا۔ لیکن لینذروا اور لعلّھم یحذرون لا کر بتایا کہ تبلیغ مطلقاً مقصود نہیں۔ بلکہ سنانے والے کا مقصد مربیانہ شفقت کیساتھ مضرات سے ڈرانا ہونا چاہئے اور سننے والے کا مقصد مضرات سے ڈرنا ہونا چاہئے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ دفعِ مضرت مقدم ہے جلبِ منفعت سے ورنہ یہاں لیحملوا علی العمل لعلھم یعملون آتا۔

انذار واحذار کے لفظ سے تبلیغ کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ آئندہ مجلس میں ایک دوسری آیت کے حوالہ سے اس کی تفصیل بیان کی جائیگی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

طلباء واہل ایمان سے خطاب

یادگار تقریر وخطاب

مقام: دارالحدیث فوقانی دارالعلوم دیوبند

تاریخ: نومبر ۱۹۶۰ء مطابق ۱۳۸۰ھ

تحریر وترتیب: شاہد حسن قاسمی (استاذ شعبہ عربی دارالعلوم دیوبند)

طلبائے مدارس اور اصلاح معاشرہ کے لئے بنیادی ضابطے
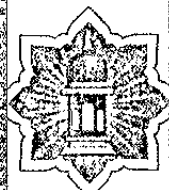
مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ماہ نومبر ۱۹۶۰ء میں کراچی سے دیوبند تشریف لائے، دیوبند کے عوام، علماء، طلباء و بزرگوں، اعزاء واقارب سب نے خوش آمدید و استقبالِ عظیم کیا، قدیم آدینی مسجد (جامع) حضرت کے آبائی محلے بڑے بھائیان کی مسجد عہد اکبری کے طرزِ تعمیر پر آج بھی قائم ہے۔ اسی مسجدِ محلہ میں بعد نماز عصر حضرت مفتی صاحب کی خصوصی مجلس طلباء و اہل علم کے لئے ہوا کرتی تھی، طلباء وعلماء حاضرِ مجلس ہوا کرتے اور علمی سوالات کے ذریعہ استفادہ اور حل علوم کا سلسلہ جاری رہتا۔

میرے والدِ ماجد خلیفۂ اشرف حضرت مولانا سیّد حسن صاحب (استاذ تفسیر وحدیث دارالعلوم دیوبند) حضرت مفتی صاحب کی بڑی ہمشیرہ مرحومہ کے فرزند عزیز ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت سے خصوصی قلبی و روحانی رشتہ وتعلق رکھتے تھے۔

فیضِ اشرفی کے رشتۂ معنوی نے بھی زیادہ مربوط و پیوستہ بنا دیا تھا۔ والدِ محترم کے اسباقِ درس میں شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا فیضِ علمی وتلمذ اور حضرت حکیم الاُمت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلقِ تربیت ورشد کا امتزاج خصوصی رہتا تھا، والدی حضرت مولانا سیّد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس قرآن کریم اور درس مشکوٰۃ شریف دارالعلوم دیوبند کے ماحول اور فیضانِ علمی میں زیادہ مقبول اور نمایاں رہتا تھا، آپ کے تلامذہ آج بھی علمائے دیوبند کی صفِ اول میں ممتاز نظر آتے ہیں۔

۳۰ نومبر ۱۹۶۰ء والد صاحب سے متعلقہ درسِ مشکوٰۃ شریف کے طلبہ اور والد صاحب کی تحریک پر بعد نماز مغرب درس گاہ دارالحدیث فوقانی دارالعلوم دیوبند [میں] ایک مجلس درس حدیث کے عنوان سے منعقد ہوئی۔

فقیہ الاسلام حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس اجتماع سے وہ عظیم اصلاحی خطاب فرمایا، جو آج بھی پیغام رشد وتربیت ہے۔ خطابِ مجلس کے آغاز پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کی دو احادیث مبارکہ سے آغاز خطاب فرمایا۔

راقم الحروف احقر شاھد حسن قاسمی اس وقت جماعت مشکوٰۃ شریف کے شرکاء کے ساتھ طالب علمانہ صف میں شامل رہا، آج سے قریب تیس سال قبل ابتدائی عمر وطالب علمی کے دور میں احقر بھی اپنے بقدر حضرت کی موجودگی ومجالس

سے استفادہ کرتا رہا اور بہت سے علمی ثمرات چننے کا موقع مل سکا، جن کی تفصیل کسی خصوصی اور مستقل عنوان تحریر کی متقاضی ہے، انہی دنوں کا ایک خاص استفادہ یہ بھی ہے، حضرت نے ایک مرتبہ [:] آدینی مسجد کی مجلس میں ایک خاص کلیہ یہ ارشاد فرمایا:۔

ملفوظ

☆ پہلے رجال وشخصیت رسول ﷺ کے معیار سے پہچانو، پھر سنت کو رجال و شخصیت سے سمجھو

حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ ایک بصیرت افروز کلیہ اور راہنما ضابطۂ حیات ہے، اس مختصر سے جملہ اور ارشاد جامع کے ذریعہ فرد و جماعت صراط مستقیم اور راہ شریعت کو یقیناً پاسکتے ہیں، اس ملفوظ گرامی سے نتیجہ اور مفہوم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہی رجال وافراد یا شخصیات معتبر ہیں جن کی زندگی، عقیدۂ قلبی اور عملِ ظاہری شریعت مصطفیٰ کے مطابق ہو اور جب کوئی فرد یا شخصیت اس معیار پر صحیح ہو تو سنتِ رسول ﷺ اور شریعت مصطفیٰ ﷺ کو ایسے رجال، افراد وشخصیات سے حاصل کیا جائے جو اس معیار پر کافی ہوں۔ایسے حضرات سے تعلیم وتربیت واستفادہ پانا معتبر ومفید دارین ہو گا۔

اس طرح مربی ومرشد معلم ورہنمائے دین منتخب کرنے کے لئے یہ ایک مضبوط اور بہتر معیار اس ملفوظِ سلف کے ذریعہ واضح ہوتا ہے۔

جس کے پس منظر میں انسان افراط وتفریط، ضلالت، غوائیت وگمراہی سے بچ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں صراط مستقیم عطا فرمائے۔(آمین) بہرحال آدینی مسجد میں بعد عصر ایک خاص علمی مجلس تسلسل کے ساتھ قائم رہی، علماء، طلباء، عوام و

خواص سب ہی مستفید وفیض یاب ہوتے رہے اور انہی دنوں میں دارالحدیث فوقانی دارالعلوم دیوبند کی درج ذیل تقریر وخطاب منعقد ہوا (اس مجلس میں صاحبزادۂ محترم مفتی محمد رفیع صاحب مہتمم دارالعلوم کراچی بھی شریک رہے،) یہ علمی تبرک میری کاپی میں محفوظ رہا طلبہ وعامۃ المسلمین کے استفادہ کے لئے پیش خدمت ہے۔

خطاب عام

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفىٰ اما بعد :

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما الأعمال بالنيات و إنما لامرئ ما نوى فمن كانت هجرته إلى الله و رسوله فهجرته إلى الله و رسوله ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو امرأة يتزوجها فهجرته إلى ما هاجر إليه (مشكوٰة شريف۔ كتاب الإيمان متفق عليه)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس الصحة و الفراغ (مشكوٰة شريف۔ كتاب الرقاق)

اس سے پہلے کہ ان احادیث کے انتخاب کی وجہ بیان کروں اور احادیث کی تشریح پیش کروں، بتادینا چاہتا ہوں کہ آج اٹھارہ سال کے بعد مجھے مادر علمی میں طلبہ سے درس وخطاب کا موقع ملا ہے، آپ حضرات تو ماشاء اللہ طلبہ واہل علم ہیں۔ بہت کچھ جانتے ہیں اس لئے کسی تحقیقی مسئلہ کی بجائے میں نے سوچا کہ کچھ چیزیں ان

احادیث کے ذیل میں زندگی کے تجربے اور سلف سے منقول ارشادات آپ کے سامنے پیش کروں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً اور صاحب مشکوٰۃ شریف نے اتباعاً اپنی کتاب کو اسی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم إنما الأعمال بالنیات الخ سے شروع کیا ہے۔

حضرت علامہ [عینی] عمدہ القاری کے مصنف نے لکھا ہے، کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیت پر رکھا گیا ہے اور ہر کار خیر سے پہلے نیت کا صحیح کرنا ضروری ہے اس لئے جی چاہتا ہے کہ ہر باب اسی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کروں تا کہ ہر شخص حدیث نبوی کے پڑھنے سے پہلے اپنی نیت خالص اور صحیح کر سکے۔

حضرت استاذی قدوۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جن سے میں نے مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف پڑھی ہے فرماتے تھے کہ اکثر جماعت محدثین نے اسی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے کتاب کے لئے انتخاب کیا ہے۔ اور اس کو مسلسلات الحدیث میں شمار فرمایا ہے۔

محدثین کی ایک جماعت نے کتاب الرقاق کی پہلی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نعمتان مغبون فیہما کثیر من الناس کو انتخاب فرمایا ہے۔ ان محدثین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پیش نظر رکھا ہے کہ اس حدیث شریف سے عمل کا جذبہ اور ولولہ پیدا کیا جائے، اور جب انسان عمل و کردار کا ارادہ کرے تو اصلاح نیت کی طرف توجہ دلائی جائے۔

میں آپ کے سامنے کتاب الرقاق کی حدیث نبوی کو مقدم کرتا ہوں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انسان کے پاس دو (بڑی قیمتی) نعمتیں ہیں (لیکن) ان دونوں نعمتوں (کی

کم قدری کی بنا پر) بہت سے انسان خسارے میں پڑے ہوئے ہیں، وہ دو نعمتیں یہ ہیں ا) ''صحت وتندرستی'' اور ۲) ''فراغ و بے فکری''، غور کیجیے آج کا وہ انسان جس کو یہ عظیم نعمتیں حاصل ہیں ان کے صحیح مصرف سے کس قدر دور اور غافل ہے۔

آپ حضرات کو یہ دونوں چیزیں بحمد اللہ فی الجملہ حاصل ہیں، طالب علمی کا دور ہے، نوجوانی اور شباب کا زمانہ ہے، صحت وتندرستی حاصل ہے عموماً اس نوعمری میں صحت وتندرستی حاصل ہوتی ہے۔ اتفاقی طور پر کوئی بیماری آتی ہے تو وہ عارضی اور زود رو ہوتی ہے، زیادہ طول طویل مرض بڑھاپے کی نسبت اس عمر شباب میں نہیں ہوتا۔

دوسری نعمت فراغ حالی اور معاش سے بے فکری ہے۔ یہ نعمت عظمٰی بھی فی الجملہ اس طالب علمی کے دور کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ کو حاصل ہے۔ یہ دو نعمتیں ہیں جن کی طرف حدیث شریف میں توجہ دلائی گئی ہے۔ آپ حضرات اسی طالب علمی کے دور میں ان عظیم نعمتوں سے کیا کام لے سکتے ہیں، لیکن میں آپ سے پوچھونگا کہ دنیا میں کون سی چیز سب انسانوں کے نزدیک مسلمہ قیمتی ہے، اس کا ایک جواب تو مرد مؤمن یہی دے گا کہ سب سے قیمتی چیز ایمان ہے۔ بے شک یہ صحیح ہے لیکن عامۃ الناس کے نزدیک جس کو یورپ سے لے کر ایشیاء اور آسٹریلیا تک مسلمہ طور پر سب انسان قیمتی تصور کرتے ہوں وہ قیمتی چیز کیا ہوسکتی ہے؟

بلا شبہ وہ صرف علم ہے اور اسلامی دائرے میں آ کر خصوصاً وہ قیمتی چیز علم دین ہے جس کے آپ حامل ہیں اور اس کو حاصل کر رہے ہیں۔ صاحب فاتحۃ العلوم رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ مجتہدین کے اقوال نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ائمہ اربعہ کے

نزدیک متفقہ طور پر فرائض و واجبات شرعیہ کے بعد علم دین سیکھنا اور سکھانا تفصیلا واجب ہے۔

استاذی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علم دین ایسی اہم اور بے بہا تجارت ہے جس سے چند نسلوں میں لاکھوں انسان بن جاتے ہیں، جن کے درس وتدریس سے معلم و متعلم دونوں کو بے شمار اجر وثواب ملتا ہے۔ ان امور پر غور کرنے کے بعد نتیجہ نکلتا ہے کہ آج ہمارے لئے حصول علم دین سے بڑھ کر کوئی اور نعمت عظمیٰ اور قیمتی سرمایہ نہیں ہے جس کے حصول کے لئے زیادہ تر دو ہی چیزوں کی ضرورت ہے ''صحت وتندرستی'' ''بے فکری اور فراغ ذہنی''، لہٰذا ان دونوں نعمتوں کو دیکھتے ہوئے جن سے آپ ہم کنار ہیں آپ پر عقلی اور شرعی فرض ہو جاتا ہے کہ ان دو قوتوں سے کام لے کر مقصد اصلی حصول علم دین میں جد و جہد کریں، اپنے اوقات کی قدر و قیمت پہچانیں اور اوقات درس ومطالعہ علمی کاوشوں محنت اور تتبع میں صرف کریں۔

یاد رکھئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اکثر لوگ وقت پر ان نعمتوں کی پرواہ نہیں کرتے اور ان عظیم نعمتوں کو گنوا دیتے ہیں اور ان نعمتوں سے محروم ہوجانے کے بعد ان کی قدر کرتے ہیں۔

اسی لئے نبیٔ برحق ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ اس خسارے اور نقصان سے بچیں جو ہماری کوتاہ فکری کی بناء پر ہم پر مسلط ہو رہا ہے، آپ جب تک مدرسے کی چار دیواری میں مقیم ہیں اور اس تعلیمی ماحول میں اقامت پذیر ہیں یہ نعمتیں آپ کو حاصل ہیں، جب آپ درس گاہ سے رخصت ہوں گے تفکراتِ جہاں شروع ہو جائیں گے، فکر کسب (معاشی ذمہ داریاں) اور گوں ناگوں آفات گھیر لیتی ہیں، جن سے بچ نکلنا تقریباً ناممکن ہے۔ فراغ بالی اور اطمینان قلب تو یوں ذمہ

داریوں کی وجہ سے چلا جاتا ہے ساتھ ہی ان فکرات کے نتیجے میں صحت بھی جاتی رہتی ہے۔

اسی طرح عادۃُ اللہ اور قانونِ الٰہی کے مطابق نعمت کی نا قدری کرنے والا تدریجاً الطافِ ربّانی سے بے بہرہ کردیا جاتا ہے۔

برادرانِ عزیز! ان نعمتوں کی قدر کیجئے اور زندگی کو کام میں لگایئے۔ یہ ہے پہلی حدیث نبوی ﷺ کا ماحصل جو آپ کے سامنے بیان کیا، دوسری حدیث نبوی ﷺ إنما الأعمال بالنيات الخ جو میں نے آپ کے سامنے روایت کی ہے اس کا تعلق عمل کی قوت کے بعد اصلاح نیت اور خلوص عمل سے ہے۔ حاصل حدیث یہ ہے:

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اعمال کی حقیقت اوران کا بدلہ نیت پر موقوف ہے اور ہر شخص کے لئے ہر کام میں وہ جزا ملتی ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے، پس اگر کوئی شخص اللہ اوراس کے رسول کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے ہجرت کرتا ہے تو اس کی ہجرت بلا شبہ اللہ اور رسول کے لئے ہے۔ اور جو شخص دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی غرض سے مہاجر بنتا ہے تو بلا شبہ اس کی ہجرت وہی ہجرت تسلیم کی جائے گی جس نیت سے وہ ہجرت کررہا ہے (متفق علیہ)

پہلی حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرے اوراس کی دی ہوئی زندگی، صحت وتندرستی فراغ بالی کی قدر کرتے ہوئے اپنے آپ کو جدو جہد اور حصول مقصد کی راہ پر لگائے کردار وعمل کی طرف قدم بڑھائے، نعمتوں کی نا قدری نہ کرے، تغافل، خواب غفلت میں زندگی نہ گزارے اس دوسری حدیث شریف میں عمل کے ساتھ اصلاح نیت، اخلاص اور حسن عمل کے بارے میں

ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ اعمال کا دار و مدار اعمال کی حقیقت نیت کے صحیح سالم ہونے پر منحصر ہے کسی کام میں اگر آپ کی نیت صحیح ہے اور مقصد رضائے خداوندی ہے تو آپ کے افعال و اعمال دربار الٰہی میں شرف قبولیت رکھتے ہیں ورنہ صورتاً حسن اعمال اور اچھے کام جن کے کرنے میں نیت کھوٹی ہو وہ بلاشبہ مردود بارگاہ الٰہی میں، اللہ تعالیٰ کی نظر صرف نیت پر ہوتی ہے خداوند تعالیٰ خوب اچھی طرح دلوں کی گہرائیوں سے واقف ہے۔ صورت میں اچھے کام ہوں لیکن دل میں کھوٹ ہو نیت کھری نہ ہو یا ریا کاری ہو تو یہ کام عند اللہ ماجور اور قابل ثواب نہیں ہیں۔

ایک انسان اچھے کام کر رہا ہے، نمازیں پڑھتا ہے صدقہ وخیرات کر رہا ہے لیکن اس کی نیت صاف نہیں، اس کا مقصد ریا اور دنیا کو دکھانا ہے اپنی بزرگی اور بڑائی جتانا ہے بلاشبہ ایسے سب اعمال بے کار اور ضائع ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے جیسا کہ اس حدیث شریف میں سرکار دو عالم ﷺ نے مثال دے کر واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ اصلاح نیت کے ساتھ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے لئے ترک وطن اور ہجرت کرتا ہے اس کا مقصد دین کو محفوظ رکھنا، دین کی آبرو بچانا، اسلام و ایمان پر قائم رہنا ہے تو بلاشبہ اس کی یہ ہجرت مقبول و پسندیدہ ہے اور وہ طالب حق کہلائے گا اس کے بالمقابل دنیوی اغراض کے تحت وطن چھوڑتا ہے۔ دنیا طلبی، مال و دولت، یا کسی حسینہ کے تصور میں وطن کو خیرباد کہتا ہے ظاہر ہے چونکہ اس کی نیت ترک وطن سے رضائے الٰہی اور خدا کی فرمانبرداری نہیں ہے اس لئے اس کی سب مشقتیں، ترک وطن کی تکلیفیں عند اللہ کوئی درجہ نہ رکھے گی۔ ایسا شخص ہجرت جیسے مقدس اور اسلامی حکم کے ثواب سے نیت کے فاسد ہونے کی بنا پر محروم و بے نصیب رہے گا۔ اس کی یہ

ہجرت فرار کے مرادف سمجھی جائے گی۔

یہ دوسری بات ہے کہ صحیح نیت کے ساتھ ہجرت کرے اور اس کو وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں مل جائیں ہر قسم کی آسائش حلال طور پر اس کو حاصل ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، حدیث نبوی ﷺ کی تشریح و توضیح اس قدر طویل ہے جسے اس قلیل وقت میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ بات یاد رکھئے ہمارے اور آپ کے اعمال کا دار و مدار صرف اصلاح نیت پر موقوف ہے۔[1] ہم آج سے عہد کریں کہ اپنی زندگی کے تمام افعال و اعمال میں اصلاح نیت خدا ورسول کی رضا مندی پیش نظر رکھیں گے۔

حدیث نبوی ﷺ پر شبہ کا ازالہ

اس ارشاد نبوی ﷺ پر کہ تمام اعمال کا دار و مدار نیت ہی پر موقوف ہے ایک طالب علمانی اشکال ہوتا ہے کہ دوسری احادیث نبوی ﷺ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ بہت سی چیزیں جن کے صدقہ خیرات کرنے کی انسان نیت نہیں کرتا ان کے ضائع ہونے پر بھی صدقہ کا ثواب مل جاتا ہے جیسے کسی کا مال چوری ہو جائے کسی باغ والے کے پھل پرندے کھا جائیں یا کوئی نقصان کر دے تو ان سب کے ضائع ہونے پر ثواب ملتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث نبوی (ﷺ) میں ان اعمال اور کاموں کا حال بیان ہو رہا ہے جو جوارح اور (انسان کے) ارادہ سے سرزد ہوں اور یہ (مذکورہ صورتیں) مصائب وحوادثات ہیں جو جوارح اور ارادہ سے صادر نہیں ہوتے ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور اس طرح

---

(۱) تعلیم و تعلم دونوں میں نیت یہ ہونی چاہیے کہ ہم دین کو بطور مقصد حاصل کر رہے ہیں۔ علم دین کسی دیگر مقصد کا آلہ یا وسیلہ نہیں بلکہ خود مستقل مقصد ہے (شاھد حسن قاسمی)

آفات کی صورت میں بھی ثواب مل جاتا ہے۔

بہر حال ارشاد نبوی (ﷺ) پر غور وفکر کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ تصحیح نیت اور اصلاح فکر کی جانب پوری توجہ کرنی چاہئے یہ طالب علمی کا دور جو گذر رہا ہے یہی تصحیح نیت کا وقت ہے اصلاح فکر اور اصلاح خیال اسی وقت ممکن ہے یہ نہ سمجھیں کہ اب تو طالب علم ہیں کسی بھی طرح علم حاصل کرتے رہیں آگے چل کر خود ٹھیک ہو جائیں گے یا یہ کہ آج تو طلب علم کر رہے ہیں، عمل بعد میں ہوتا رہے گا یہ خالص دھوکہ اور فریب نفس ہے۔

(حقیقۃً) علم دین عمل کے بغیر قریب آتا ہی نہیں۔ علم دین کے ساتھ عمل کا بہت قریبی رشتہ ہے وہ علم نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو (بے عملی کی صورت میں) صرف الفاظ ونقوش کا عکس ذہن میں آتا ہے۔ حضرت استاذی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ارشاد فرماتے تھے هَتَفَ الْعِلْمُ بِالْعَمَلِ فَإِنْ أَجَابَ سَكَنَ وَإِلَّا فَارْتَحَلَ علم جب حاصل کیا جاتا ہے تو عمل کو پکارتا ہے اگر عمل نہیں ملتا تو علم رخصت ہو جاتا ہے۔ (یعنی علم دین کی اخروی برکات ضائع ہو جاتی ہیں اگرچہ دنیا میں ظاہری علم کا عنوان باقی رہ جائے)۔

بہر حال جس قدر علم دین حاصل ہو اس کو فوراً مشق عمل بنایا جائے اسی طرح عملی زندگی بن سکتی ہے، اگر طلب علم کے زمانہ میں عمل کی مشق نہ ہو تو آئندہ چل کر بے عملی ہی رہ جاتی ہے اس لئے عمل کی کوشش کرنی چاہئے نیز عمل کے ساتھ اخلاص تدریجاً حاصل ہوتا رہتا ہے۔

طلب علم کے بنیادی اصول

(۱) پہلا اصول: حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ (کبھی) عمل

میں ریا پہلے عادت ہوتی ہے پھر عبادت بن جاتی ہے اس لئے نا امید نہ ہونا چاہئے۔ طلب علم کے لئے نیت یہ ہونی چاہئے کہ ہم مقصد حاصل کر رہے ہیں، علم دین کسی مقصد کا آلہ نہیں ہے، اس لئے یہ خیال بھی دل سے نکال دینا چاہئے کہ علم دین سے فراغت کے بعد کیا کریں گے کیونکہ آپ نے مقصد کو پا لیا ہے۔ اب معاش کے وسائل دوسرے بن سکتے ہیں۔ علم دین کو آلۂ کار نہ سمجھنا چاہئے (مقصود یہ ہے کہ عموماً طلب معاش کے لئے دیگر وسائل اختیار کرنا چاہئے، جن کی حیثیت آلہ اور غرض کی ہے)

(۲) دوسرا اصول یہ ہونا چاہئے کہ اپنے تمام اوقات طلب علم میں مصروف رہیں، تعلیم کے لئے کسی مخصوص وقت ہی میں نہیں بلکہ ہمہ وقت پوری طرح جد و جہد کرتے رہنا چاہئے، تعلیم المتعلم میں فرمایا گیا ہے اَلعِلْمُ لَا يُعْطِيْكَ بَعْضَهُ حَتّٰى تُعْطِيَهُ كُلَّكَ علم کا بعض حصہ بھی اپنی زندگی کو پوری طرح وقف کئے بغیر نہیں مل سکتا۔ طلب علم کا ایک درجہ مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی کو حاصل تھا کہ وہ مطالعہ میں اس قدر منہمک رہتے تھے کہ ایک مرتبہ ملازم سے پانی مانگا۔ حضرت مولانا عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معلوم کرنا چاہا کہ اس کو طلب علم میں کس قدر مشغولیت ہے انہوں نے ملازم کو اشارہ کیا کہ پانی کے بجائے تیل کا پیالہ سامنے کردے۔ خادم نے ایسا ہی کیا اور مولانا عبد الحی صاحب نے وہی پیالہ منہ سے لگا لیا۔ یہ تھا طلب علم کا وہ بلند مقام (اور محویت) جو آج تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

(۳) تیسرا اصول طلبہ کے لئے یہ ہے کہ طالب علمی کے دور میں طلب علم کے سوا کوئی کام کیا ناقص ہی رہے گا نہ یہ کام پورا ہو سکتا ہے اور نہ ہی علم کو پوری طرح پا سکے گا (اسی مقصد کے لئے طلبہ کو فارغ معاش ہونا چاہئے)

عموماً طالب علم کو فرائض و واجبات شریعت کے ماسوا دوسرے اشغال و اعمال میں نہ لگنا چاہئے۔ امام طحاوی نے اس سلسلہ میں ایک جزئیہ نقل فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں كُنَّا نُضۡرَبُ لِصَلوٰةِ التَّسۡبِيۡحِ دیکھئے صلوٰۃ التسبیح جیسی مفید نفل کے اشتغال سے بھی طلب علم میں کوتاہی آنے کی بنا پر ان کو سختی سے منع کیا گیا، جو طالب علم، طلب علم کے دور میں سیاست وتبلیغ [۱] یا دوسرے مشاغل میں لگ جاتے ہیں وہ اپنا اور قوم کا نقصان عظیم کرتے ہیں یہ ایسی ہی بات ہوگی جیسا کہ کوئی بچہ بچپن میں باپ بننا چاہے جس طرح یہ کھلی حماقت نظر آتی ہے بالکل یہی حال اس طالب علم کا ہے جو علم کے سوا دوسرے دھندوں میں لگا رہتا ہے۔

(۴) چوتھا اصول ادب ہے آج مفقود ہوتا چلا جارہا ہے۔ حالانکہ ادب ہی علم کا بنیادی ذریعہ ہے۔ اس کو چھوڑ کر علم دین ہی کیا کوئی بھی علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ ادب و احترام قلب سے ہونا چاہئے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اساتذہ کا ادب تو لازم ہی ہے۔ وسائط [۲] علم کا ادب بھی حد درجہ ضروری اور اہم ہے یعنی جس طرح اساتذہ کا احترام اور ان کے ساتھ ادب کو ملحوظ رکھنا واجب ہے اسی طرح کتاب، کاغذ وغیرہ جن کو حصول علم میں ذریعہ بنایا جاتا ہے ان کی عزت و ادب بھی کرنا چاہیے۔

(۵) پانچواں اصول:۔ جو ایک بنیادی درجہ رکھتا ہے اور سب اصولوں پر حاوی ہے وہ تقویٰ ہے، (محض) نفلیں وغیرہ پڑھنے کا نام حقیقی تقویٰ نہیں ہے۔ تقویٰ نام ہے محظورات ومحرّمات شرعیہ سے بچنا اور فرائض و واجبات بجالانا، نفل ایک امر زائد

---

(۱) درس کے ساتھ یہ حکم خاص ہے البتہ تعطیلات اور فارغ اوقات میں تبلیغ دین طلبہ کے لیے بھی افضل عمل ہے (شاہد حسن قاسمی)

(۲) وسائط علم یعنی درسگاہ کتاب، کاغذ، قلم وغیرہ کا احترام وادب ضروری ہے۔ (شاہد حسن قاسمی)

ہے جو ایک طالب علم کے لئے (فریضۂ حصول علم دین سے کم درجہ رکھتی ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ اشتغال بالعلم ہو، تصحیح نیت ہو اساتذہ کا ادب واحترام ہو، ساتھ ہی وسائل علم یعنی کتاب وغیرہ کی عظمت قلب میں ہو، علم کے ساتھ عمل کو جاری رکھا جائے، تقویٰ اختیار کیا جائے۔ محظورات شرعیہ سے اجتناب اور امر الٰہی کو بجالانا یہ سب اصول حیات ہیں۔ یہ قیمتی اصول سلف سے منقول ہیں۔ عموماً ان ہی اصولوں سے زندگی بن سکتی ہے اور خصوصاً طلبۂ کرام کردار وعمل کا ایک صحیح نمونہ بن سکتے ہیں اور ان سب کی روح تصحیح نیت ہے جس کی بدولت اور سب نعمتیں مل جاتی ہیں اور اس سے وہ طالب علم کہلایا جاسکتا ہے۔

طالب علم کا صحیح نظریہ

طالب علمانہ زندگی کا صحیح نظریہ وہ تھا جو مدرسہ نظامیہ بغداد کے ایک طالب علم محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا محمد غزالی اور احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ دونوں بھائی مدرسہ نظامیہ بغداد میں پڑھتے تھے نظام الملک اس مدرسے کی کفالت کرتے تھے، اور ان ہی کے نام سے یہ مدرسہ قائم ہوا تھا، ان کو شکایت پہنچی کہ طلبہ دنیاوی اغراض کے تحت اس مدرسہ میں آکر علم دین حاصل کر رہے ہیں تاکہ اس کی سند سے عہدوں پر فائز ہوں۔ لیکن نظام الملک کو افسوس ہوا اور طلبہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے اجنبی کی صورت میں مدرسہ پہونچے اور ایک اجنبی محض بن کر طلبہ کا جائزہ لینا شروع کیا اور ان سے مختلف سوالات کئے اور ان سے علم دین پڑھنے کی وجہ اور غرض وغایت پوچھی۔ یہ طلبہ امراء وقضاۃ کی اولاد تھے اس لئے ہر ایک نے دنیاوی جاہ ومرتبہ حاصل کرنے کو (مقصد و) غایت علم بتایا اور کسی نے کہا کہ میرا باپ قاضی ہے میں علم دین پڑھ کر قضاء کے عہدے پر فائز ہونگا۔

غرض ہر ایک نے علم دین پڑھ کر (صرف) دنیاوی جاہ جلال پانے کا مقصد ظاہر کیا، نظام الملک سخت ملول و رنجیدہ جا رہے تھے کہ ایک حجرے میں شکستہ حال (غریب) طالب علم ٹمٹماتے چراغ کے سامنے محو مطالعہ نظر آیا۔ نظام الملک اس حجرے کے سامنے کچھ دیر ٹھہرے رہے اور غور کرتے رہے اس طالب علم نے کوئی توجہ نہ کی۔ نظام الملک کمرے میں داخل ہوئے اور اس طالب علم سے کچھ گفتگو کرنی چاہی یہ طالب علم ابھی محو کتاب ہی تھا اس کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ کمرے میں کون آیا ہے۔ نظام الملک نے خود ہی اس طالب علم کو اپنی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ مجھے چند باتیں بتا دو، تم کون ہو، تمہارا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟ تم علم کس لئے حاصل کر رہے ہو؟

اس طالب علم نے نظام الملک کو بے توجہی سے جواب دیتے ہوئے کہا آپ تشریف لے جایئے میں مطالعہ کر رہا ہوں۔ نظام الملک نے اصرار کیا کہ میرے ان سوالات کا جواب دینا ضروری ہے۔ مدرسہ نظامیہ کے اس طالب علم نے اپنی طالب علمانہ زندگی اور علم دین پڑھنے کے متعلق اپنے نظریہ کی وضاحت اس طرح کی:۔

طالب علم کا وضاحتی جواب

ہم نے عقل سے پہچانا ہمارا کوئی پیدا کرنے والا ہے، عقل ہی سے پہچانا کہ ایسی ذات واحد ہستی کا احسان مند ہو کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا ہمارا فرض ہے اور اطاعت اللہ کا طریقہ معلوم کرنے کا ذریعہ رسالت اور وحی الٰہی ہے۔ لہٰذا ہمارا مقصد تحصیل علم کا یہ ہے کہ خدا کی پسند اور رضاء و حکم پر عمل کریں اور اللہ کی ناپسند اور بُرے اعمال سے پرہیز کریں۔

اور ظاہر ہے کہ اسی مقصد کے لئے حصول علم دین قرآن و سنت اور تشریحات
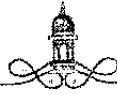
سلف کو پڑھنا اور سمجھنا اہم ترین مقصدیت کا حامل ہے۔ یہ جواب سن کر نظام الملک مطمئن ہوا اور جامعہ بغداد ایسے طلبہ سے روشن اور آباد رہا۔

یہ طالب علم کون تھے؟ یہ تھے صاحب احیاء العلوم، فلسفیٔ اسلام، سردارِ دانشوران حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ۔ جن کے علوم فیوض و برکات سے اُمّت صدیوں سے استفادہ کر رہی ہے اور یقیناً تا قیامت دنیا روشنی حاصل کرتی رہے گی۔

مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ
کی ایک اہم تقریر کے اقتباسات

جو پاکستان سے دیوبند پہنچ کر دارالعلوم دیوبند کے عظیم اجتماع میں کی گئی

ہجرت پاکستان کے تیرہ سال بعد والد ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند کے عزیزوں اور دوستوں کے اصرار پر پاکستان سے دیوبند تشریف لے گئے، وہیں سے تھانہ بھون اور دھلی کا بھی سفر ھوا، اس کا سبق آموز دلچسپ سفر نامہ حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ''نقوش وتاثرات'' کے نام سے قلمبند فرمایا تھا جو طبع ہو چکا ہے۔
خوبیٔ قسمت سے احقر راقم الحروف بھی اس تاریخی سفر میں ساتھ تھا، حضرت والد صاحب کے دیوبند پہنچنے پر لوگوں کی خوشی کا یہ حال تھا کہ پورے قصبہ میں عید کا سماں معلوم ہوتا تھا۔
۳۰/نومبر ۱۹۶۰ء کو بعد عشاء دارالعلوم دیوبند کے منتظمین، اساتذۂ کرام اور طلبہ کے اصرار پر آپ نے دارالعلوم کے دارالحدیث میں ایک اثر انگیز خطاب فرمایا دارالحدیث کھچا کھچ بھرا تھا۔ متعدد اہل علم نے اس خطاب کو بروقت قلمبند فرمالیا تھا، مگر افسوس کہ کبھی اس کی اشاعت کی نوبت نہ آئی۔

احقر نے بھی اس خطاب کا خلاصہ قلم بند کیا تھا اب ۲۴ سال بعد کاپی میں وہ نظر آیا تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کے اہم اقتباسات، ملفوظات اور حکایات ھدیہ ناظرین کر دی جائیں۔ واللہ المستعان۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۷/شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ
۹/مئی ۱۹۸۴ء

خطبۂ مسنونہ اور مشکوٰۃ شریف کی دو حدیثیں پڑھنے کے بعد آپ نے طلبہ سے خطاب فرمایا کہ:

عزیزو! شاید آپ اس انتظار میں ہوں گے کہ میں کسی دقیق علمی بحث کو آپ کے سامنے پیش کروں گا اور میرے نفس کے جذبات بھی اسی طرف چل رہے ہیں۔ لیکن میں یہ علمی گناہ اسی جگہ پہلے بہت کر چکا ہوں، اب بحمد اللہ اس خود نمائی کے گناہ سے توبہ کر چکا ہوں۔ چند ہلکے پھلکے کلماتِ نصیحت عرض کروں گا۔

ملفوظ نمبر ۱: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ درس میں طلبہ سے فرماتے تھے کہ: ''جاہلین! اس فن میں دنیا تو کبھی تھی ہی نہیں ایک دین تھا مگر وہ تم نے نہ لیا''۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

احمد غزالی اور محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہما دونوں بھائیوں کو ان کی بیوہ ماں نے صرف اس لئے مدرسہ نظامیہ بغداد میں داخل کیا تھا کہ ان کی پرورش ہو جائے گی، مگر بعد میں وہ

''حجۃ الاسلام'' بنے، وزیر اعظم نے مدرسہ کے طلباء کا جائزہ لیا اور ہر ایک سے پوچھا کہ علم دین حاصل کرنے سے ان کا مقصد کیا ہے؟ ہر ایک نے کہا کہ میں فلاں عہدہ حاصل کرنا چاہتا ہوں، دل برداشتہ ہوکر اس نے سوچا کہ مدرسہ بند کردے، ذرا آگے چلا تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت طالب علم تھے مطالعہ کرتے ہوئے نظر آئے ان سے تعلیم کا مقصد پوچھا تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''ہم نے عقل سے پہچانا کہ ہم کو ایک پیدا کرنے والا ہے اور عقل سے ہی یہ پہچانا کہ ایسی ہستی کا احسان مند ہوکر اس کی اطاعت کرنا ہمارا فرض ہے اور اطاعت کا طریقہ معلوم کرنے کا ذریعہ رسالت اور وحی ہے لہٰذا ہمارے تحصیل علم کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی پسندیدہ اشیاء پر عمل کریں، اور ناپسندیدہ اعمال سے پرہیز کریں''۔

ملفوظ نمبر ۲

غالباً حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

طلبنا العلم لغير الله فأبى أن يكون إلا لله

ترجمہ: ہم نے علم حاصل تو غیر اللہ (دنیا) کے لئے کیا تھا، لیکن علم نے غیر اللہ کے لئے ہونے سے انکار کردیا۔ یعنی علم کی برکت سے ہماری نیت بھی درست ہوگئی۔

ملفوظ نمبر ۳

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

''تحصیل علم میں اگر نیت صحیح بھی نہ ہو تب بھی علم کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ علم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیت بھی صحیح ہوجاتی ہے''۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق خواب

امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کو (جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد رشید ہیں) ان کی وفات کے بعد خواب میں کسی نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ اے محمد اگر میرا تجھ پر احسان کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو تجھے علم نہ دیتا۔

ملفوظ نمبر ۴

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی امام کا قول نقل کیا ہے کہ:

العلم لايعطيك بعضه حتى تعطيه كلك

یعنی علم تم کو اپنا کچھ حصہ نہیں دے گا جب تک کہ تم اس کو اپنا سب کو کچھ نہ دیدو۔

ایک طالب علم کا واقعہ

ہمارے بزرگ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ وحضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب دہلی میں پڑھتے تھے اُس وقت ان کے ایک ساتھی کا واقعہ ہے کہ مطالعہ کے لئے روشنی کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے حلوائی کی دکان کے سامنے کھڑے ہوکر مطالعہ کیا کرتے تھے۔

مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی کے والد مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کے علمی شغف کا امتحان لیا کہ جب بیٹے نے نوکر سے پانی مانگا تو اشارہ کردیا کہ تیل کا پیالہ آگے کردو، صاحبزادے مطالعہ میں ایسے منہمک تھے کہ دیکھے بغیر ہی اسے پینے لگے تو باپ نے پیالہ ان سے ہٹایا۔

ملفوظ نمبر ۵

طالب علم کو ہر منافیٔ علم کام سے پرہیز کرنا چاہیے، اس وقت جس فن میں خامی رہ جاتی ہے وہ عموماً کبھی دور نہیں ہوتی۔

ملفوظ نمبر ۶

حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جگہ اسی موضوع پر اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ:

''ادواتِ علم کا ادب اسبابِ حصولِ علم میں سے ہے''۔

یعنی علم جن جن ذرائع سے حاصل ہوتا ہے ان سب کا ادب کرنا چاہئے۔ اس سے علم میں برکت ہوتی ہے۔

ملفوظ نمبر ۷

حصولِ علم کے اسباب میں سے ایک اہم چیز تقویٰ ہے، عمل کے لئے تو وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر تقویٰ کے لئے وقت کی بھی ضرورت نہیں۔

مسلکِ دیوبند کیا ہے؟

آپ حضرات کو ابھی اس نعمتِ خداوندی کی قدر نہیں ہے کہ اُس نے آپ کا تعلیمی رشتہ دارالعلوم دیوبند سے منسلک کردیا، جب اس ''بسم اللہ کے گنبد'' سے آپ باہر نکلیں گے اور کتاب وسنت اور فقہی مسائل ہی کی تعبیر میں آپ کو افراط وتفریط کا ایک بھیانک منظر سامنے آجائے گا اُس وقت معلوم ہوگا کہ دیوبند اور اس کا معتدل

مسلک کیسی عظیم نعمت ہے۔

میں بھی طالب علمی کے زمانہ میں آپ کی طرح محض اپنے والد مرحوم کے حکم کی تعمیل میں دار العلوم سے متعلق ہوا اور مسلکِ دیوبند بھی تقلیداً اختیار کیا، لیکن دنیا کے نشیب و فراز اور سرد و گرم چکھنے اور فرقہ وارانہ مباحث سے گذرنے کے بعد اپنی تحقیق سے اس مسلک اعتدال کی خوبیاں مستحضر ہوئیں۔ وطن کے اعتبار سے تو میں دیوبندی فطرۃً تھا اور مسلک کے اعتبار سے تقلیداً، لیکن طویل غور و فکر، بحث و تمحیص اور تجربہ کے بعد مسلکِ دیوبند کا محض تقلید سے نہیں، بلکہ بصیرت سے پابند ہوں۔

آخر میں ایک مختصر جملہ اس کے متعلق بھی سن لیجئے کہ دیوبند کوئی جداگانہ مذہب نہیں، بلکہ قرآن و سنت کی صحیح تعبیر و تعمیل کا اور رفض و خروج، اعتزال و ظاہریت، تقلید و عدمِ تقلید، بزرگانِ سلف کے اتباع و انکار کے مختلف مسلکوں میں سے ایک نہایت معتدل مسلک کا نام دیوبند ہے، جس میں ''تقلید'' اور ''تنقید'' کو اپنی اپنی حد میں اختیار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس روحِ دیوبند کو ہمیشہ دیوبند میں باقی رکھے اور مجھے اور آپ سب کو دیوبند کے سچے خادموں میں محشور فرمائے۔ آمین۔

اصلاح معاشرے کے لئے عظیم فقہی تقریر

سورۃ التطفیف کی تفسیر و فقہی احکام

فقیہ الملت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نومبر ۱۹۶۰ء میں کراچی سے دیوبند تشریف لائے، اہل وطن اکابر علماء، اعزاء و اقارب سب ہی نے استقبال اور خیر مقدم کہا، حضرت کی تشریف آوری سے دیوبند کی فضاء میں طلب اور ذوق کا ایک نیا ماحول محسوس ہونے لگا۔ ان ہی دنوں اہالیان دیوبند کی خواہش اور والد محترم حضرت مولانا سیّد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ استاذ تفسیر و حدیث دار العلوم دیوبند کی تحریک پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خطابِ عام اور تقریر کا نظم بمقام مرکزی جامع مسجد دیوبند منعقد ہوا۔ اس موقعہ پر راقم الحروف کو بھی شرکت کی سعادت حاصل رہی جامع مسجد حاضرین سے معمور اور بھری ہوئی تھی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح معاشرہ کے عنوان سے سورۃ التطفیف کی تفسیر اور مسائل فقہیہ کا اپنے مخصوص انداز میں تحقیق و جائزہ پیش فرمایا اور تطفیف کے مفہوم کی وسعت سے معاشرہ کے مختلف فرد و گروہ کی اصلاح کے لئے حاضرین کو خطاب فرمایا۔

حضرت کی تقریر و خطاب کے لئے ٹیپ مشین یا بروقت انضباط کا نظم نہ تھا۔ احقر کا اس وقت طالب علمانہ دور اور مشکوٰۃ شریف کا سالِ تعلیم تھا۔ احقر کی یادداشت اور اخذ کے مطابق حضرت مفتی صاحب کی تقریر اور خطاب کے جو اہم حصے محفوظ کئے گئے

وہ سپرد قلم کئے جارہے ہیں۔اس خطاب کے ایک شریک رفیقنا المحترم حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی مدظلہ بھی رہے، احقر نے موصوف سے کچھ مواد مفید حاصل کیا اور اب اس مجموعی خطاب کو پہلی بار ایک علمی تبرک اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک یادگار پیغام خصوصی کی حیثیت سے افادہ اور اصلاح احوال کے لئے ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ یہ خطاب ایک ایسی فقہی تقریر وتفسیر ہے جس سے اہل علم خواص وعوام برابر مستفید ہوسکتے ہیں۔

احقر نے ترتیب خطاب میں حضرت مفتی صاحب کے بنیادی افکار وملفوظ کوملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔دور طالب علمی کی یہ کاوش پیش خدمت ہے

شاہد حسن قاسمی

(حال) خادم تدریس شعبہ عربی دارالعلوم دیوبند

بدھ ۹ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۴ جون ۱۹۸۹ء

تقریر وخطاب
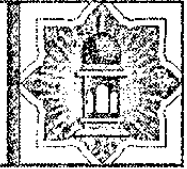
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی،
قال اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ فی القرآن الحکیم

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ① الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ② وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ ③ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ④ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ⑤ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ⑥ (المطففین:۱۔۶)

ترجمہ: خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ناپ کرلیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب ناپ کر دیں ان کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں، کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ اُن کو اُٹھنا ہے اس بڑے دن کے واسطے جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہاں کے مالک کی (یعنی روز قیامت ایسا حال ہوگا)

توضیح وتشریح

سورۂ تطفیف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول پر مکّی سورت ہے، عام مصاحفِ قرآن میں اسی بنا پر اس کو مکّی لکھا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ،

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدنی سورت ہے اور اس کی صرف آٹھ آیتیں مکّی ہیں۔

امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ جن کے عام معاملات کیل یعنی ناپ کے ذریعہ ہوتے تھے وہ اس معاملے میں چوری کرنے اور کم ناپنے کے بہت عادی تھے۔ اس پر یہ سورت ویل للمطففین نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ یہ پہلی سورت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی نازل ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ اہلِ مدینہ میں یہ رواج اس وقت عام تھا کہ جب خود کسی سے سامان (سودا) لیتے تو ناپ تول پورا پورا لیتے تھے اور جب دوسروں کو بیچتے تو اُس میں کمی اور چوری کیا کرتے تھے۔ اس سورت کے نازل ہونے پر یہ لوگ اس رسمِ بد سے باز آگئے اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہل مدینہ ناپ تول پورا پورا کرنے میں معروف ومشہور ہیں، ویل للمطففین الخ۔

تطفیف کا مفہوم

مطففین تطفیف سے مشتق ہے جس کے معنی ناپ تول میں کمی کرنے کے ہیں اور ایسا کرنے والے کو مطفّف کہا جاتا ہے۔ (کم دینے والا) قرآن کریم کے ان الفاظ سے واضح ہوا کہ تطفیف حرام ہے۔

تطفیف صرف ناپ تول ہی میں نہیں بلکہ حق دار کو اس کے حق سے کم دینا یا کسی بھی چیز میں ہو وہ تطفیف میں داخل ہے۔ قرآن کریم اور حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ناپ تول کی کمی کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے، کیونکہ عام طور سے معاملات کا لین دین انہیں دو طریقوں سے ہوتا ہے، انہیں کے ذریعہ یہ کہا جا

سکتا ہے کہ حقدار کا حق ادا ہو گیا یا نہیں۔لیکن یہ صاف ہے کہ مقصود اس سے ہر ایک حق دار کا حق پورا پورا دینا ہے، حقوق میں کمی کرنا حرام ہے۔معلوم ہوا کہ یہ صرف ناپ تول کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس سے کسی کا حق پورا کرنا یا نہ کرنا جانچا جاتا ہے اس کا یہی حکم ہے خواہ ناپ تول سے ہو یا عددی شمار و گنتی سے یا کسی اور طرح سے، ہر ایک میں حق دار کے حق سے کم دینا تطفیف اور حرام ہے۔

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع وسجدے وغیرہ پورے نہیں کرتا جلدی جلدی نماز ختم کر ڈالتا ہے تو اس کو فرمایا لقد طفّفت یعنی تو نے اللہ کے حق میں تطفیف اور کمی کر دی۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لِكُلِّ شَيْءٍ وَفَاءٌ وَتَطْفِيفٌ

یعنی پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یہاں تک کہ نماز، وضو، طہارت میں بھی اور اسی طرح دوسرے حقوق اللہ اور عبادات میں کمی، کوتاہی کرنے والا تطفیف کرنے کا مجرم ہے۔اسی طرح حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق سے کوتاہی یا کمی کرتا ہے وہ بھی تطفیف کے حکم میں ہے۔ مزدور، ملازم نے جتنے وقت کی خدمت (سروس) کا معاہدہ کیا ہے اس میں سے وقت چرانا اور کم کرنا بھی تطفیف میں داخل ہے۔وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرف میں معمول ہے اس میں کوتاہی اور سستی کرنا بھی تطفیف ہے۔

اس مسئلہ میں عام لوگ اور اہلِ علم (پڑھے لکھے لوگوں) میں بھی غفلت پائی جاتی ہے، اپنی ملازمت (سروس) کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا۔اَعاذنا اللہ منہ، حالانکہ یہ شدید معصیت اور حق تلفی ہے جس کے نتیجہ میں انسان کو عند اللہ

جواب دہ ہونا ہے۔

ناپ تول میں کمی اور حدیث رسول ﷺ

مفسرِ[1] قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے چند خصوصی گناہ اور معاصی کے سلسلے میں ارشاد فرمایا خمس بخمس یعنی پانچ گناہوں کی سزا دنیا میں ہی پانچ عذاب ہیں:۔

(۱) جو شخص عہد شکنی اور وعدہ توڑتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر اس کے دشمن کو مسلط اور غالب فرما دیتا ہے۔

(۲) جو قوم اور لوگ یا شخص اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانونِ شرعی کو چھوڑ کر دوسرے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے ایسے لوگوں میں فقر اور احتیاج عام ہو جاتا ہے یعنی ایسے لوگ اپنی معاشرت اور زندگی میں مطمئن اور خوش حال ہونے کے بجائے ہمیشہ دوسروں کے محتاج اور تشنہ لب رہیں گے۔ خود اعتمادی کی دولت سے محرومی ان کا مقدر ہوگی۔

(۳) جس قوم میں بے حیائی اور زنا عام ہو جائے اس قوم یا شخص پر اللہ تعالیٰ طاعون اور دوسرے متعدی وبائی امراض مسلط فرما دیتا ہے۔

(۴) جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں اللہ تعالیٰ اس بُرے عمل کے نتیجہ میں ان لوگوں کو قحط اور خشک سالی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(۵) زکوٰۃ واجب ہونے کے باوجود جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے بارش روک دیتا ہے۔[2]

---

(۱) تفسیر مظہری سورۃ التطفیف پارہ:۳۰ (شاہد حسن قاسمی)
(۲) القرطبی

حضرت علامہ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم کی تائید میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بعض خصوصی گناہ ایسے متعدی اور اثر مرتّب کرنے والے ہوتے ہیں کہ ان گناہوں کے اثرات اور نتائج معاشرت قوم اور شخص پر مرتب ہوتے ہیں :۔

(۱) جس قوم میں مال غنیمت کی چوری کا رواج پایا جائے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں میں دشمن کا رعب اور خوف وہیبت ڈال دیتے ہیں۔

(۲) جن لوگوں میں ربوٰ اور سود کا رواج ہو جائے تو سود کھانے والوں میں عمر کم اور موت کی کثرت ہو جاتی ہے۔ اور حوادث بڑھ جاتے ہیں۔

(۳) جن لوگوں میں ناپ اور تول یا پیمائش وغیرہ میں کمی کرنے کا مزاج ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کا رزق کم اور قطع کر دیتے ہیں۔

(۴) اور جو لوگ خلافِ شرع اور خلافِ حق فیصلہ کرتے ہیں ان میں خانہ جنگی اور قتل وخون ریزی عام ہو جاتا ہے۔ اور وہ اتفاق سے محروم رہتے ہیں۔

(۵) جو لوگ عہد اور معاہدے میں غداری اور فریب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر دشمن مسلط کر دیتا ہے۔

تطفیف اور عذاب الٰہی کی مختلف صورتیں

اوپر مذکورہ احادیث میں مختلف گناہوں کی سزائیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان سزاؤں میں تطفیف کی سزا اور عذاب قطع رزق اور فقر وفاقہ کا اعلان خداوندی بھی ہے۔ اس حدیث پاک پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ کبھی کبھی کم ناپ تول کرنے والے کو قطع رزق اور فقر و ناداری کی سزا کے بجائے ظاہری طور پر مال و دولت ملتا ہے اور بظاہر کوئی علامت فقر نظر نہیں آتی۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ عذاب کے

انداز اور طریقے الگ الگ ہیں:۔

پہلی صورت عذاب

انسان ظاہری طور پر مال سے محروم ہو جاتا ہے۔

بلا شبہ اللہ تعالیٰ اپنی بیش بہا حکمتوں اور لا محدود مصلحتوں کے ساتھ اپنے بندوں کی جزا اور سزا میں مختلف معاملات اور طرز عمل اختیار فرماتے ہیں، اس دنیا میں ہر اچھی اور بُری چیز کے دونوں پہلو موجود ہیں ظاہری اور باطنی یا حسّی اور معنوی، کبھی کبھی دنیاوی مال کمیت اور کثیر مقدار کے ساتھ کسی شخص کو حاصل رہتا ہے اور بظاہر وہ مال والا کہلاتا ہے لیکن اس کے اندر کی زندگی اور معنوی اعتبار سے در حقیقت وہ شخص پریشان حال اور پراگندہ خاطر اور بے شمار مشکلوں وحوادث و امراض میں اس طرح گرفتار ہوتا ہے کہ اپنے پاس موجودہ مال سے کوئی استفادہ اور نفع نہیں اٹھا پاتا بلکہ عملاً اس مال سے بے بہرہ اور محروم قسمت رہتا ہے۔ ایسے مال والا اللہ تعالیٰ کے مخفی پوشیدہ اور معنوی عذاب قطع رزق اور حقیقی فقر میں عملاً ماخوذ اور پریشان خاطر رہتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ معلوم ہوا کہ قطع رزق اور فقر و فاقہ کی مختلف صورتیں مختلف گناہوں کے نتیجے میں بندوں کو پیش آتی ہیں۔ خاص طور پر تطفیف اور کم ناپ تول کا یہی عذاب ہوتا ہے۔ اس طرح حدیث بالا میں مذکور قطع رزق اور فقر و فاقہ کے دونوں معنی اور دونوں صورتیں عملاً جاری و ساری ہیں۔ نتیجتاً قطع رزق کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) پہلی صورت ظاہری عذاب تطفیف کی ظاہری سزا ہے اس خاص معصیت کے نتیجہ میں کسی انسان کو رزق اور مال سے بالکل محروم کر دیا جاتا ہے۔

اس ظاہری عذاب کے بھی دو حال ہیں۔

(الف) کبھی قطع رزق فوری طور پر ہو کر آدمی جلدی سزا پالیتا ہے۔

(ب) کبھی قطع رزق مآل اور انجام کار قدرے تاخیر کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس کو استدراج اور من اللہ ڈھیل اور موقع دینا ہوتا ہے۔

دوسری صورت عذاب

کم ناپنے اور تولنے والوں کے لئے یہ بھی صورتِ عذاب ہے کہ ان کے مال سے برکت وفلاح گھر سے اطمینان وعافیت نکال کر پریشانی اور بے اطمینانی کا ایک ایسا عذاب دیا جاتا ہے جو دیکھنے والوں کو بہت کم نظر آتا ہے لیکن جس پر بیت رہی ہے اور جو عذاب کا مخاطب ہے وہ اپنے مال اور رزق سے آہستہ آہستہ محروم اور پریشان حال بن جاتا ہے جیسا کہ آج کل زیادہ تر ایسا ہی عذاب ہے۔کم ناپنے اور تولنے کا ایک اور اجتماعی عذاب یہ ہو جاتا ہے کہ اس معاشرہ میں اشیائے خوردنی اور استعمال کی چیزیں شدید گراں اور مہنگی ہو جاتی ہیں، لوگوں میں قوت خرید نہیں رہتی۔ وسائل کم ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی قطع رزق کی ایک شکل ہے۔

عذاب کی تیسری شکل

قطع رزق کے لئے کم ناپنے اور تولنے والوں کو اپنے معاشرے میں احتیاج اور دفتر شاہی ایسا اضافہ ہوتا ہے کہ انسان ذرا ذرا سے کاموں میں شدید مشکلات اور پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور دوسری بھی مختلف صورتیں کم ناپنے اور تولنے کی وجہ سے بطور عذاب الٰہی معاشرے اور فرد پر مرتب ہوتی رہتی ہیں، اسی طرح کبھی ظاہراً

اور صورتاً قطع رزق اور مالی تنگی کا شکار ہونا پڑتا ہے اور کبھی معنوی اور غیر محسوس طور پر معاشرے کی احتیاج، مُشکلات، امراض، نفرت و عداوت کی شکل میں نتیجۃً قطع رزق اور زوال مال کم ناپنے اور کم تولنے والوں کی تقدیر بن جاتا ہے۔

تطفیف کا حکم اور فقہی حیثیت

سورۃ التطفیف شان نزول کے اعتبار سے اہل مکہ سے خطاب ہے جبکہ اس سورت کو مکی تسلیم کیا جائے اور دوسری روایات میں اس سورتِ پاک کو مدنی کہا گیا ہے۔ اس صورت میں اہل مدینہ سے خطاب ہے۔ شان نزول کے اعتبار سے تطفیف اور کم ناپنے اور کم تولنے کی خصوصی مذمّت اہل مدینہ سے خطاب ہے، نسق اور بیان قرآن کے اعتبار سے اگرچہ سورۃ التطفیف کا مورد اور شانِ نزول مخاطبین کے خصوصی حالات کی اصلاح کے لئے خاص خطاب ہے لیکن تطفیف کا وسیع تر مفہوم اور کم ناپنے، کم تولنے کے مفاسد اور معاشرتی نقصانات کی اصلاح قرآن کی وسعت کے اعتبار سے سورۃ التطفیف کا خطاب اور پیغام اصلاح عام ہے، ہر وہ غیر صالح معاشرہ جس میں تطفیف اور کم ناپ تول کا مہلک مرض پایا جاتا ہو عصر حاضر میں وہ تمام معاشرتی طبقات جو کم ناپ تول یا حقوق میں کوتاہی کرتے ہیں وہ ویلٌ للمطففین الخ کے خطاب قرآنی میں شامل ہیں۔

اقسام التطفیف

مخاطب اول کی رعایت سے سورۃ التطفیف میں صرف کیل اور وزن ناپنے اور تولنے کی چیزوں کا خصوصی تذکرہ کیا گیا ہے لیکن تطفیف کی حقیقت اور ماہیت قرآنی یہ ہے کہ کسی بھی حق دار کے حق میں کمی کرنا یا کسی صاحب حق کے ادائے حق میں کوتاہی

کرنا تطفیف کہلاتا ہے۔ اور اس حقیقت کے نتیجہ میں تطفیف کی مختلف صورتیں مستنبط اور ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱) ناپنے میں کمی کرنا۔

(۲) تول میں کمی کرنا۔

(۳) پیمائش میں کمی کرنا۔

(۴) ملازمت اور نوکری کی صورت میں ملازم یا مزدور کا اپنے کام میں کوتاہی کرنا۔ یا مالک اور کارخانے دار کا مزدور کی معین جائز اجرت میں بے سبب کمی کرنا۔

(۵) دفتری زندگی میں ملازمین کا متعلقہ کام میں کوتاہی یا ناقص کام کرنا۔ یا کام صحیح نہ کرنا یا اوقاتِ کام کی پابندی نہ کرنا وغیرہ۔

(۶) تعلیمی زندگی میں مُعلِّم کا اپنے تعلیمی معیار کی مقدار یا درس کی کیفیت کو صحیح معیار سے پورا نہ کرنا۔

(۷) متعلمین مدرسہ کا اپنے ادارہ سے وظائف اور سہولیات کے باوجود تعلیم کی ذمہ داریاں پوری نہ کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے امور ہیں کہ جن پر حکماً تطفیف کا دائرہ وسیع ہو کر ایسے تمام امور تطفیف اور کوتاہی حقوق کے زمرے میں شامل ہو جاتے ہیں اور چونکہ احادیث نبویہ (ﷺ) میں تطفیف کی سزا اور جزا کی تفصیلی وضاحت موجود ہے اس لئے ہر وہ شخص جس پر کوئی حق واجب ہے اپنے ادائے حقوق میں کوتاہی اور نقصان دینے سے پرہیز کا عزم وحوصلہ کرے۔ ان شاء اللہ باری تعالیٰ موفّق اور توفیق خیر دینے والے ہیں۔

تطفیف کے وسیع تر مفہوم میں غور کرنے سے ادائے حقوق کی اصلاح، عبادات

ومعاملات کی درستگی اور معاشرتی حقوق کی صحیح ادائیگی ممکن ہے۔ اور نتیجۃً فرد وجماعت کے لئے فلاح دارین حاصل ہونے کی متیقن ضمانت مل جاتی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العالمین

تحریر:۔شاہد حسن قاسمی (نومبر ۱۹۶۰ء)

سیّد منزل دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس از خطاب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بموقع افتتاح بخاری شریف (شوال ۱۳۹۵ھ)
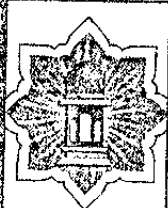
حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال سے صرف ایک سال قبل شوال ۱۳۹۵ھ میں دار العلوم کراچی کے تعلیمی سال کے آغاز پر جو خطاب فرمایا تھا، اس سے یہ اقتباس بشکریہ ماہنامہ البلاغ (ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ) ہدیۂ ناظرین ہے۔ مرتب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موت کے جھٹکے سے بچا کر آپ کے پاس پہنچا دیا ہے، میں نے اپنی آخری عمر کے پچیس سال دار العلوم کے لئے خرچ کئے ہیں آج پچیسویں بار افتتاح بخاری کرا رہا ہوں۔

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ:

غالباً ابو زہرہ عراقی کا واقعہ ہے کہ جب موت کا وقت آیا تو اپنے طلبہ کو جمع کیا کہ آؤ بھائی حدیث کا سبق پڑھ لو، طلبہ جمع ہوئے تو یہ حدیث پڑھائی "من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ" جب لا الہ الا اللہ کہا تو روح قبض ہوگئی حدیث کا آخری حصہ

"دخل الجنۃ" نہ کہہ سکے، یہ جملہ ملائکہ ہی نے کہا ہوگا۔ تو مجھے بھی یہ توقع تھی کہ اگر یہی وقت میری زندگی کا آخری وقت ہے تو موت حدیث ہی کے درس کے دوران آئے۔

دوسرا فائدہ آپ سب حضرات کا یہ ہے اب تو حدیث کا ذوق ہی ختم ہو رہا ہے۔ ایک بزرگ کا مقولہ تھا کہ میری تمنا یہ ہے کہ بیت خال وسند عال

میں علم اور عمل اور ہر اعتبار ہی سے چھوٹا ہوں مگر ایک فرق یہ ہے کہ میں نے اسی (۸۰) سال طلبہ اساتذہ اور بزرگوں میں گزارے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حدیث کی سند بھی بہت عالی عطا فرمائی ہے۔

آپ حدیث پڑھیں گے تو شروع میں یہ لفظ بھی آپ کو پڑھایا جائے گا کہ بہ قال حدثنا، بہ کی ضمیر اس سند کی طرف راجع ہے جو استاذ سے مصنف تک ہوتی ہے۔

میں نے صحیح بخاری کو حضرت حجۃ الاسلام سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا ہے جو اپنے زمانہ کے ابن حجر تھے، انہوں نے حضرت شیخ الہند سے انہوں نے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی سے پڑھا انہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی سے پڑھا ہے۔ اس طرح میرے اور حضرت شاہ عبدالغنی تک صرف تین واسطے ہیں۔

علاوہ ازیں اجازتوں کے اعتبار سے بھی میری سند بہت عالی ہے، مجھے صحاح ستہ کی اجازت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے ان کو حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے۔

مجلس دعوت واصلاح کا قیام

علماء کے اجتماع میں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی افتتاحی تقریر

ایک موقع پر ملک کے علماء نے ایک غیر سیاسی جماعت ''مجلس دعوت و اصلاح'' کے نام سے قائم فرمائی تھی، اس کے افتتاحی اجلاس میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے جو خطاب (۱) فرمایا، وہ ذیل میں پیش خدمت ہے۔ مرتب

اہل علم اور اہل دین کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اس وقت مسلمان غیر معمولی عددی اکثریت اور بہت سی آزاد خود مختار سلطنتوں کے مالک ہونے کے باوجود کن دل دوز حالات سے گذر رہے ہیں، دینی، علمی، اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی، جس حیثیت سے بھی پوری مسلم قوم کا جائزہ لیا جائے تو ایک ایسا بھیانک منظر سامنے آجاتا ہے کہ اس کے عواقب کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔

(۱) یہ خطاب ماہنامہ بینات جمادی الاولی ۱۳۸۵ھ کے شمارے سے لیا گیا، تاہم چونکہ عنوانات ''بینات'' میں درج نہیں تھے، اس لیے مجلس دعوت و اصلاح پر علیحدہ سے شائع ہونے والی کتاب سے یہ عنوانات لیے گئے ہیں۔ مرتب

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم:۴۱)
(ظاہر ہوگیا فساد خشکی اور تری میں لوگوں کے اپنے اعمال کی وجہ سے۔)

پنبہ کجا کجا نہم
تن ہمہ داغ دار شد

ہمارے اپنے ملک میں ہماری آنکھوں کے سامنے عیسائی مشنریوں نے پورے ملک پر یلغار کی ہوئی ہے، طرح طرح کے لالچوں اور مختلف حیلوں سے بڑی تیزی کے ساتھ لوگوں کو دینِ حق سے مُرتد بنارہے ہیں۔

دوسری طرف مسلمانوں کی صفوں میں کچھ ایسے عناصر پیدا ہوگئے ہیں جو اصلی اسلام کو مسخ ومحرف کر کے اپنی اغراض واہواء کے مطابق ''اسلام کا جدید اڈیشن'' تیار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ''اسلامی ریسرچ'' اور ''اسلامی ثقافت'' کے نام پر وہ سب کچھ کیا جارہا ہے جو ''مستشرقین'' کے اسلام دشمن حلقے اب تک نہ کرسکے تھے، ''شعائر اسلام'' کو مجروح اور اسلام کے ''اجماعی'' اور ''متفق علیہ'' اصول واحکام کو مشکوک بنانے کی ''سعی پیہم'' قوم کے لاکھوں روپے کے صرفہ سے جاری ہے۔

اس صورت حال کے نتیجہ میں بے حیائی وعریانی، رقص وسرور، بے حجابی، اغوا، بدکاری، شراب نوشی، قمار بازی، معاشرتی افراتفری اور خاندانی نظم کی ابتری کا ایک سیلاب ہے جو مسلمانوں میں امڈا چلا آرہا ہے، سود، دھوکہ فریب، جعل سازی اور دوسرے اخلاقی معائب معاشرے کی ایمانی اور اخلاقی حس کو مضمحل سے مضمحل تر کئے جارہے ہیں اور عام ''نظم ونسق'' کا تعطل اس حد تک شدید ہوچکا ہے کہ ایک عام آدمی کے لئے حصول انصاف تقریباً ناممکن ہوچکا ہے۔

یہ سیلاب مغربی تہذیب کے گہواروں سے شروع ہوا اور اب دیندار مسلمانوں

تک کے گھروں میں گھس چکا ہے، اور اکابر علماء واتقیاء کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے، اور یہ بات یقینی دکھائی دے رہی ہے کہ اگر اس سیلابِ بلا کو روکنے کی جدوجہد میں اہل حق نے اپنے تمام وسائل داؤ پر نہ لگادیئے تو چند سالوں کے بعد ہلاکت آفرین طوفان کے مقابلہ کی سکت ہی باقی نہ رہے گی۔

دینی درس گاہیں اور حب جاہ ومال کے فتنے

دینی درس گاہوں اور اداروں کی اول تو کوئی معتد بہ تعداد ہی نہیں اور جو ہیں وہ بھی کسمپرسی کے عالم میں ہیں اور جو کچھ کام کررہے ہیں، ان کا بھی حلقۂ اعانت وہمدردی روز بروز سمٹ رہا ہے۔ اسی لئے ان اداروں کے اثرات مدہم سے مدہم تر ہوتے جارہے ہیں اوران اداروں سے اب ایسی شخصیتیں نہیں ابھر رہیں جو الحاد وزندقہ اور ضلالت جدیدہ کے علی الرغم ''علمِ اسلام'' کو ہمت وجرأت سے بلند کرسکیں اور دعوت الی اللہ کے تقاضے کو پورا کرسکیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دینی درس گاہوں اور اداروں میں بھی فکر آخرت سے زیادہ جاہ ومال کی طلب غالب ہونے لگی ہے اور روحانی قدروں پر مادیت غالب آتی جارہی ہے۔

ان حالات میں نگاہیں بار بار ان چند اصحاب فکروعمل کی جانب اٹھتی ہیں جو ماحول کی نامساعدت کے علی الرغم عند اللہ مسئولیت کا احساس رکھتے ہیں، جن کی نظریں ان فتنوں پر بھی ہیں جن کی نشاندہی ابھی کی گئی ہے اور جو اپنی اپنی حد تک ادائیگی فرض میں کوشاں بھی ہیں۔

ان حضرات کی اکثریت دینی اداروں سے متعلق ہے کچھ دینی تعلیمی اداروں کو چلارہے ہیں اور کچھ تصنیف وتالیف، افتاء اور اپنے افکار کی نشرواشاعت، نیز لادینی،

الحاد اور تجدد کی تردید میں مصروف ہیں، بلا شبہ ان حضرات کی تعداد بہت کم ہے، لیکن اگر ان کی مساعی حسنہ کو منظم کرلیا جائے تو یہ امید بندھتی ہے کہ اس الحاد و بے دینی اور اشاعت فواحش و منکرات کے سیلاب کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور اللہ تعالی کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ ہمارے ضعف و ناتوانی کو دیکھ کر وہ ان حقیر مساعی میں حالات کا رخ بدلنے کی قوت واستعداد پیدا فرمادیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

فروعی وجزئی اختلافات
خدمت دین سے مانع ہوجاتے ہیں

یہاں یہ عرض کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ہم دین کی خدمت کرنے والے چند ایسی الجھنوں میں بھی پھنسے ہوئے ہیں جو ہماری دینی مساعی کو ثمر آور ہونے میں مانع ہیں بلکہ بے دینی کے اس سیلاب کو ہمارے ان ''مشاغل'' سے مدد بہم پہنچ رہی ہے۔

موانعات کے اس سلسلہ کی ''پہلی'' کڑی یہ ہے کہ دین کے نام پر کام کرنے والے بہت سے اہل علم خود فروعی مسائل پر مناظروں مباحثوں اور ان کے نتیجہ میں جنگ وجدال کے اندر ایسے گرفتار ہیں کہ اولاً تو یہ جھگڑے انہیں یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں دیتے کہ اسلام اور قرآن ان کو کس محاذ پر اپنی طاقت صرف کرنے کے لئے پکار رہا ہے اور وہ کہاں اپنی توانائی ضائع کر رہے ہیں۔ ثانیاً الحاد و بے دینی اور تجدد پسندی اور بداعمالی وبداخلاقی کا جو طوفان پورے عالم اسلام کو اپنے لپیٹ میں لئے ہوئے ہے، یہ تگ ودو جو باہمی مناقشات کی صورت میں کر رہے ہیں اس طوفان سے صرف نظر کا سبب بن رہی ہے اور ہم اس کی ہلاکت وبربادی کے صحیح شعور سے ہی محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ صورتحال اس امر کی متقاضی ہے کہ دین کا علم اور عنداللہ مسئولیت کے قوی احساس کے تحت اس عالمگیر فساد کی اصلاح کا قوی داعیہ رکھنے والے حضرات کی دینی مساعی کو ایک ایسے اجتماعی نظم کے تحت منظم کیا جائے جو مروّجہ قسم کی جماعت سازی کے بجائے اسلام کے اصول اجتماعیت تعاون علی البر والتقوی اور إن

أکرمکم عند اللہ أتقاکم کے تحت قائم ہو۔ رسمی تکلفات اور پابندیوں سے مبرّا ہو اور اُمت میں کسی قسم کے تحزّب اور تشتت کا باعث بننے کے بجائے باہمی ایتلاف و اتحاد کا ذریعہ ہو۔

مگر افسوس ہے کہ میں اپنی عمر کے اس حصّہ سے گذر رہا ہوں کہ جس میں عادتاً سابقہ مشاغل بھی چھوڑ کر یکسوئی کی زندگی موزوں ہوتی ہے۔ قویٰ کا انحطاط ہے، حافظہ غائب ہوتا جارہا ہے، ایسی حالت میں کسی نئے کام کے آغاز کی کوئی صورت نہ تھی، مگر اس وقت میرے محب محترم مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (بارک اللہ فی علمہ وعافیتہ) نے ہمت بندھائی اور اس کام کا بار اٹھانے کے لئے مخلصانہ جدوجہد پر کمر بستہ ہوگئے۔ ان کا علم وفضل محتاج تعارف نہیں، اصلاح مفاسد کے لئے ان کی بے چینی کا جذبہ مجھ جیسے بوڑھے کے لئے ایک ''طاقت کا انجکشن'' بن گیا اور ہم دونوں نے مل کر کچھ اور اہل فکر حضرات کو جمع کرنے کا پروگرام بنایا۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ دعوت تمام رسمی تکلفات تنظیمی اور جماعتی بندھنوں سے بالاتر ہے۔ اسی لئے وقتی طور پر جن حضرات اہل فکر وعمل کے اسماء گرامی زیر مشورہ آئے ان کو دعوت دی گئی نہ اس میں حضرات علماء کا انحصار ہے، نہ اہل فکر وبصیرت کا، بلکہ ایک کام کو سادگی کے ساتھ شروع کرنے کے لئے چند حضرات کا مشورہ اس وقت کافی سمجھا گیا۔ آگے اللہ تعالیٰ اس کام کو بڑھائیں اور قبول فرمائیں تو اس حلقہ کی توسیع اور دوسرے حضرات کا اشتراک واجتماع انشاء اللہ بڑھتا رہے گا۔

اس نظام کو چونکہ سیاسی اور رسمی تنظیموں سے مختلف بالکل سادہ رکھنا مطلوب ہے اس لئے ابتداء میں تو خیال تھا کہ اس نظام کا کوئی خاص نام بھی نہ رکھا جائے مگر کام کی سہولت کے پیش نظر بعض حضرات کے مشورہ سے اس رائے کو ترجیح حاصل ہوئی کہ اس نظام کا نام ''مجلس دعوت واصلاح'' رکھ دیا جائے۔

مجلس دعوت واصلاح کے مقاصد

حضرت مفتی محمد شفیع مجلس کے سربراہ ہوں گے
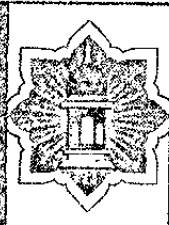
مقاصد

۱۔ الحاد وارتداد، بے دینی اور تحریف دین اور مجمع علیہ منکرات کے سد باب کے لئے زبانی اور تحریری جدوجہد۔

۲۔ مسلمانوں کے مختلف طبقات کے گروہی اختلافات کو معتدل کر کے سب کو مجمع علیہ فواحش ومحرمات اور تحریف والحاد کی مدافعت پر جمع کرنا۔

۳۔ جدید پیش آنے والے مسائل میں انفرادی فتوؤں کے بجائے باہم مشورہ سے اور تحقیقی اور اجتماعی فیصلے پیش کرنا۔

تشریح

۱۔ الحاد وارتداد کے ذیل میں عیسائی مشنریوں کی یلغار، انکار حدیث، انکار ختم نبوت وغیرہ کے فتنے بھی شامل ہیں۔

۲۔ بے دینی اور تحریف دین کے ذیل میں ''اسلامی ثقافت''، ''اسلامی ریسرچ'' کے نام پر پیدا کئے ہوئے شکوک وشبہات جن کے ذریعہ سود، شراب، قمار، بے حیائی وغیرہ محرمات شرعیہ کے جواز کے راستے نکالے جارہے ہیں اور مغربی

تہذیب وتمدن کی پیداوار منکرات مثلاً بے حجابی، بادہ نوشی، مردوزن کا بے محابہ اختلاط، عریانی، فحاشی، رقص وسرور کی محفلیں، اسراف وغیرہ منکرات شامل ہیں۔

دین اور علم دین سے عام بیگانگی اور عقیدہ آخرت وفکر آخرت سے غفلت کے پیدا کردہ جرائم مثلاً جھوٹ، فریب، رشوت، دھوکا دہی، جعلسازی اور ترک نماز و روزہ وغیرہ شامل ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ مقاصد اتنے کثیر اور وسیع ہیں کہ کوئی ایک جماعت یا ملک کا کوئی ایک حصہ ان سب کا بیک وقت احاطہ نہیں کرسکتا، اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان کے ہر ہر حصہ میں اہل حق کی جماعتوں کے لئے اشتراک عمل کا دروازہ کھلا رکھا جائے اور الاھم فالاھم کے قاعدہ سے انتخاب اور پھر تقسیم کار کے اصول پر کام کیا جائے اور عملی قدم اٹھایا جائے اور جماعت کے چند ذمہ دار افراد اس کی تعیین کا کام کریں۔

نوعیت نظام

۱۔ یہ نظام خالصاً تبلیغی اور اصلاحی ہوگا۔ مروّجہ سیاسی طریقوں سے بالخصوص انتخابات کے ذریعہ نمائندگی، نیز حصول اقتدار کی کشمکش میں حصہ لینے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

۲۔ ملک کے حالات اور عوامی جماعتوں کے طویل تجربہ کی بناء پر اس نظام کے لئے کوئی رسمی قسم کی جمہوری جماعت بنانا پیش نظر نہیں جس کے لئے ممبر سازی اور عہدوں، منصبوں کی ضرورت پیش آئے بلکہ ملک کے اطراف میں جہاں جہاں جو مخلص حضرات اس کام کی فکر رکھتے ہیں وہ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اپنے کام میں آزاد وخود مختار رہتے ہوئے اس کام کی نوعیت اور طریق کار میں ایک معاہدہ کے پابند ہوں گے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے، اس طرح یہ نظام

ایک ''معاہداتی وفاق'' کی حیثیت رکھے گا اور عند اللہ مسئولیت کی اساس پر قائم اور جاری رہے گا۔

اس نظام کی رکنیت کی شرائط

اس نظام کے شرکاء مندرجہ ذیل امور کا معاہدہ کریں گے۔

(الف) ہم خالصاً لوجہ اللہ مقاصد ثلاثہ مذکورہ کو اپنے سب کاموں سے زیادہ اہمیت دیں گے اور موجودہ مشاغل میں سے اس کام کے لئے معتد بہ وقت نکالیں گے۔

(ب) الحاد، بے دینی اور مجمع علیہ منکرات ومحرمات کے ازالہ کی جدوجہد اور اپنے اپنے اقرباء واحباء نیز معاشرہ کے ہر طبقہ بشمول حکمران وفرمانروایانِ ملک سب کی اصلاح ہمارا مقصد اوّل ہوگا۔

(ج) فروعی اور گروہی مسائل کی بحثوں کو معتدل کرنے اور کرانے کی جدوجہد کریں گے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان بحثوں کو صرف حلقہ درس وفتوی اور خالص علمی مجالس تک محدود رکھا جائے گا۔ اس کے لئے عام اخباری اور عوامی ذرائع استعمال نہ کئے جائیں گے۔ مجتہد فیہ مسائل میں اپنے اپنے مختار مسلک پر عمل کریں گے مگر مخالف پر نکیر نہ کریں گے اور منکرات شرعیہ پر نکیر میں بھی حکمت وموعظت اور مجادلة بالتی هی أحسن کے اصول کو نظر انداز نہ کریں گے۔ طنز اور طعن وتشنیع سے ہمیشہ گریز کریں گے۔

۳۔ اس نظام کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے ایک مختصر سی اساسی مجلس شوری ایسے علماء پر مشتمل ہوگی، جن کے علمی کارنامے معروف ہوں اور ان کے تقوی ودیانت پر عام طور سے اعتماد پایا جاتا ہو۔ یہ جماعت اپنا ایک امیر منتخب کرے گی اور

اپنے اصول کار خود طے کرے گی، ملک میں کام کرنے والے حلقے اس جماعت سے منسلک ہوں گے، اہم امور میں اس مرکزی نظم قائم کرنے والی جماعت سے مشورہ کرلیا کریں گے۔

۴۔ یہ مجلس ان کام کرنے والے حلقوں کی ضروری نگرانی اور دوسرے جدید حلقے پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہے گی۔

۵۔ یہ جماعت اپنے تمام حلقہ ہائے کار کے ذمہ داروں کا زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کے بعد ملک کے مختلف شہروں میں اجتماع کرنے کا انتظام کرے گی جن میں سابقہ کارکردگی کا جائزہ اور آئندہ کے کام کا پروگرام باہمی مشورہ سے طے کیا جائے گا۔

۶۔ دعوت واصلاح کے اس نظام میں ملک کے دونوں بازو مغربی اور مشرقی شریک ہوں گے۔ سہولت کار کی غرض سے مشرقی پاکستان میں اسی طرح کی ایک مجلس شوریٰ بنائی جائے گی اور دونوں مجلسوں کے باہمی مشورہ اور اشتراک وارتباط کا طریقہ مشورہ سے طے کرلیا جائے گا۔

۷۔ یہ جماعت اس کا بھی انتظام کرے گی کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں انفرادی فتاویٰ کے بجائے ملک کے اربابِ فتویٰ کی رائیں حاصل کرے اور ضرورت ہو تو ان حضرات میں سے جن کی ضرورت محسوس ہو ان کو جمع کر کے کسی ایک نتیجہ پر پہنچے اور پھر علماء کی تصدیقات حاصل کر کے ان کو شائع کرے تاکہ عوام بھی انتشار میں مبتلا نہ ہوں اور علماء کو بھی زیر بحث مسئلے کے تمام پہلو سامنے آجانے کے بعد صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملے، اس کام کے لئے اگر کسی مسئلہ کی تحقیق میں کسی خاص فن کی تحقیق ضروری ہو تو اس فن کے ماہرین کو بھی علماء کی مجلس میں جمع کر کے ان کی تحقیق سے فائدہ اٹھایا جائے۔ نیز مشکلات کے حل میں بحیثیت مجموعی کتاب وسنت اور پوری فقہ اسلامی کو بطور اساس سامنے رکھا جائے گا جیسا کہ ہر اسلامی دور میں ہوتا رہا ہے۔

اسی طرح کوئی طبی مسئلہ ہوگا تو ماہرین فن اطباء اور ڈاکٹروں سے اور سائنسی مسئلہ ہوتو ماہرین سائنس سے، علی ہذا دوسرے فنون کے ماہرین سے اس کے حل کرنے میں مدد لی جائے گی۔

۸۔ سردست یہ ''اساسی شوریٰ'' مجلس دعوت واصلاح مغربی پاکستان کے مندرجہ ذیل افراد سے تشکیل کی جاتی ہے:

۱۔ مفتی محمد شفیع ۲۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری ۳۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی ۴۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک ۵۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ ۶۔ حضرت مولانا امین احسن صاحب اصلاحی ۷۔ حضرت مولانا خان محمد صاحب کندیاں شریف۔

طریق کار

۱۔ ملک کے جن حصوں میں اصلاح مفاسد کا کچھ کام ہورہا ہے، اس کو فروعی اور گروہی مسائل میں صرف کرنے کے بجائے مجمع علیہ منکرات اور الحاد وتحریف دین کے فتنوں کی طرف متوجہ کرنا اور ''پیغمبرانہ طریق دعوت'' کے اصول کو اپنانے کی دعوت دینا۔

۲۔ ملک کے عام علماء سے روابط پیدا کرنا اور ان کو مذکورہ بالا طریق پر کام کرنے کے لئے آمادہ کرنا۔

۳۔ خطبات جمعہ اور عام مجلس میں عوام کو ان فتنوں سے متنبہ کرنا اور ان میں فکر آخرت اور ان کا دینی شعور بیدار کرنا، خصوصاً نماز باجماعت کی پابندی اور ضروری علم دین سیکھنے اور اپنے گھر والوں کو سکھانے کی دعوت دینا، اخلاق، معاملات، اداء حقوق اور اسلام کی سادہ معاشرت اختیار کرنے کی جانب متوجہ کرنا، مسلمانوں کو مغرب کی

مہنگی اور گندی معاشرت سے نجات دلانے کی جد و جہد کرنا۔

۴۔ دینی مدارس اور اداروں سے ارتباط پیدا کر کے ان کو مندرجہ ذیل امور کے لئے آمادہ کرنا۔

(الف) ضروریات دین اور ناظرہ قرآن کی تعلیم کے مکاتب حسبِ استطاعت ہر محلہ میں قائم کرنا۔

(ب) بڑی بڑی مساجد میں عوامی درس قرآن اور درس حدیث جاری کرنا۔

(ج) مغربی تعلیم یافتہ حضرات کو دینی معلومات بہم پہنچانے اور تحریف دین کے وساوس سے آگاہ کرنے کے لئے شبینہ کلاسیں جاری کرنا اور خصوصی مجالس میں ان موضوعات پر مذاکرے اور مباحثے منعقد کرنا۔

(د) ناخواندہ عوام کو ضروریات دین سے واقف کرنے کے لئے عوامی شبینہ کلاسوں کا انتظام کرنا، جن میں ایسا نصاب پڑھایا جائے جو محدود وقت میں دین کی بنیادی معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہو۔

(ہ) خطباء کی خصوصی تربیت کا انتظام کرنا تاکہ وہ بھی دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین کا کام مؤثر اور نتیجہ خیز طریق پر انجام دے سکیں۔

۵۔ تعلیم یافتہ اور مغربی تعلیم کے اداروں، حکمراں طبقوں، تجارتی حلقوں، اخبارات و جرائد اور معاشرہ کے دوسرے عناصر کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کی جانب متوجہ کرنے کے لئے تحریر و تقریر کا خصوصی مجلسوں ملاقاتوں وغیرہ کا اہتمام و انصرام کرنا۔

پاکستان
ماضی اور حال
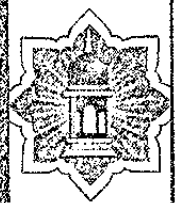
البلاغ (محرم الحرام ۱۳۹۰ھ) میں حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تقریر درج ذیل ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع ہوا تھا، اور اب ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔ مرتب

''یہ تقریر حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے ۱۷/جنوری ۱۹۷۰ء کو تنگائیل (مشرقی پاکستان) میں کی تھی مولانا محمد ذکی صاحب نے اس کو ضبط کیا''۔

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

آج سے بائیس سال قبل محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مسلمانوں کی متفقہ مساعی سے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان عالم وجود میں آئی۔ اس وقت ملک میں بہت بڑی تعداد ان نوجوانوں کی ہے جو پاکستان بننے کے بعد پیدا ہوئے یا پاکستان بنتے وقت بہت کم سن بچے تھے۔ ان کو صرف اپنے بڑوں کے کہنے سننے سے پاکستان بننے کی تاریخ معلوم ہوئی ہوگی۔

میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت سے کام کر رہا ہوں جس وقت پاکستان کا

تصور پیدا ہو رہا تھا اور اس کے تصور و تخیل سے لے کر تشکیل و تعمیر کے تمام مراحل نہ صرف یہ کہ میری نظروں کے سامنے رہے ہیں بلکہ ان تمام مراحل میں ممکنہ حد تک شامل رہ کر خدمت کرتا رہا ہوں۔

ہم لوگ دیوبند۔ یوپی۔ انڈیا کے رہنے والے تھے جہاں مسلمانوں کی اکثریت نہیں تھی، ہمیں پوری طرح یہ بات معلوم تھی کہ جس پاکستان کو بنانے کے لئے ہم لوگ کام کر رہے ہیں پاکستان بن جانے کے بعد ہمیں اس میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ہمارا صوبہ اسی طرح ہندوستان کا ایک حصہ بنا رہے گا۔ ہمیں ہندو کی تنگ نظری کا بھی پورا اندازہ تھا اور ہم جانتے تھے کہ اگر پاکستان بن گیا تو اقلیت والے صوبوں کے مسلمانوں پر ہندو اپنی کم ظرفی سے عرصۂ حیات تنگ کر دے گا۔

لیکن بزرگوں کے فیضِ محبت اور تربیت نے جو دینی حمیت اور دین کی خدمت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا اس نے اس میدان میں لا کھڑا کیا کیونکہ ہم جانتے تھے کہ جب تک کوئی خطۂ زمین مسلمانوں کو علیحدہ نہیں مل جاتا اس وقت تک اسلامی نظام حیات کو عملی طور پر پھولتا پھلتا نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور اللہ ورسول کا بتایا ہوا نظام ملک میں جاری نہیں کیا جا سکتا۔

یہی جذبہ تھا جو ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو بے قرار کئے ہوئے تھا۔ الحمد للہ مجھے ان سے استفادہ کا شرف حاصل ہے۔ حضرت مجھ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ آپ کا تصور یہ تھا کہ انگریز نے ہندوستان کی حکومت ہم سے چھین کر ہم پر زبردستی اپنا نظریۂ حیات مسلط کیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ازسرنو انگریزوں سے قتال و جہاد کریں اور اس وقت تک جدوجہد کرتے رہیں جب تک انگریزوں کے منحوس قدموں سے اس خطہ کو پاک نہ کر دیا جائے۔ انگریز کو اگر ہم بھگانے میں کامیاب ہو گئے تو ہندوستان کو دوبارہ اسلامی ریاست بنانا ممکن

ہوجائے گا۔ شیخ الہند اس تصور کو لے کر اٹھے اور اسلامی انقلابی تحریک کو زندہ کر دیا۔ ترکی اور حکومت افغانستان سے اس سلسلہ میں رابطہ قائم کیا۔ ان سے باقاعدہ معاہدے کئے۔ صوبہ سرحد کے آزاد قبائل میں جذبۂ جہاد سے سرشار مجاہدین کی فوج تیار کی۔ جن کی باقاعدہ تنخواہیں دیوبند سے بھیجی جاتی تھیں۔ اور ساتھ ہی چونکہ ہندوستان میں ہندو تعداد کے لحاظ سے بھاری اکثریت میں تھے جس وجہ سے خطرہ تھا کہ جہاد کے وقت ممکن ہے ہندو انگریزوں سے مل کر نقصان پہنچانے کی کوشش کریں اس لئے ہندوؤں سے اس بنیاد پر معاہدہ کیا کہ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اور تم سے جنگ نہیں کریں گے بشرطیکہ انگریز کو نکالنے میں تم ہمارا ساتھ دو۔ اسی نظریہ پر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے عمل فرمایا اور ہم نے اپنی آنکھوں سے اسی پر عمل کرتے دیکھا۔ آج شیخ الہند کے اس خالص اسلامی نظریہ کو جاننے اور سمجھنے والے اور اس غیرت وحمیتِ اسلامی سے واقف بھی خال خال نظر آتے ہیں۔

اس وقت ہندو مسلم حکومت وطنیت کی بنیاد پر قائم کرنے کا دور دور تک کوئی تصور نہیں تھا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اسی جدوجہد آزادی کی وجہ [سے] جزائر مالٹہ میں قید فرنگ کی صعوبتیں برداشت کیں۔ کیونکہ بدقسمتی سے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک آزادی کا راز انگریزوں پر کھل گیا اور جہاد شروع ہونے سے پہلے حضرت شیخ کو گرفتار کر کے مالٹہ میں نظر بند کر دیا گیا۔

مالٹہ جیل میں جو انگریز شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا بیان لینے کے لئے آیا اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ "میں اس کمزور وناتواں انسان کو دیکھ کر حیران ہوں جو چند ہڈیوں کا مجموعہ ہے جس کا وطن بھی ایک معمولی سا قصبہ دیوبند ہے جہاں رہ کر دنیا کی سیاست کو سمجھنا بھی مشکل ہے۔ معلوم نہیں سیاست کی روشنی اس کے قلب ودماغ نے کہاں سے حاصل کی ہے جس نے حکومت واپس لینے کا ایسا کامیاب نقشۂ جنگ بنایا

کہ اگر ہمیں کچھ عرصہ اور اس کے ارادوں کی خبر نہ ہوتی تو ہندوستان ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا''۔

ہندوستان کی آزادی اس وقت مقدر نہیں تھی اس لئے یہ تحریک اپنی منزل تک نہ پہنچ سکی۔ اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری عمل میں آ گئی۔ اور وقتی طور پر یہ تحریک دب گئی۔

۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے لاہور میں پاکستان بنانے کا ریزولیشن پاس کیا اس سے بہت پہلے سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کی یہ سوچی سمجھی رائے تھی اور یہ جذبہ ہمہ وقت بے چین کئے رہتا تھا کہ مسلمان قوم ہندو سے قطع نظر کر کے خود متحد ہو اور اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد کرے۔ اس کے بعد مسلم لیگ نے مسلم قومیت کی بنیاد پر متحد کرنے کا پروگرام پیش کیا اور ۱۹۴۰ء میں اللہ تعالیٰ نے مسلم لیگ سے یہ ریزولیشن پاس کرا دیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دیرینہ خواب کی تعبیر اس شکل میں پوری ہوتی نظر آئی تو آپ نے اپنے خلفاء، مریدین اور عام مسلمانوں کو اپنی تحریر و تقریر کے ساتھ مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس اپیل پر ہندوستانی مسلمانوں کا ہر طبقہ مسلم لیگ کے ساتھ مل کر اٹھ کھڑا ہوا اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہو گیا۔

متحدہ ہندوستان کے بہت سے صوبوں میں مسلمان بے حد اقلیت میں تھے اور سب جانتے تھے کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقوں کو پاکستان بنایا گیا تو ہم پر ہندو ظلم وستم کے پہاڑ توڑیں گے لیکن اقلیتی صوبوں کے رہنے والے تمام مسلمان پاکستان بنوانے کی جدوجہد کا علم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے بھی مدراس سے لے کر کراچی اور پشاور تک پورے ہندوستان کی اس عرصہ میں خاک چھانی۔ جگہ جگہ جلسے

کئے اور پاکستان کے لئے رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے شب روز ایک کردیئے۔ اکثر مقامات پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں سفر کئے اور بعض مقامات پر مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم وایماء کی بناء پر۔ تصور صرف یہ تھا کہ اگر پاکستان بن گیا تو مسلمانوں کو ایک خطۂ زمین ایسا مل جائے گا جہاں اللہ کے دین کو سربلند کیا جا سکے گا۔ پاکستان میں اسلامی دستور کا نفاذ ہوگا۔ پاکستان کی سرحدیں عام ملکوں کی سرحدوں سے ممتاز ہوں گی۔ جہاں اسلامی شعائر سربلند نظر آئیں گے۔ اور اس کی برکتوں کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا جا سکے گا۔ یہ مملکت دینی اور اخلاقی اعتبار سے بھی مفید ہوگی اور معاشی اعتبار سے بھی مستحکم ہوگی۔ اس مملکت میں داخل ہونے والا ہر انسان محسوس کر سکے گا کہ وہ کسی اسلامی ریاست میں داخل ہوا ہے۔ کیونکہ اسلام کے دستور وقانون کے نفاذ کا خاصہ ہی یہ ہے کہ جہاں یہ آئین نافذ ہوتا ہے وہاں امن وسکون اور خوشحالی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ نہ اتنے بڑے سرمایہ دار پیدا ہوتے ہیں جو ملکی معیشت اور معاشی خوشحالی کے لئے رکاوٹ بن سکیں۔ اور نہ ایسے غریب نظر آتے ہیں جو نانِ شبینہ کے محتاج ہوں اور فاقوں کی بدولت دم توڑ دیں۔

اگرچہ اسلام کی نظر میں معاش کا مسئلہ انسان کے لئے بنیادی مسئلہ نہیں ہے، بنیادی مسئلہ اس کے نزدیک صرف ایسا معاشرہ پیدا کرنا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات کے مطابق قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل کرے۔ لیکن قرآن وسنت کی تعلیم پر عمل کا لازمی نتیجہ خود بخود یہ نکل آتا ہے کہ معاشی زندگی بھی سنور جاتی ہے، اور اجارہ داریاں ختم ہو کر تجارتی ترقی کے مواقع ملک کے ہر باشندے کو مل جاتے ہیں، اور ہر شخص اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا چلتا ہے۔ دنیا اس کا تجربہ کر چکی ہے کہ جب اسلامی دستور نافذ ہوا تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں زکوٰۃ دینے والے حضرات تلاش کرتے پھرتے تھے کہ کوئی مستحق زکوٰۃ

ملے تو اس کو زکوٰۃ دیں لیکن مفلوک الحال فاقہ زدہ مستحق زکوٰۃ افراد کا طبقہ ناپید تھا۔

ہمارے گناہوں کی شامت ہے کہ پاکستان بننے کے بعد یہاں جو افراد برسراقتدار آئے ان کی اکثریت وہ تھی جو نسلی مسلمان ضرور تھے، ان میں سے بعض نماز روزہ وغیرہ شعائر اسلام کے بھی پابند تھے لیکن ان کا ذہن فرنگی تھا۔ دل ودماغ انگریز تھے۔ ان کی غلامانہ ذہنی مرعوبیت نے انگریزی سرمایہ داری کا لعنتی طوق گلے میں ڈالے رکھا اور پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کا خواب پریشان ہوگیا۔ حکمران ٹولی نے فرنگی تہذیب وتمدن کو نہ صرف اپنائے رکھا بلکہ اس مسلمانوں کے ملک میں بھی اسی تہذیب کو لانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ ثقافت کے نام پر بے حیائی، ناچنا گانا، عریانی اور فواحش کی کوئی حد نہ چھوڑی اور قوم کو آبرو باختہ بناڈالا۔ جس قوم میں یہ بداطواری مستقل ہوجائے وہ بلاشبہ اس کی مستحق ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے۔ قوم عاد وثمود پر ان کی بداعمالی کی سزا میں آگ برسی۔ پتھر برسے۔ قوم لوط کے مجرمانہ افعال کی سزا میں ان کی زمین کا تختہ الٹ دیا گیا۔ آج بھی وہ خطہ نشان عبرت بنا ہوا دنیا میں موجود ہے جس جگہ یہ قوم آباد تھی۔ وہاں آج بھی پانی ہے۔ جس کو بحر میت اور بحر لوط بھی کہا جاتا ہے۔ اس پانی میں وہ سمّیت ہے جس کی وجہ سے اس پانی میں مچھلی تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہم لوگوں نے اس جگہ کو دیکھا ہے۔ ہم وہاں ظہر کے وقت پہنچے اور وضو کرکے نماز پڑھنی چاہی تو پانی نہ ملا۔ لوگوں نے کہا اس بحر میت کے پانی سے وضو کرلو۔ لیکن اس کا پانی پانی ہی معلوم نہیں ہوتا۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اس میں صرف چودہ فیصد پانی ہے باقی تمام اجزاء دوسرے ہیں جس کی وجہ سے اس پانی سے وضو تک جائز نہیں۔ آج بھی عذاب الٰہی کا نشان بنا ہوا ہے۔

آپ حضرات غور کیجئے کہ سابقہ امتوں عاد وثمود اور قوم لوط کے جن افعال پر اللہ تعالیٰ کا قہر وعذاب نازل ہوا ان میں کون سا فعلِ بد ایسا ہے جو آج ہمارے یہاں
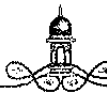
نہ ہو۔ بلکہ عجب نہیں کہ ان سب کے گناہوں اور افعالِ بد سے مجموعی طور پر ہمارے یہاں ان گناہوں میں زیادہ مبتلا ہوں۔ کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کی جاتی ہیں لیکن حق تعالیٰ کا فضل وانعام ہے کہ اس نے ہمارے گناہوں کی سزا میں ہمارے وجود سے اس دنیا کو خالی نہیں ہونے دیا اور کوئی دردناک عذاب نہیں بھیجا۔

یہ آنحضرت ﷺ کی رحمۃ اللعالمینی کا صدقہ ہے کہ ہم اپنی بداعمالیوں کے باوجود اس دنیا میں سانس لے رہے ہیں۔ ہماری بداعمالیوں کا تو یہ تقاضا تھا کہ عاد وثمود اور قوم لوط سے زیادہ سخت عذاب ہم پر نازل ہوتا۔

پاکستان کو اس یورپین تہذیب نے اسلامی اقدار و اخلاق سے محروم کردیا اور دینی تصورات سے ایسا بیگانہ کردیا جس کا کوئی مسلمان اندازہ نہیں کرسکتا تھا۔ اگر اس کے نتیجے میں کم ازکم پیٹ کے مسائل ہی حل ہوجاتے، عوام کو معاشی تہی دستی سے نجات مل جاتی تو بھی کسی درجے میں غنیمت سمجھا جاتا۔ لیکن ان آنکھوں نے دیکھا کہ پیٹ کے مسائل حل تو کیا ہوتے، غریب اور زیادہ غریب اور مفلوک الحال ہوگیا۔ اور دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی۔ ہم لوگ اس وقت سود، سٹہ اور اجارہ داری کے خلاف بولتے تھے تو یہ کالے انگریز کہتے تھے کہ مولوی صاحب کو دنیا کی خبر نہیں۔ سود کے بغیر اس دور میں ترقی ممکن ہی نہیں ہے سود تو تجارت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ سود نہ رہا تو قوم ترقی سے محروم ہوجائے گی۔

الحمدللہ ہم نے اس وقت لوگوں کو معاشی بنیاد پر سود اور سٹہ کی خرابی سے آگاہ کیا اور سمجھایا کہ سود ریڑھ کی ہڈی نہیں۔ ریڑھ کی ہڈی میں ایسا کیڑا ہے جو پوری ہڈی کو چاٹ جاتا ہے۔ جس کے بعد پورے جسم کی خبر نہیں ملتی۔ علماء نے مسلسل اپنے قلم و بیان سے اس کی برائیوں کو واضح کیا لیکن افسوس کہ ان کی بات نہ مانی گئی۔ اور سودی معاملات دل کھول کر کئے گئے۔ سود کو شیر مادر سمجھ کر پیا گیا۔ تجارت آگے بڑھی۔

کارخانے لگے، صنعتوں نے فروغ پایا۔ لیکن ان سب ترقیوں کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ پورے ملک کی دولت چند گھرانوں میں جمع ہو کر رہ گئی اور عوام زندہ درگور ہو کر رہ گئے تو آنکھیں کھلیں۔ لیکن اس وقت جب ہمارا سب کچھ ہمارے ہاتھ سے چھن گیا۔ اور صرف دنیا ہی نہیں دین بھی رخصت ہو رہا ہے پہلے ہمیں یہ غم وفکر تھا کہ یہاں فسق وفجور کی سرگرمی ہو رہی ہے۔ فواحش سے کیسے روکا جائے۔ لیکن آج لادینی نظریات اسلام پر چھاپہ مارنے کی فکر کر رہے ہیں۔ پہلے گناہوں میں ابتلا تھا اب ذہنوں میں کفر گھر کرتا جا رہا ہے۔ پہلے اسلامی روح فنا کی جا رہی تھی لیکن صورت موجود تھی آج صورت باقی رہنے کے بھی لالے پڑے ہوئے ہیں۔ گناہوں کے باوجود یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف فرما دینے والے ہیں لیکن آج ایسے اِزم آگے لائے جا رہے ہیں جن کا قبلہ دوسری طرف ہے۔ کسی کا قبلہ مارکس کی طرف ہے، کسی کا لینن کی طرف اور کوئی ماؤ کو اپنا قبلہ اور پناہ گاہ سمجھ رہا ہے۔ جس کے بعد ایمان کی ہی خیر نظر نہیں آتی۔

میں یہ بات پورے یقین اور جزم کے ساتھ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ہم نے سوشلزم اور کمیونزم کا پوری طرح مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ اور ہم فلسفۂ اشتراکیت وسوشلزم سے واقف و باخبر ہیں۔ اس کی بنیاد اللہ و رسول کا انکار، آخرت سے انکار اور انفرادی ملکیتوں سے انکار ہے۔ اگر انفرادی ملکیتوں سے انکار کر دیا جائے تو زکوٰۃ وخیرات اور میراث وفرائض کے تمام اسلامی مسائل بے بنیاد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ سوشلزم نے قومیانے اور نیشنلائزیشن کا خوبصورت عنوان دے کر لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ قومیانے کا مطلب یہ ہے کہ ملک کی تمام دولت ملک کے عوام پر منصفانہ تقسیم کی جائے گی لیکن یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جس کی نظیر اس وقت دوسری کوئی نظر نہیں آتی۔ اس کی حقیقت یا ہم سے پوچھو یا ان لوگوں سے جو ان ممالک سے

جہاں سوشلزم آیا ہے، اپنی جان اور آبرو بچا کر بھاگے ہیں۔

تمام دولت اور صنعتیں قومیانے کے خوبصورت الفاظ کے ساتھ افسر شاہی کے قبضے میں دے دی جاتی ہیں۔ تمام دولت پر یہ افسران حکومت سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور ملک کے عوام کو بھیک کی طرح جس کو جتنا چاہتے ہیں دیتے ہیں۔

برما میں حال ہی میں سوشلزم آیا ہے۔ وہاں کے ایک تاجر جان بچا کر آپ کے مشرقی پاکستان میں آئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ برما میں یہ کہہ کر انقلاب لایا گیا کہ یہاں برمی سوشلزم رائج کیا جائے گا جس میں برمی سوشلزم کو پوری طرح محفوظ رکھا جائے گا۔ وہاں پر بدھ مذہب کے ماننے والے کافی تعداد میں ہیں۔ بدھ مت کے مذہبی رہنماؤں نے سوشلزم کی مخالفت کی کیونکہ دنیا کا کوئی بھی مذہب ہو اس کی بنیاد خدا کے وجود پر ہے برخلاف سوشلزم کے کہ اس کا خمیر ہی مادیت سے اٹھایا گیا ہے۔ اور انکار خدا کے بغیر وہ چل ہی نہیں سکتا۔ بودھوں نے بھی اسی وجہ سے اس خدا دشمن نظام کی مخالفت کی، نتیجۃً سب سے پہلے وہاں کا مذہبی طبقہ ہی گولی کا نشانہ بنایا گیا۔

تمام صنعتیں اور بینک، کارخانے اور تجارتیں حکومت نے اپنے قبضے میں لے لیں۔ سرکاری افسر جس کو جس کام پر لگا دیں وہ مجبور ہے کہ اس کام میں لگے۔ غریبوں کی غربت کا تو کیا علاج ہوتا ان کے پاس جو تھوڑا بہت سرمایہ تھا وہ بھی چھین لیا گیا۔

ایک مصیبت تو سوشلزم کے نظریات کا فروغ بنی ہوئی تھی اس سے بڑی مصیبت ہم پر نازل ہوئی کہ آج اس پر اسلام کا لیبل لگا کر سادہ دل مسلمانوں کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے کیونکہ باطل سمجھتا ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کے دلوں میں بحمد للہ اب تک ایمان اور اسلام رچا بسا ہوا ہے۔ کھلے کفر کو یہاں کے مسلمان کسی طرح قبول نہیں کر سکتے۔ تو اس نے یہ عیارانہ چال چلی کہ سوشلزم کے نام کے ساتھ اسلام کا لیبل بھی لگا دیا۔ لیکن الحمد للہ مسلمانوں کا بڑا طبقہ اس فریب سے واقف ہو گیا ہے اور اس

نے پاکستان بناتے وقت جس طرح تمام وطنی، لسانی اور جغرافیائی عصبیتوں کو بالائے طاق رکھ کر اسلام کی بنیاد پر ہندو اور انگریز سے جنگ لڑی تھی آج اسلام اور شعائر اسلام کی بقاء کے لئے بھی تمام عصبیتوں کو پس پشت ڈال کر سوشلزم کے خلاف جنگ لڑے گا۔ اور اس کو بھی ایسی ہی شکست فاش دے گا جیسی ہر باطل سے مقابلہ کے وقت ہمیشہ دیتا رہا ہے۔ صرف اس کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی نیتوں کو خالص کر کے صرف اللہ و رسول کی خوشنودی کے لئے کام کریں۔ اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلائے اور تمام مادی اِزموں کی آفات سے محفوظ رکھے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

سورۃ العصر

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ ایک زمانہ میں ہفتہ کے دن مغرب کے بعد مسجد طیبہ پی ای سی ایچ سوسائٹی میں اصلاحی خطاب فرماتے تھے۔ غالباً انہی خطابات میں سے ایک صفر اور ربیع الاول ۱۳۷۹ھ میں سورۃ العصر سے متعلق تین قسطوں میں ہوا جس کا خلاصہ مولانا جمیل احمد صاحب آکیابی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے الفاظ میں قلمبند فرمایا۔ یہ خطاب (عبارت میں قدرے تسہیل کے ساتھ) درج ذیل ہے۔ (مرتب)

تقریر اول ۳۰ صفر ۱۳۷۹ھ بعد نماز مغرب

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③ (العصر: ۱۔۳)

یہاں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں ۱۔ ایک ایمان ۲۔ اور دوسری عمل صالح۔ ان دونوں چیزوں کو معلوم کرنے کے طریقے یہ ہیں: عمل صالح معلوم کرنے کے لئے نہ عقل کافی ہے نہ حواس، بلکہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات ہی سے اعمالِ صالحہ کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات میں سے ایک کتاب اللہ ہے اور دوسری عملی کتاب ہے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی۔ جس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات سے آپ کی حیات طیبہ میں صادر ہونے والے اعمال وافعال واقوال ہیں۔ اور ایمان کا علم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہوسکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے ایک شاگرد کا قول ہے کہ جب تم پوری زندگی کے پورے اوقات کو حصول علم کے لئے وقف کروگے تب کچھ تھوڑا سا علم حاصل ہوگا۔

ایک چڑیا کے سمندر سے پانی پینے کے بعد اسکی چونچ پر جو پانی لگا رہ جاتا ہے، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خدا تعالی کے علم کے سامنے کل کائنات کا علم ایسا ہے جیسے اس چڑیا کی چونچ پر لگا رہ جانے والا پانی۔ اور اس پانی کی جو نسبت سمندر سے ہے وہی نسبت تمہارے علم کو حق تعالی کے علم سے ہے۔ ع

بس یہ جانا کہ کچھ نہ جانا

کسی وکیل کو آپ نہیں دیکھیں گے جو بغیر عمر کھپائے وکالت کی سند حاصل کرے یا کوئی ڈاکٹر ایسا نہیں ملا ہوگا جس نے بغیر عمر کھپائے ڈاکٹری کی سند حاصل کرلی ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ تیس سال دار العلوم دیوبند کی خدمت کی اور ایسے اولیاء کرام کی خدمت کا شرف حاصل ہوا جن کی نظیر آج دنیا میں نہیں ملتی۔ اور ۶۵ سال کی عمر تک درس وتدریس میں گزرا۔ مگر اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ آپ حضرات دھوکہ میں ہیں کہ مجھے ''مولویت'' سے منسوب کرتے ہیں۔

ایک شخص نے کہا تھا کہ مجھے عربی زبان سکھا دیجئے۔ میں نے کہا کہ میں آپ کو عربی سکھانا گناہ سمجھتا ہوں کیونکہ یہ ''خناس'' دل میں آجاتا ہے کہ ''میں بھی عالم ہوں''، حالانکہ عربی زبان سیکھ کر کوئی قرآن کو تو سمجھ سکتا نہیں، جیسے اردو پڑھ کر ڈاکٹری کے اصول نہیں سمجھ سکتا۔ جب تک کہ خاصا وقت صرف نہ کیا جائے۔ اگر کسی کو اللہ کا کلام پڑھنا ہے تو پڑھے، مگر خاصا وقت خرچ کرکے پڑھے۔ اگر اپنے آپ کو مریض سمجھ کر آئے ہو تو آجاؤ اسی پر عمل کرو اور اگر ڈاکٹر بننے آئے ہو تو پھر یہ دو منٹ میں نہیں

ہوسکتا۔ بلکہ اپنے اوقات فارغ کر کے آجاؤ اور سیکھو۔ عوام کو قرآن وحدیث نہیں آتے، اور ایمان و عمل صالح بغیر قرآن وحدیث کے آتے نہیں، اب عوام کے لئے عمل کرنے کا کیا راستہ ہے؟۔ قرآن نے یہ اصول قائم کیا ہے کہ دین حاصل ہوتا ہے اہل دین سے۔ قرآن کی پہلی سورت: "سورۃ فاتحہ" جو "ام القرآن" ہے، اس میں سات آیات ہیں، سات آیتوں میں سے تین آیتوں کو اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے بیان میں ارشاد فرمایا اور دو میں "صراط مستقیم" کا پتہ دیا۔

اب اس آیت کے کیا معنی ہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ صراط مستقیم حاصل ہوگا لوگوں سے۔ صرف کتاب سے نہیں حاصل ہوگا۔ {أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ} (الفاتحۃ:٦) کے جو لوگ مصداق ہیں ان کی اتباع کرو، اور مغضوب علیہم سے بچو۔ اگر ڈاکٹر سے علاج کرانا ہے تو ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ اور ڈاکٹر بننا ہے تو داکٹر کے پاس باقاعدہ اس کا علم سیکھنے جاؤ۔ ایسے ہی اگر علم دین سیکھنا ہے تو علماء دین اور اہل دین کے پاس جاؤ۔ ایک رجال اللہ ہیں۔ ایک کتاب اللہ ہے۔ جو قرآن وحدیث کو براہ راست نہیں جانتے وہ رجال اللہ سے دین حاصل کر سکتے ہیں، یہی طریقہ ہے۔ اور آج کا موضوع یہی ہے کہ عوام جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ناواقف ہیں تو ان کیلئے طریقہ صرف یہی ہے کہ رجال اللہ کی طرف رجوع کریں۔

کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اور اللہ کا وعدہ ہے کہ رجال اللہ دنیا کے ہر خطے میں ملیں گے۔ اور قیامت تک موجود رہیں گے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ رجال اللہ زمانۂ خیر میں کثرت سے تھے اور اب مشکل سے ڈھونڈھنے سے ملتے ہیں۔ اب چونکہ زمانہ شر کا ہے اس لئے کم ملتے ہیں مگر ڈھونڈھے سے ملتے ہیں اور قیامت تک ملیں گے۔ ان شاء اللہ۔

مشکل یہ ہے کہ لمبی داڑھی اور لمبا کرتا دیکھ کر جس کو چاہے ''مولانا'' کا خطاب دیتے ہیں، جب اُن سے کوئی غلطی یا بُرائی صادر ہوتی ہے تو سب علماء اور پیروں کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ جیسے ہمارے ملک میں بھوسی ٹکڑے خریدنے والے کثرت سے آتے تھے، آخر تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اس کا بسکٹ بنایا جاتا ہے، بند تیار کئے جاتے ہیں اور آٹے کی ملوں میں یہی بھوسی کام میں لائی جاتی ہے جس سے ہمارے لئے غذا بنائی جاتی ہے۔ اس چیز کو دیکھ کر کیا کسی نے آٹا خریدنا چھوڑ دیا۔ ایسے ہی بعض علماء کی غلط کاری اور بُرائی دیکھ کر سب سے بدظن نہ ہونا چاہئے؛ بلکہ ان [علماءِ حق] کی کچھ نشانیاں ہیں۔ جیسے ڈاکٹر کو پہچاننے کے لئے اُس کا مطب دیکھا جاتا ہے، اُس کا اصول دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح عالم کو پہچاننے کے لئے اُس کا مدرسہ اُس کا اصول دیکھنا چاہئے؛ اس نے کہاں سے تعلیم حاصل کی اور کیسے لوگوں کے ماحول میں رہا۔

ایک جماعت اس میں گمراہ ہوگئی کہ کتاب اللہ کو تو لیا مگر رجال اللہ کو چھوڑا۔ اور ایک جماعت نے صرف رجال اللہ کو اختیار کیا مگر کتاب اللہ کو چھوڑا۔ کتاب اللہ کے ذریعہ رجال اللہ کو پہچانو، پھر رجال اللہ سے کتاب اللہ سیکھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتنہ کا زمانہ آئے گا اور تہتر فرقے ہونگے اس میں بہتر فرقے گمراہ ہونگے اور ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ حق پر وہی لوگ ہونگے جو میری اقتداء کریں گے اور میرے اصحاب کی اقتدا کریں گے۔ (۱) ''بایھم اقتدیتم اھتدیتم'' (۲)

امام ابوحنیفہ سے ہمیں ان کی ذاتی رائے معلوم نہیں کرنی۔ بلکہ ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول کی رائے معلوم کرنی ہے۔

(۱) لیراجع سنن الترمذي أبواب الإیمان، برقم ٢٦٤١۔ المرتب

(۲) لیراجع تلخیص الحبیر للحافظ ابن حجر رحمه الله تعالی، باب أدب القضاء، رقم ۲۵۹۳۔ المرتب

تقریر دوم

۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ بعد نماز مغرب

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③ (العصر:۱۔۳)

ترجمہ: قسم ہے زمانہ کی، سب انسان خسارے میں پڑے ہوئے ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اعمال صالحہ کیا۔

ایمان اور عمل صالح

اسلام اور ایمان نام ہیں ان حدود کے جو ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ملی ہیں، ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام کا مجمع صرف حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجوم ہدایت فرمایا ہے، اور پھر تابعین رحمۃ اللہ علیہم جو اسلام کے بہت بڑے محسن تھے پھر ہزاروں اولیاء و اقطاب۔

ہمیں اگر ''ڈے'' (دن) منانا ہے تو سب کے لئے ڈے منانا چاہئے۔ دوسری قوموں کی کوئی تاریخ نہیں ہے، مگر ہماری مکمل تاریخ موجود ہے۔ پوری امت کے علماء و صلحاء کی مثال ایک عمارت کی سی ہے، اگر ایک ستون کو ہلایا جائے تو تمام عمارت ہل جائے گی۔ کسی خاص شخص کے لئے ڈے نہیں منایا جاتا۔

البتہ اسلام میں کچھ خاص دنوں کی فضیلت آتی ہے جیسے عید، شب براءت، شب قدر اور ایام حج ہیں۔ جس وقت حضرت ابراہیم حضور ﷺ کے صاحبزادے وفات پائے، تو حضور ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے، اور زبان سے فرمایا

إنا بفراقك يا إبراهيم لمحزونون (۱)

یہاں کسی نے ''ڈے'' نہیں منایا۔ اور نہ یادگار بنایا۔

حضور ﷺ کا ''ڈے'' منانا ایسا ہے کہ گویا حضور ﷺ کو لیڈروں کی صف میں کھڑا کردیا۔

اگر حضور ﷺ کا ذکر مبارک کیا جائے تو سبحان اللہ، اس میں بلاشبہ خیر و برکت ہے، حضور ﷺ کے ذکر مبارک میں یقیناً خیر و برکت ہے، لیکن حضور ﷺ کے ذکر مبارک کو کھیل تماشہ مت بنائیے۔

ایک یہودی نے حضور ﷺ کی صفات کے بارے میں تورات میں دیکھا کہ حضور ﷺ کو اپنی ذات کے متعلق جس قدر بھی غصہ دلایا جاتا ہے اسی قدر حلم بڑھتا جاتا ہے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے کچھ مانگا، تو حضور ﷺ کے پاس چونکہ کچھ نہ تھا جواب میں فرمایا کہ: اس وقت کچھ نہیں ہے، تو یہودی نے اس وقت سن کر کہا کہ حضور مجھ سے لے لیجئے، اور بعد میں جب آپ کے پاس آجائے تو دیدیجئے، چنانچہ حضور ﷺ نے قرض لے کر اس شخص کو دیدیا، چند دنوں بعد قصداً حضور ﷺ کی اس صفت کے امتحان کے لئے آیا اور حضور ﷺ سے قرض مانگا، اور نام لے کر بڑی سخت کلامی کی، کہ تم اور تمہارا سارا خاندان ایسا ہے ویسا ہے، تم لوگ بنوعبد المطلب۔ ادائیگی میں بڑا ٹال مٹول کرتے ہو، الغرض حضور ﷺ کے گردن مبارک میں کپڑا ڈال کر کھینچنے لگا۔ اس مجلس میں عمر جیسی ہستی بھی تھے، تلوار لے کر کھڑے ہوگئے تو حضور ﷺ

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب الجنائز، برقم ۱۳۰۳۔ المرتب

نے منع فرمایا، اور فرمایا کہ عمر ہم تو تم سے یہ امید نہیں رکھتے تھے۔ ہم تو تم سے یہی امید رکھتے تھے کہ خود تم مجھے سمجھاتے کہ ان کا قرض ادا کر دینا چاہئے۔ حضور ﷺ کی صفت حلم دیکھ کر خود ایمان لے آیا۔[1]

سیرت طیبہ سن کر حضور ﷺ کی محبت بڑھتی ہے اور محبت کی زیادتی سے ایمان بڑھتا ہے۔ میں نے خود ایک رسالہ ''سیرت خاتم الانبیاء'' لکھتے وقت اس کے انوار و برکات محسوس کئے۔ رسول اللہ ﷺ کے ذکر مبارک میں خاص انوار و برکات ہیں، مگر اس کے لئے ایمان اور عمل صالح کا گُر یاد رکھئے: ایمان وہ ہے جو صحابہ کرام لائے ہیں۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (البقرة:۱۳۷)

صحابۂ کرام کے ایمان کو قرآن کریم کسوٹی بنا رہا ہے کہ اگر ایسا ایمان لائے جیسا تم لائے تب تو ٹھیک لائے۔

عمل صالح کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ عمل صالح کیا ہے؟

---

(۱) هذه قصة إسلام الحبر الإسرائيليّ زيد بن سعنة، رضي الله تعالى عنه، أخرجها ابنُ حبّان فى صحيحه (كتاب البرّ والإحسان، ذكر الاستحباب للمرء أن يأمر بالمعروف من هو فوقه ومثله ودونه الخ ۱: ۵۲۱ إلى ۵۲۵ بترتيب ابن بلبان) وابن سعد فى الطبقات الكبرى (۲: ۱۲۲: ذكر صفة رسول الله صلى الله عليه وسلّم فى التوراة والإنجيل)، وليراجع كلام الحافظ رحمه الله تعالى فى الإصابة، فى ترجمة زيد بن سعنة رضي الله تعالى عنه حيث قال: "ورجال الإسناد موثقون". وعبارة تلخيص المحاضرة تختلف يسيرا عن عبارة الرواية فى بعض المواضع، فمثلا قد صرّحت رواية ابن حبّان بأن رسول الله صلى الله عليه وسلم باع من زيد بن سعنة تمرا بيع السلم، حيث جاء فيه قول رسول الله صلى الله عليه وسلّم: "لكن أبيعك تمرا معلوما إلى أجل كذا وكذا." (المرتب)

حضور ﷺ نے فرمایا:

ما أنا عليه وأصحابي [1]

جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں وہی عمل صالح ہے۔ صدیق کہتے ہیں آئینہ نبوت کو۔ صحابہ کرام حضور ﷺ کے آئینہ ہیں، خود قرآن کریم نے جوڑ دیا ہے:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ الخ۔

ایمان اور عمل صالح کا خلاصہ یہی ہے کہ حضور ﷺ نے اور صحابہ کرام نے جس طرح بتلایا ہے۔

عمل صالح کی مثال ایسی ہے جیسے اکائی کے بعد کے صفر ہوتے ہیں: دائیں طرف کے جتنے صفر ہوتے ہیں کارآمد ہوتے ہیں، اور بائیں طرف کا جو صفر ہے وہ بے کار ہے، کسی کام کا نہیں۔

عمل وہ معتبر ہے جو حضور ﷺ نے کیا۔ اور جو حضور ﷺ سے اور صحابہ سے ثابت نہیں ہے وہ بدعت ہے، بدعت کہتے ہیں اس نئی چیز کو جس کو عبادت سمجھ کر کیا جائے۔ اور جتنی چیزیں حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھیں اب ایجاد ہوگئی ہیں، مثلا ہوائی جہاز وغیرہ، یہ بدعت نہیں ہیں، اور [موجودہ شکل کا] مدرسہ اور خانقاہ وغیرہ نہ حضور ﷺ سے ثابت ہے، نہ صحابۂ کرام سے، اس لئے کیا یہ چیزیں بھی بدعت ہونی چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کی ضرورت حضور ﷺ کے زمانے میں تھی مگر حضور نے اختیار نہیں فرمایا اس کا کرنا بدعت ہے۔ جیسے نماز کیلئے اعلان کرنے کے متعلق مختلف آراء ہوئیں: کسی نے کہا گھنٹی بجادی جائے۔ بالآخر وحی اس پر نازل ہوئی کہ اذان اس طریقہ سے دیا کرو۔ اسی طرح نماز کے بعد طویل دعا کا حال ہے۔ [2]

---

(۱) ليراجع سنن الترمذي أبواب الإيمان، برقم ۲٦٤١، والسياق يختلف قليلا.

(۲) یہاں مراد نماز کے بعد طویل اجتماعی دعا کی عادت بنانا ہے۔ مرتب۔

جس کی حضور ﷺ کے زمانے میں بھی ضرورت تھی، مگر حضور ﷺ سے منقول نہیں، اس لئے بدعت ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کی تعداد کراچی کے ایک محلہ کے برابر تھی اس لئے اس زمانے میں نہ [موجودہ شکل کے] مدرسہ کی ضرورت تھی نہ خانقاہ کی۔ نہ قرآن چھاپنے کی۔ اب مسلمان چونکہ زیادہ ہوگئے اس لئے خانقاہ مدرسہ اور قرآن چھاپنے کی ضرورت پڑی، لہٰذا یہ بدعت نہیں۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں گھڑی نہیں تھی، صحابۂ کرام دیوار کے سایہ وغیرہ سے کام لیتے تھے۔ لیکن اگر حضور ﷺ کے زمانہ میں گھڑی ہوتی اور استعمال نہ فرماتے تو یقیناً ہمارے لئے بھی بُری ہوتی اور بدعت بن جاتی۔ جس چیز کی ضرورت حضور ﷺ کے زمانے میں تھی اور مداوا بھی موجود تھا لیکن حضور ﷺ نے اختیار نہیں فرمایا، وہ بدعت ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ستائیسویں رجب کو نماز پڑھنے سے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ پانچوں وقت کی نمازوں میں اللہ کے سامنے سر رگڑو۔

اسلام میں اگر ڈے منانا ہوتا تو اسلام میں جنگ بدر، جنگ حنین وغیرہ اور آپ کی زندگی کے ہر ہر لمحہ کا دن منایا جاتا۔ مگر صحابہ نے نہیں منایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)

حضور نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ ہمیں صرف قرآن دے کر نہیں تشریف لے گئے بلکہ ایک قوم دے کر گئے، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم۔ جنہوں نے زندوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کیا، مگر صحابۂ کرام نے زندوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ ایک ایک صحابی حضور ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔ فاروق اعظم ایک پہاڑ کے دامن سے گزرے۔ اور اپنے پچھلے زمانے کا اونٹ چرانا یاد آیا۔ وہاں کے لوگوں کو سنا

سنا کر کہنے لگے کہ: او خطاب کے بیٹے! ایک زمانہ تھا اس پہاڑ کے دامن میں اونٹ چرایا کرتا تھا۔[1] اب تجھے امیر المومنین پکارا جاتا ہے، تُو اب بھی وہی عمر ہے جو اس پہاڑ کے دامن میں اونٹ چرایا کرتا تھا، یہ عبدیت صرف حضور ﷺ کی برکت اور طفیل سے ملی ہے۔

(۱) تاریخ ابن عساکر اور طبقات کی روایات کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ سے اس طرح کے جملے فرمائے، روایات کے الفاظ یہ ہیں:

عن سعيد بن المسيب قال حج عمر فلما كان بضجنان قال: لا إله إلا الله العلي العظيم المعطي ما شاء لمن شاء كنت أرعى إبل الخطاب بهذا الوادي في مدرعة صوف وكان فظا يتعبني إذا عملت و يضربني إذا قصرت وقد أمسيت ليس بيني وبين الله أحد ثم تمثل: لا شئ مما ترى تبقى بشاشته * يبقى الإله و يودي المال والولد ..." (تاريخ دمشق لابن عساكر (٤٤/ ٣١٦) عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب، عن أبيه قال: "أقبلنا مع عمر بن الخطاب قافلين من مكة حتى إذا كنا بشعاب ضجنان وقف الناس فكان محمد يقول: مكانا كثير الشجر والأشب، قال: فقال: "لقد رأيتني في هذا المكان وأنا في إبل للخطاب، وكان فظا غليظا، أحتطب عليها مرة، وأختبط عليها أخرى، ثم أصبحت اليوم يضرب الناس بجنباتي، ليس فوقي أحد، قال: ثم مثل بهذا البيت: لا شيء فيما ترى إلا بشاشته ... يبقى الإله و يودي المال والولد. (الطبقات الكبرى ط دار صادر: ٣/ ٢٦٦)۔ مرتب

تقریر سوم

۲۱ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ

شنبہ

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر:۱۔۳)

اس سورت کا ترجمہ یہ ہے: تمام بنی نوع انسان خسارے میں ہیں، اگر اس خسارے سے انسان بچنا چاہے تو چار چیزوں کو اپنائے: ایک ایمان دوسرے عمل صالح۔ اور تیسرے آپس میں وصیت کرے حق کی اور آپس میں وصیت کرے صبر کی۔

یہاں جو دو باتیں بیان کی جارہی ہیں وہ اس دین کے خصائص میں سے ہیں کہ: خود نیک بن جانا کافی نہیں بلکہ اپنے بھائیوں کو بھی نیک بنانا ضروری ہے۔ اسلام کی ایک خصوصی دعوت ہے کہ آدمی دوسروں کی اصلاح کی بھی فکر کرے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اس امت کے خصائص میں شمار کیا گیا ہے۔ پہلے دو جزو اپنی درستی کے متعلق ہیں۔ اور دوسرے دو جزو دوسروں کو درست کرنے کے متعلق ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت پہلی امتوں میں اس قدر نہیں تھی، اگر چہ وہاں بھی امر بالمعروف کرتے تھے، مگر اس قدر اہمیت نہ

تھی جس قدر اس امت میں ہے۔ قرآن میں ہے:

قُوٓا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا (التحریم:۶)

اے لوگوں بچاؤ اپنے نفس کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے۔

خود نیک بنو اور دوسروں کو نیک بناؤ، یہ ان دونوں آیتوں کا خلاصہ ہے۔ امر بالمعروف کے معنی ہیں نیک کاموں کا حکم دینا اور نہی عن المنکر کا مطلب ہے بُرے کاموں سے روکنا۔ ''تواصوا'' باب تفاعل کا صیغہ ہے، اس باب کی خاصیت یہ ہے کہ یہ دونوں طرف سے معاملہ کے، تقابل کے معنی دیتا ہے۔ وصیت کا لفظ ہمارے عرف میں مرنے والے کے قول کو کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے معنی ہیں ''شفقت اور محبت اور اہتمام سے کسی کام کی ہدایت کرنا ہے یہاں تک کہ مخاطب کام کرلے'' اور مرنے والوں کا کلام اکثر لوگ اہتمام سے سنتے ہیں، کیونکہ حکومت اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے، اب وہ معذور اور مجبور انسان ہوتا ہے، جو کچھ کہتا ہے لجاجت اور نرمی سے کہتا ہے، اس لئے مرنے والے کی بات کو بھی وصیت کہتے ہیں۔ [حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے قبل آخری جملہ یہ فرمایا:

"اللہم الرفیق الأعلی"،

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں اکثر یہ وصیت فرماتے رہیں:

الصلاة وما ملکت أیمانکم

یعنی نماز اور غلام باندیاں جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہوں (اور جو لوگ حکم کے ماتحت چلتے ہوں وہ بھی "وما ملکت أیمانکم" میں داخل ہیں) ان کے حقوق ادا کرو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر یہ وصیت فرمائی کہ

کبھی یہ جملہ زبان سے ادا فرمانا چاہتے لیکن ادا نہ فرما پاتے، اور آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے گویا اس جملہ کی آواز آتی]۔[1] معنی یہ ہیں کہ نماز اور غلام باندیاں جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہوں۔ اور جو لوگ حکم کے ماتحت چلتے ہوں وہ لوگ بھی ماملکت ایمانکم کے تحت میں آجاتے ہیں انکے حقوق ادا کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کتنی مرتبہ اس کلمہ کو فرمایا ہوگا، حتی کہ وصال کے وقت بھی انہی دو چیزوں سے وصیت فرمائی کہ نماز اور ماملکت ایمانکم کے حقوق ادا کرو۔ مگر اے انسان سن لے کہ نماز یعنی اللہ کے حقوق اور ماملکت ایمانکم بندے کے حقوق ادا کرو یہ بلاشبہ تمام گناہوں کو مٹا دے گا۔[2] عبادات میں نماز سب سے زیادہ خاص عبادت ہے اور اپنے ماتحت لوگوں کے حقوق بھی زیادہ قابل رحم ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے انتقال کے وقت نصیحت یہ ہے۔ ”ماتعبدون من بعدی“ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ ان حضرات کی وصیت بھی مال و جائداد کی نہیں بلکہ دین و ایمان کی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وصیت بھی یہی تھی:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؁ (البقرہ:۲:۱۳۲)[3]

قرآن میں ”وتواصوا“ آیا ہے کہ ایک دوسرے کو وصیت کیا کرو۔ یعنی یہ

---

(۱) لیراجع صحیح البخاري مع فتح الباري، باب آخر ما تكلم به النبي ﷺ، ۸: ۱۵۰، وفتح الباری ۸: ۱۳۵، والطبقات الكبرى ۲: ۲۵۳. معقوفتین کے درمیان کی عبارت میں معمولی تصرف کر کے ان حوالوں کے مطابق کیا گیا۔ (شاکر)

(۲) قلمی مسودے میں یہ جملہ اس مقام پر ملا۔ صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ نیز اس کا بھی پوری طرح اطمینان نہ ہوسکا کہ درمیان کا کوئی جملہ قلمبند ہونے سے رہ تو نہیں گیا۔ شاکر

(۳) قلمی مسودے میں یہاں خالی جگہ چھوڑی گئی تھی۔ شاکر

نہیں کہ صرف مولوی کے کندھے پر ڈال دو۔ پھر یہ بھی اشارہ فرمادیا کہ اس طرح نہیں کہ کسی کے سر لٹھ مار دیا۔ بلکہ نرمی اور لجاجت کے ساتھ۔ ایسے انداز سے کہ دوسرے کی رسوائی نہ ہو، ایذاء نہ ہو۔

آپس میں وصیت کا حکم دو چیزوں کے ساتھ فرمایا گیا: حق اور صبر۔ حق کے معنی ہیں: ثابت، اور ''حق'' ایمان اور عمل صالح ہے، جو شریعت سے ثابت شدہ ہے، اور دوسرے صبر کی وصیت کرے۔ ہمارے عرف میں صبر اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مصیبت آجائے تو آدمی زیادہ گریہ وزاری نہ کرے۔ اور عربی میں صبر کے معنی ہیں روکنا۔ ایک ہے صبر علی الطاعۃ اور دوسرا صبر علی النفس۔ طاعت پر صبر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر طاعت کرنے میں کوئی تکلیف آپڑے تو اس پر صبر کرے۔ اور صبر علی النفس یہ ہے کہ نفس کے خلاف چیزوں پر عمل کرنے میں تکلیف ہو تو اس پر صبر کرے۔ ''تواصوا'' کی حقیقت یہ ہوئی کہ ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کو وصیت کرے۔ حق کی وصیت یہ ہے کہ لوگوں کو دعوت دے حق کی طرف اور صبر کی وصیت یہ ہے کہ برائیوں سے روکے۔

انسان کو گمراہ کرنے والی دو چیزیں ہیں: ایک شبہات، دوسری شہوات۔ شبہات کے مقابلے میں حق اور شہوات کے مقابلہ میں صبر سے کام لو، یعنی ثابت شدہ مشروعی احکام کو دیکھ کر شبہات کو دفع کرو، اور شہوات کے تقاضے پر عمل کرنے سے نفس کو روکو۔ اگر اعتقادی غلطیوں میں مبتلا ہو، جیسے کم علمی سے کسی نے حدیث کا انکار کر دیا یا تقلید کا انکار کر دیا، تو اس کی اصلاح تواصیٔ حق سے کرو، اور اگر کوئی عملی غلطی میں مبتلا ہے تو تواصیٔ صبر سے اس کی اصلاح کی فکر کرو۔

قسم ہے زمانہ کی کہ تمام انسان خسارے میں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے، اور آپس میں حق کی وصیت کی، اور آپس میں صبر کی

وصیت کی۔ اس امت کے لئے صرف اپنی نیکی تنہا کافی نہیں ہے بلکہ دوسروں کی فکر بھی ضروری ہے حتی کہ عذاب بھی نازل ہوا جہاں اللہ کے نیک بندے بھی تھے؛ فرشتہ نے کہا کہ اے اللہ اس جگہ میں تیرا فلاں نیک بندہ بھی ہے، تو حکم ہوا کہ سب پر عذاب ڈال دو کہ میری نافرمانی دیکھ کر ان کی پیشانی پر بل نہیں پڑا۔ (۱)

جو آدمی تواصی بالحق، یعنی تبلیغ کے مقام پر فائز ہو، اس کے لئے آداب کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔

---

(۱) لیراجع الثانی والخمسین من شعب الإیمان للبیهقي ۱۰: ۷٤۔ شاکر
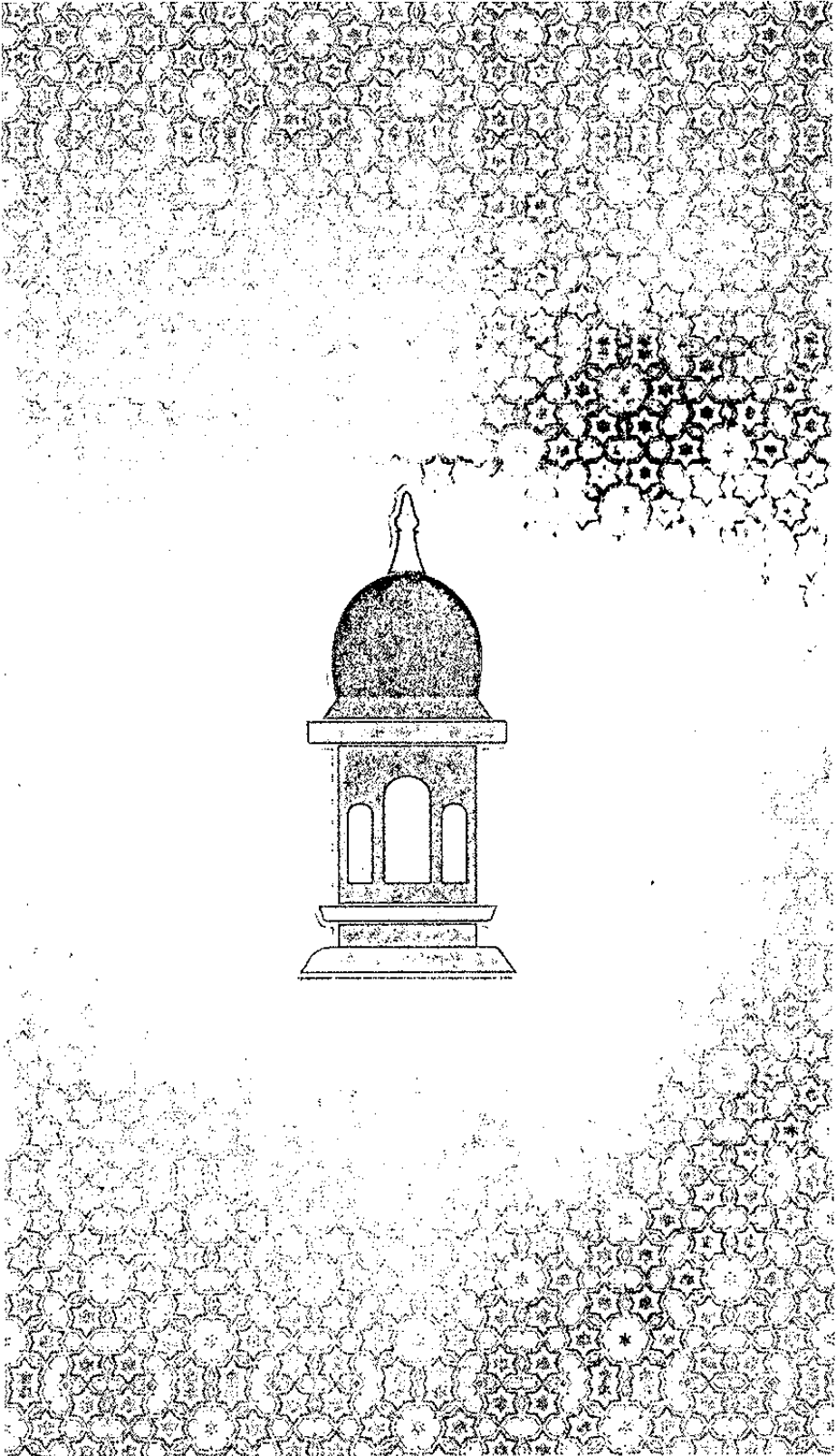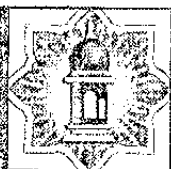
تفسیر سورۂ فیل

۹ رجب ۱۳۷۹ھ

تفسیر سے متعلق حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کے دروس کا متعدد قسطوں پر مشتمل درج ذیل سلسلہ بھی حضرت مولانا جمیل احمد آکیابی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر میں دستیاب ہوا، جس میں سورۂ فیل کی تفسیر اور اس کے ضمن میں سیرت طیبہ پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے ایمان افروز بحث فرمائی ہے۔ مرتب

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بیت اللہ شریف کے تمام خدمتوں کا سلسلہ چلا یہاں تک کہ حضرت عبدالمطلب کا زمانہ آیا۔ متولی بیت اللہ خود تمام حجاج کو دعوت کھلاتے تھے۔ حضرت ہاشم کا ثرید تمام عرب میں مشہور تھا۔ وہ اپنے وقت میں تمام حجاج کی دعوت کرتے تھے اور کھانا کھلاتے تھے۔ قریش دو سفر کرتے تھے سردی کے موسم میں یمن کی طرف اور گرمی کے موسم میں شام کی طرف۔ عرب میں کوئی سلطنت نہ تھی، کوئی قانون نہ تھا سفر کرنا ناممکن تھا، صرف اہل قریش ہر طرف سفر کر سکتے تھے کیوں کہ قریش مکہ بیت اللہ کے خدمت گار تھے، اس لیے ہر شخص ہر قبیلہ ان حضرات کا احترام کرتا تھا۔ چوں کہ ان حضرات کے قلوب میں بیت اللہ کا احترام تھا اس لیے

حق تعالیٰ نے مخلوق کے قلوب میں ان کی عزت و احترام ڈال دیا تھا۔ عرصہ دراز گزارنے کے بعد عبدالمطلب سے پہلے پہلے کوئی حادثہ پیش آیا تھا حتی کہ بیر زم زم بالکل زمین کے برابر ہوگئی اور نام ونشان نہ رہا۔ حضرت عبدالمطلب حطیم میں ایک دن سورہے تھے تو کسی کہنے والے نے کہا کہ جہاں تم قربانیاں کرتے ہو وہاں ایک کنواں ہے وہ کھودو۔ تو اپنے تمام بیٹوں کو بلا کر کھودنا شروع کیا۔

اہل مکہ نے مخالفت کی یہاں تک کہ مجبور کردیا دوسری دفعہ پھر خواب دیکھا تو کھودنا شروع کیا پھر اہل مکہ نے مخالفت کی اور شاہ یمن نے ایک کعبہ بنایا تھا جس میں لوگوں کو حج کے لیے ترغیب اور مجبور کرنے لگے حتی کہ ایک شخص نے بجائے حج کے نجاست سے لتھاڑا۔ تو شاہ یمن نے دریافت کیا معلوم ہوا کہ مکہ کا کوئی شخص ہے۔ تو شاہ یمن نے یہ طے کیا کہ بیت اللہ کو ڈھا دینا چاہیے شاہ یمن (ابرہہ) ہاتھی سوار لے کر آنے لگے اور خبر بھیجی کہ ہم بیت اللہ کو مسمار کردیں گے اگر مقابلہ میں آئے تو کچل دیا جائے گا اگر مقابلہ میں نہ آئے تو ہم کچھ نہیں کریں گے۔ ادھر عبدالمطلب نے اہل مکہ کو مشورہ دیا کہ ان کے سامنے ہم کیا کرسکتے ہیں۔ بس اتنا کرو کہ سب کوہ صفا پر جا کر دعا کرو۔ حضرت عبدالمطلب بیت اللہ کی چادر پکڑ کر بہت روئے اور اہل مکہ بھی رونے لگے۔ پھر صفا پہاڑ پر چڑھ گئے اور عبدالمطلب بار بار آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ عذاب آنے والا ہے۔ جب ابرہہ اپنے مکہ کو ڈھانا چاہا تو ایک شخص مکہ کا باشندہ ملا۔ اس نے ہاتھی کے کان میں جا کر کہا کہ یہ کام مردود ہے بیت اللہ کا ڈھانا مردود کام ہے۔ اب اللہ جانے ابرہہ پر کیا اثر پڑا کہ ہاتھی کو حملہ کے لیے آگے بڑھانا چاہتا تھا مگر ہاتھی اپنی جگہ سے ہلتا بھی نہیں۔ اللہ کی طرف سے ابابیل چڑیا آئیں اور ہر ایک کے چونچ میں کنکری ہے۔ جب کنکری مارنا شروع کی تو یہ کنکری لوہے کی ٹوپی کو پھاڑتی ہوئی مغز کو چیرتا ہوا چلی جاتی۔ ادھر عبدالمطلب اور اہل مکہ کوہ صفا سے دیکھ

رہے تھے جب ابابیل چڑیا نے میدان صاف کر دیا تو عبدالمطلب اور اہل مکہ کوہ صفا سے اترے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سال چوں کہ حضور ﷺ پیدا ہونے والے تھے اس لیے حق تعالیٰ نے یہ معاملہ کیا۔ یہ حضور اقدس ﷺ کے ظہور کی علامت تھی اور یہ معجزہ حضور ﷺ کا ہے۔ آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف لانے سے پہلے یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ ایک ہستی اس عالم میں پیدا ہونے والی ہے اور ان کا نام محمد (ﷺ) ہوگا۔ اس لیے اس زمانے میں ہر شخص محمد نام رکھنے لگا تا کہ انہی کا لڑکا اس درجہ پر پہنچ سکے۔

۱۶ رجب المرجب ۱۳۷۹ھ بروز شنبہ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ (الفیل:۱)

سورۂ فیل اس واقعہ سے ۴۲۔۴۳ سال بعد نازل ہوئی جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو اس واقعہ کو دیکھنے والے موجود تھے۔ کوئی لمبی مسافت درمیان میں نہیں تھی۔ حضور ﷺ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اصحاب فیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ جس چیز کو دیکھنے کے برابر یقین کیا جاتا ہے اس کو بھی دیکھنے کے الفاظ سے بولا جاتا ہے۔ اس جگہ رب کا اسعمال کیا گیا ہے۔ یہاں لفظ قہار یا جبار بھی استعمال ہوسکتا تھا مگر یہاں رب کا استعمال کیا گیا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے (رب) پروردگار نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

(الفیل:۲۔۵)

ابابیل چڑیا ایک قسم کا چھوٹا پرندہ ہے جن کے چونچ میں ایک ایک کنکری تھی

جس وقت وہ کنکری مارتی تھی تو لوہے کی ٹوپی کو چیر پھاڑ کر ہاتھی تک ہلاک کر دیتی تھی۔

ایک باز کا قصہ ہے ایک بادشاہ کا باز ایک بڑھیا کے گھر پہنچ گیا تھا تو بڑھیا نے اس کی چونچ اور پاؤں مڑا ہوا دیکھ کر اس کی چونچ اور پاؤں کاٹ دی۔ جب ڈھونڈ ھتے ڈھونڈ ھتے بڑھیا کے گھر ملا تو بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو نا اہل کے پاس جاتا ہے اس کا یہ حشر ہوتا ہے۔

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿۲﴾ (الفیل:۲)

کیا ان کی سازش کو تباہ نہیں کیا اور بھیجی ان کے پاس ابابیل چڑیا اور انہوں نے کنکری ماری۔ حتیٰ کہ اس کی فوج کو کھایا ہوا بھوسہ کے مانند کر دیا۔ جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی تو اس واقعہ کے دیکھنے والے بھی موجود تھے اسی لیے کوئی روایت ایسی نہیں ہے جو اس سورت کی تکذیب کی گئی ہو۔ خلاف عادت جو افعال پیغمبر کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ اپنے پیغمبر کی صداقت کے لیے کیا جاتا ہے پیغمبر کی تصدیق کے لیے ظاہر کیا جاتا ہے عقلاً جس چیز کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ ایسا معجزہ ظاہر نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ جتنے معجزے ہیں سب ممکن چیز ظاہر کیے جاتے ہیں۔ مثلاً شق القمر۔ کے متعلق بھی بعض عقلا نے اعتراض کیا حقیقت میں یہ بھی عقلاً ناممکن ہے۔ حالاں کہ اسلام میں کوئی ایسی چیز بطور معجزہ کے نہیں دکھائی گئی جو محال اور ناممکن ہو۔ ہاں مستبعد ضرور ہوتا ہے۔ یعنی عام عادات کے خلاف ہے۔ ہر چیز کی ایک صورت نوعیہ ہوتی ہے وہ کبھی بدل نہیں سکتی مثلاً پانی کا تقاضا بجھانا اور آگ کا تقاضا جلانا ہے۔ پانی پانی رہنے کی صورت میں اور آگ آگ رہنے کی صورت میں صورت نوعیہ نہیں بدل سکتی۔ یہ پرانے فلاسفر کا دعویٰ ہے۔ مگر اسلام نے کر کے دکھایا کہ

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ (الانبیاء:۶۹)

اے آگ ٹھنڈی ہو جا۔ آگ کی صورت نوعیہ بدلی نہیں۔ آگ آگ رہتے

ہوئے نہیں جلا سکی، الغرض محال تو ہے نہیں ہاں مستبعد ضرور ہے۔ اگر اس کی نوعیت بدل جائے مثلاً ہوا بن جائے یہ دوسری بات ہے۔

جس خدا نے آگ کو صورت نوعیہ بخشی ہے وہ اس سے چھین بھی سکتا ہے۔ مثلاً ریل ہے جس نے کبھی ریل نہیں دیکھی وہ ریل دیکھنے سے سمجھے گا کہ اتنا بڑا پہاڑ چل رہا ہے اور چلتے ہوئے ایک جگہ میں آکر جب سرخ جھنڈی دکھلائی گئی تو کھڑی ہوگئی اور جب سبز جھنڈی دکھلائی گئی تو چلنے لگی تو وہ سمجھے گا کہ اس جھنڈی دکھلانے والا بڑا پاور والا آدمی ہے۔ علی ہذا القیاس جب وہ دیکھتا ہے کہ ڈرائیور چلا جا رہا ہے تو اس کو بڑا پاور والا سمجھتا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اللہ کے اس محکم نظام کارخانہ نے عقلاء زمانہ کو دھوکا میں نہیں ڈالا۔

حق تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور کچھ خواص رکھا۔

اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۞ (طٰہٰ:۵۰)

اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت کی۔

گھوڑا پیدا کیا وہ اپنا کام کرتا ہے اور اونٹ پیدا کیا وہ اپنا کام کرتا ہے۔ ایسا آفتاب اور ماہتاب پیدا کیا وہ اپنا اپنا کام کرتے ہیں اور آگ اور پانی اپنا کام کر رہے ہیں۔

ہدایت کا معنی یہی ہے کہ وہ اپنے کام سے رکا ہوا نہیں۔ الغرض اللہ کا نظام محکم نظام ہے کبھی اس نظام کو توڑا جاتا ہے اپنے پیغمبر کی تصدیق کے لیے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کو بالا کرنے کے لیے ایک پیالی پانی سارا لشکر کے لیے کافی بنا دیا اور سب کی پیاس بجھانے کے بعد بھی پانی باقی رہ گیا ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لیے بطور معجزہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ساری قوت

جس کام کو نہیں کر سکتی وہ اللہ کے پیغمبر کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ کے درجۂ کمال کو بالا کرنے کے لیے یوں ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت کا خاصہ ہے کہ اپنے پیغمبر کے صدق کے لیے اپنے محکم نظام میں تبدیلی کرتا ہے۔ معجزات انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں نہیں ہے۔

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ (الفیل: ۴)

خاک د باؤ آب و آتش بندہ اند

۲۳ رجب المرجب ۱۳۷۹ھ بروز شنبہ

محدثین کے اصطلاح میں ارھاص کہتے ہیں اس چیز کو جو انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزاز میں منجانب اللہ ظاہر کیا جاتا ہے اصحاب فیل بھی حضور ﷺ کے وجود مبارک کے اس جہان میں ظاہر ہونے کا پیش خیمہ ہے۔ اصحاب فیل یمن کے سلطان سابق کے بعض علاقوں پر قابض تھے اب جب مکہ میں شکست پائی تو ان لوگوں کو یہاں سے نکالنے کا انتظام ہو گیا۔ یہ لوگ مکہ پر کیا قابض ہوتے اپنا علاقہ ہی کھونا پڑا عرب کے اعمال وافعال چاہے کس قدر خراب ہوں مگر، ”ملکات“ بڑے اچھے اور بلند تھے۔

سیف بن یزن کے ساتھ کسریٰ کے جتنے واجب القتل قیدی تھے سب کو ان کے ساتھ لڑنے کے لیے بھیج دیا اور کہہ دیا گیا کہ اگر تم فتح حاصل کرو گے تو تم کو چھٹکارا مل جائے گا اور مرو گے تو تم کو یہاں بھی تو مرنے کے لیے رکھا گیا ہے۔ تو یہ قیدی بڑے جانبازی سے لڑے اور فتح حاصل ہو گئی۔ حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ بنت خویلد سے منگنی کی تاریخ ہو گئی اور اسی سال حضور ﷺ اس عالم میں وجود میں آئے۔ چونکہ حضور ﷺ کے تشریف لانے کا دن قریب آ رہا تھا تو ہزاروں واقعات بطور خوش خبری کے کاہن اور راہب وغیرہ بیان کرتے تھے۔ عرصہ ولادت میں حضرت آمنہ

نے ایک نور دیکھا کہ بصریٰ کے محلات چمک اٹھے۔ اس سے قبل خواب بھی دیکھا تھا کہ ایک نبی تمہارے بطن سے پیدا ہونے والے ہیں۔ حضرت آمنہ نے خواب دیکھا کہ کسریٰ کے محل نظر آئے اور کسریٰ کے محل سے ۱۴ کنگرے گر پڑے اس کا مطلب یہ تھا کہ چودہ بادشاہ ہوں گے اور سب کے سب فنا ہو جائیں گے اور بعینہ ایسا ہوا، حضور ﷺ کی ولادت کے وقت عجیب وغریب واقعات پیش آئے۔ حضرت داود علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام پیغمبر بھی تھے اور تمام عالم کے بادشاہ بھی ہوئے۔ مگر حضور ﷺ کو اور شان سے لائے۔ آزر کے گھر میں خلیل پیدا کر دیا اور خلیل کے گھر میں قریش کو پیدا کیا اور اہل قریش کے بت پرستی کا یہ عالم تھا کہ کوئی اچھا پتھر مل جائے اس کو اٹھا کر پوجنا شروع کر دیتے تھے جب اس سے اچھا پتھر ملے تو اس بت کو پھینک کر اس پتھر کو بت بنا لیتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان سے بڑے بت پرست نکلے۔ ان کی بداخلاقی اور جہالت مشہور ہے مگر حق تعالیٰ نے اسی خاندان سے حضور ﷺ کو ظاہر فرمایا۔ اگرچہ یہ لوگ بداخلاق تھے مگر ملکات بلند اور پکے تھے۔ یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی جھوٹ سے احتراز کرتے تھے اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ حضرت حمزہ کو جب ایک کسان گلہ کاٹنے لگا تو کہا کہ او کسان لو تیری تلوار اس قابل نہیں میری تلوار لے اور سر ذرا اوپر سے کاٹ تاکہ گلہ طویل نظر آئے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ یہی عمر تو تھے کہ حضور ﷺ کے سرزنی کے لیے آئے۔ العیاذ باللہ۔ الغرض بلند حوصلہ اور شجاعت کا یہ عالم تھا، اور اللہ تعالیٰ نے بنو ہاشم کے خاندان کو بے حیائی سے بچایا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں طاہرات سے ارحام طاہرات میں منتقل ہوتا ہوا آیا ہوں۔ جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو در یتیم بن کر تشریف لائے۔ کیوں کہ دنیا میں تشریف لانے سے پہلے باپ کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا۔ مگر حضور ﷺ کو یتیم یا فقیر کہنا نازیبا بات ہے۔

عرب میں یہی دستور تھا کہ بچوں کو دیہات میں بھیجتے تھے کیوں کہ گاؤں والوں کی صحت اچھی ہوتی تھی اور وہاں کی زبان صاف ہوتی تھی۔ ان چیزوں کے لحاظ سے دیہات میں بچے بھیج دیا کرتے تھے۔ حرمین کی زبان صاف نہیں تھی کیوں کہ مختلف ممالک کے رہنے والے آکر زبان بگاڑ دیتے تھے۔ الغرض عرب کا خیال تھا کہ ماں کا دودھ پینے سے بچہ کمزور ہو جاتا ہے اور خود ماں بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ اب حضور ﷺ کی ولادت کے بعد جو عورتیں آتی تھی تو یہ کہہ کر واپس ہوتی تھی کہ یتیم بچہ ہے ان سے کیا ملے گا۔ آخر میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ایک لاغر اور دبلی بکری لے کر مکہ پہنچی اور کہیں بچہ نہ ملا۔ جب حضور ﷺ کے گھر پہنچی تو حضور اقدس ﷺ کی صورت مبارکہ پر نظر پڑتے ہی شفتہ ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے گئی جو بکری اپنی لاغری کی وجہ سے چلنا مشکل تھا تو وہ حضور ﷺ کو جب لے جانے لگی تو سب سے پہلے حلیمہ کی بکری جا رہی تھی۔ جس وقت حضور ﷺ کو گھر لے گئی تو وہی لاغر بکری شام کو جب جنگل سے چر کر آتی تھی تو تھن دودھ سے پُر ہو کر آتی تھی۔ حالاں کہ دوسرے لوگوں کی بکریاں خالی تھن آتی تھی۔ حضرت حلیمہ کے گھر میں یہ برکتیں ظاہر ہونے لگیں۔ حضور ﷺ جب بکری چرانے تشریف لے جاتے تھے تو حضور ﷺ کا رضاعی بھائی حلیمہ سے پوچھتا تھا کہ ہمارا بھائی کہاں جاتا ہے تو کہا کہ بکری چرانے جاتا ہے تو اس نے کہا کہ اچھا ہم بھی چلیں گے۔ حضور ﷺ کے ساتھ وہ بھی جانے لگا۔ وہ کہتا تھا کہ میرے مکی بھائی کے پاس کچھ سفید لباس میں کوئی شخص آتے ہیں اور بات کر کے چلے جاتے ہیں ایک بار شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ یہ بچہ نقل کرتا ہے کہ میرے مکی بھائی کو دو شخص پکڑ کر لے گئے اور سینہ چاک کیا اور کچھ نکالا اور جب یہ حالت دیکھی تو جلدی دوڑ کر حضرت حلیمہ کو اطلاع کی۔ تو حلیمہ اور ان کے شوہر جلدی دوڑ دھوپ کر آئے تو دیکھا پہاڑ سے اتر رہے ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔ شق صدر میں حضور ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے

قلب کو نکالا اور جنت سے جو طشت سنہری لایا تھا اسی میں رکھ کر دھویا تھا اور پھر سی دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ قلب مبارک کو چاک کر کے کیا نکالا تھا اور کیا دھویا گیا ہے؟ شق صدر تین مرتبہ ہوا ہے۔ ایک بار نبوت کے بعد زمزم پر شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس میں بھی سینہ چاک کر کے قلب کو دھویا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حمد کے لیے بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان چاہئے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مکمل ہو سکتی ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عرب کی مشہور امراء میں سے تھیں۔ دو جگہ نکاح ہوا تھا اور دونوں شوہروں کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ نے حضور کے پاس خبر بھیجی کہ ہمارا مال تجارت آپ شام کی طرف لے جائیں ہم دوسرے سے زیادہ اُجرت آپ کو دیں گے تو حضور ﷺ تیار ہو گئے اور میسرہ کو حضور ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ میسرہ سارے سفر میں دیکھتا تھا کہ کچھ سفید پوش شخص آتے تھے اور حضور ﷺ سے باتیں کرتے تھے۔ بصریٰ پہنچنے کے بعد اس دفعہ بھی ایک راہب نے کہا کہ تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ کیوں کہ آپ کی شان تو بہت بڑی ہے۔ اگر یہودیوں کو خبر مل گئی تو قتل کر دیں گے۔ تو حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پیغام بھیجا حضرت ابو طالب کے پاس کہ آپ کا بھتیجا اگر راضی ہو تو میرے ساتھ نکاح کر دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فیصلہ ابو طالب کے حوالہ کیا۔ ابو طالب نے منظور کر لیا۔ بوجہ ان کی شرافت خاندانی اور دلجوئی کے لیے۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ سال کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ اس زمانے میں حضور ﷺ دو دو مہینے غارِ حرا میں اعتکاف کرتے تھے اور اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ حضور ﷺ کی شادی نفسانیت کے لیے نہیں تھی ورنہ حضور ﷺ کے لیے کنواری لڑکی کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مگر حضور ﷺ کے اس نکاح میں اللہ کی بڑی حکمت

اور مصلحت تھی۔ حضور ﷺ کی شان میں یہ آیت

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ﴿٨﴾ (الضحیٰ:۸)

آپ کو مفلس پایا پھر غنی بنا دیا۔

یعنی خدیجہ کے ساتھ نکاح ہوا۔ اب خدیجہ بھی فقیر رہنے لگی اور سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگیں۔

یکم شعبان المعظم ۱۳۷۹ھ شنبہ

حضور ﷺ کو شق صدر کا واقعہ جبل نور کی چوٹی پر پیش آیا تھا۔ چھ سال کی عمر سے کچھ کم میں اس قسم کے واقعات پیش آتے تھے کہ کچھ سفید پوش آتے اور حضور ﷺ کو لے جاتے تھے۔ اب حضرت حلیمہ کو بھی یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں حضور ﷺ گم نہ ہو جائیں لہٰذا حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے گئیں تاکہ حضور ﷺ کو وہاں چھوڑ کر آئیں کچھ دنوں تک حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے رکھ لیا پھر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ کر دیا۔ حضرت عبدالمطلب کو یکبار یہ واقعہ پیش آیا کہ اونٹ گم ہو گیا تھا اور تلاش کرنے کے بعد کہیں نہیں ملا آخر مجبور ہو کر حضور ﷺ کو بھیجا اور مل گیا۔ آٹھ سال میں سارے مربی ختم ہو گئے تھے اور حضرت ابوطالب کے مالی حالت بھی خراب تھے انہی کی تربیت میں پرورش ہوئی۔ بچپن میں فطرۃً بچے کھیل کھلونے میں رہتے اور حضور ﷺ کھیل کھلونے سے دور رہتے تھے اور وہی کام کرتے تھے جو بوڑھے لوگ کرتے ہیں اور وہ زمانہ تھا قتل و غارت گری کا۔ اہل قریش سوچتے تھے کہ یہ کام تو نہایت برا اور بدتر چیز ہے ایک عہد نامہ اہل قریش نے مرتب کیا تھا۔ اس کو حلف الفضول نام رکھا گیا تھا اور اس عہد نامہ میں حضور ﷺ کو بھی شریک کیا گیا تھا اور ایک جنگ پیش آئی ہوازین کی۔ جس کو حرب الفجار کہا جاتا

تھا۔ اس عہد میں یہ حلف لیا گیا تھا کہ مظلوم کی مدد کریں اور ظالم کی مخالفت کریں حوازین اس پر خفا ہو گئے کہ اپنی قوم کو چھوڑ کر قریش کی حمایت کرتے ہیں تو آپس میں جنگ شروع ہوئی اور حضور ﷺ کو اس جنگ میں ابو طالب لے گئے تھے۔

حضور ﷺ کی ۱۴ سال کی عمر تھی۔ بکریاں چرایا کرتے تھے اور کچھ معاوضہ مل جاتا تھا۔ اگر حق تعالیٰ چاہتے تو داود علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے مانند تمام عالم کی بادشاہت اور سونے کے ڈھیر عطا کرتے مگر حق سبحانہ وتعالیٰ کو منظور ہی نہ تھا کیوں کہ بنی نوع انسان کے لیے ایک بہترین ہدایت منظور تھی۔ یہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے تھا کہ اس قدر بلند پایہ ہوتے ہوئے ملے جلے رہتے تھے۔ حجۃ الوداع میں آپ کا خیمہ ممتاز رکھنا چاہا مگر حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ سب کا حق برابر ہے۔ ملے جلے رہنا ہی پسند فرمایا۔ یہ خود اصول اپنی امت کے لیے سکھلایا ہے کہ وہ غریب لوگ جو دین دار خدا کے عبادت گزار اور نام لیوا ہیں ان سے ملے جلے رہو ۱۴ سال کی عمر میں حضور ﷺ اپنے چچا کا بار ہلکا کرنے کے لیے بکری چرانے کا پیشہ اختیار کرایا تھا ہر نبی کے ذریعہ اللہ نے بکریوں کو چروایا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ بکری شرارت کرتی ہے اگر غصہ میں آکر لاٹھی ماردے تو ختم ہو جائے گا۔ اس لیے نرمی کا برتاؤ کرنا پڑتا ہے اور غصہ کو پی جانا پڑتا ہے۔ اسی طرح صلاحیت اور قابلیت پیدا ہوتی ہے تمہاری اور میری مثال ایسی ہے کہ ایک اونٹ بھاگ گیا اور لوگ پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ جس قدر لوگ دوڑتے ہیں اسی قدر وہ بھاگتا ہے جب اونٹ کا مالک آتا ہے تو اس کا کچھ دانہ وغیرہ لاکر اسے اس قسم کی آواز دیتا ہے جس سے وہ مانوس ہے، تب وہ پکڑ لیتا ہے۔

تمہاری اور میری مثال بھی ایسی ہے یکبار ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آئے اور کچھ برا بھلا کہنے لگے تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس کو نکال دیں تو حضور ﷺ نے فرمایا نہیں۔ حضور ﷺ نے اس کو اپنے گھر لے گئے

اور کچھ انعام دیا اور فرمایا اب تو خوش ہو۔ کہا ہاں۔ پھر باہر آ کر لوگوں کے سامنے حضور ﷺ کی تعریف کی تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم تو میرے اونٹ ہی گم کر دیتے مگر میں نے اس کو دانہ چنکا دے کر اس کو روک لیا۔ بس یہ تعلیم تھی حضور ﷺ کی۔ جنگ اُحد میں حضور ﷺ کے داماد بھی شریک تھے اور خود چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ جب حضور ﷺ کے داماد قید ہوئے تو حضور ﷺ کی صاحب زادی کا ہار فدیہ میں آیا اور وہ ہار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ حضور ﷺ نے سب کے سامنے سفارش فرمائی کہ اگر سب راضی ہوں تو یہ ہار واپس کر دیا جائے۔ کیوں کہ یہ خدیجہ کا ہار ہے محفوظ رہنا چاہیے۔ الغرض ابوطالب نے ارادہ کیا کہ حضور ﷺ کچھ تجارتی سلسلہ کریں تو ابوطالب نے حضور ﷺ کو شام بھیجا تھا جو اس زمانے میں تجارتی منڈی تھی ایک راہب نے گرجا سے دیکھا کہ غیر معمولی حالات ظاہر ہوئے۔ وہ مدت کے بعد ایک بار گرجا سے نکلتے تھا۔ مگر حضور ﷺ کو دیکھ کر اسی روز گرجا سے نکلا اور حضور ﷺ کے آثار دیکھ کر اس کو یقین ہو گیا کہ یہ خاتم الانبیاء ہے اور ابوطالب سے پوچھا کہ یہ لڑکا کس کا ہے، فرمایا یہ میرا بھتیجا ہے۔ کہا کہ ان کو کیوں یہاں لائے ہو کہ اگر یہودی کو خبر لگ گئی تو ان کو قتل کر ڈالیں گے۔ حضور ﷺ کے قتل کے لیے بہت سے یہودی مقرر کر دیے گئے تھے۔ الغرض ابوطالب نے آپ ﷺ کو فوراً لے کر واپس ہو گئے۔

عبدالمطلب مجبور ہو گئے تیسری دفعہ پھر خواب دیکھا تو کھودنا شروع کیا اور ارادہ کیا کہ اب چاہے کچھ بھی ہو کھودیں گے۔ اہل مکہ مقابلے میں آ گئے کچھ لڑائی جھگڑا ہوا مگر عبدالمطلب نے ہمت سے کام لیا۔ کھودتے رہے یہاں تک کہ بیر زم زم کا کچھ دیوار نکل آئی تو اس نشانی کو دیکھ کر اہل مکہ رک گئے کہ ہاں یہاں کچھ نشان کنواں کا نکل آیا ہے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب نے یہ منت مانی تھی کہ اگر بیر زم زم مل جائے میں اس میں کامیاب ہو جاؤں تو اپنا ایک بیٹا بت کے نام ذبح کروں گا۔ جب

بیر زم زم میں کامیابی ہوئی۔ تو خواب میں دیکھا کہ اپنا وعدہ پورا کرو۔ عبد المطلب کے دس گیارہ لڑکے تھے۔ سب کے نام پر قرعہ اندازی ہوئی کہ کس کو ذبح کیا جائے تو قرعہ حضرت عبد اللہ کے نام نکل آیا۔ حضرت عبد اللہ کو پھسلا کر آمادہ کر لیا۔ جب ذبح کرنے کے لیے ارادہ کر کے لے جانے لگے تو قبائل عرب کو خبر ہوئی کہ عبد المطلب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے لے جا رہے ہیں تو لوگوں نے جا کر روک لیا کہ یہ کیا کام کرتے ہو۔ مجبور ہو گیا پھر خواب میں دیکھا کہ اپنا وعدہ پورا کرو۔ پھر ذبح کے لیے لے گئے حتی کہ پھر ان کو سردار مکہ نے روک لیا۔ پھر یہ طے پایا کہ بجائے قربانی کے سو اونٹ قربانی کرو۔ تو امید ہے کہ تمہاری منت قبول ہو جائے گی۔

۸ شعبان ۱۳۷۹ھ

حضور ﷺ دوبارہ مکہ میں اس غرض سے تشریف لے گئے تھے کہ کچھ کھیل تماشا دیکھیں آخر وہاں ہوتا ہے کیا، مگر دونوں مرتبہ وہاں بیٹھتے ہی نیند غالب آ گئی یہاں تک کہ صبح کو بیدار ہوئے نہ کچھ دیکھا نہ سنا۔ اس کے بعد پھر کبھی ارادہ ہی نہیں فرمایا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ان حضرات کی حفاظت کرتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ ان پر دنیا غالب آ سکے۔

بیت اللہ کے تیسری دفعہ تعمیر زمانہ جاہلیت میں ہوئی تھی حضور ﷺ کے سب چچا اسی تعمیر میں مشغول تھے خود حضور ﷺ بھی شریک تھے اور بڑے بڑے پتھر اٹھا لا رہے تھے۔ سب لوگ اپنے اپنے تہبند کندھے پر رکھ کر پتھر اوپر رکھ کر لا رہے تھے مگر حضور ﷺ ہاتھ میں لے کر لا رہے تھے اور کندھے پر بغیر تہبند ڈالے لا رہے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹا تہبند مونڈھے پر ڈالو تا کہ چھیل نہ جائے۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے تہبند مونڈھے پر ڈال کر پتھر لا رہے تھے اچانک بے ہوش ہو گئے تو حضرت عباس نے زم زم کا پانی وغیرہ پلایا تو ہوش میں آ گئے حضرت عباس

نے پوچھا بیٹا کیا بات ہے تو فرمایا ایک سفید پوش سامنے آ گئے اور کہا کہ ستر کی حفاظت کرو جس کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گیا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسی طرح سے اپنے پیغمبر کو کشف ستر سے محفوظ فرمایا۔ حضور ﷺ کی عمر شریف اس وقت ۳۵ سال کی تھی جب حجر اسود رکھنے کا وقت آیا تو آپس میں جھگڑا پیدا ہوا یہاں تک کہ قریب تھا کہ تلوار نکل آئے تو بڑے بڑوں نے کہا کہ سنو بیت اللہ میں آئے ہو اور جھگڑا کر رہے ہو یہ مناسب کام نہیں۔ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے بیت اللہ کے دروازہ پر آئے۔ ان کا حوالہ کرو۔ سب وہاں پر بیٹھے ہوئے تھے حتیٰ صبح کو دیکھا کہ سب سے پہلے حضور اقدس ﷺ بیت اللہ کے دروازے پر حاضر ہیں تو جب دیکھا لوگوں نے حضور اقدس ﷺ کو تو سب پکار اٹھے کہ یہ تو ہمارے مکہ کا آمین ہے۔ اصل میں ہونے والی بات تھی کہ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ حضور ﷺ کے دست مبارک سے یہ بیت اللہ تعمیر ہو۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عقل کامل عطا فرمائی تھی چونکہ حضور ﷺ اگر چاہتے تو خود تنہا اپنے ہاتھ سے اٹھا لیتے۔ مگر حضور ﷺ نے اپنا چادر بچھا دیا اور فرمایا کہ آؤ سب کے سب اس چادر کو پکڑو تو حجر اسود کو اٹھانے میں سب شریک ہوئے اور یہ سعادت سب کو حاصل ہوئی۔ سب لوگ بہت ہی خوش ہوئے۔ اب کسی کو یہ غم نہ رہا کہ ہم محروم ہوئے الغرض سارا مکہ چھوٹے اور بڑے تمام شرفاء اس بات پر متفق ہیں کہ حضور انور ﷺ سے بڑھ کر کوئی بزرگ کوئی بہتر کوئی آمین نہیں ہے۔ پینتیس سال کی عمر میں حضور ﷺ کی یہ حالت تھی۔ جتنے انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے سب کو اول اول سچے خواب دکھلائے جاتے تھے اور انبیاء کی سچی خوابیں نبوت کی چالیسواں جز ہے۔ الغرض حضور ﷺ کو بھی رویا صالحہ شروع ہو گیا۔

اور حضور ﷺ خلوت گزینی کو پسند کرنے لگے جبل نور کے چوٹی پر ایک غار ہے جس کو غار حرا کہا جاتا ہے حضور ﷺ دو دو مہینے تک اسی غار میں عبادت حق میں مشغول

رہتے تھے۔ جب حضرت خدیجہ نے مال تجارت لے کر جانے کے لیے حضور ﷺ سے درخواست کی اور حضور ﷺ مال تجارت لے کر شام کی طرف تشریف لے گئے تو حضرت خدیجہ میسرہ وغیرہ سے جو خبریں اور راہبین سے جو پیشنگوئیاں سنی تو حضرت خدیجہ کو یقین ہوگیا کہ یہ کوئی بڑی شخصیت ہونے والی ہے اور اس اعتقاد کے بنا پر حضور ﷺ سے نکاح کی درخواست کی۔ اب نبوت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے سب سے پہلے رمضان کے مہینے میں وحی نازل ہوئی۔ خود قرآن پاک سے ثابت ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ① (القدر:۱)

ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اقرأ یعنی پڑھ۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ما انا بقاریٔ پھر جبرئیل نے کہا اقرأ آپ نے فرمایا ما انا بقاریٔ۔ اس میں یہ اشکال ہے کہ اگر جبرئیل کو زبانی کوئی چیز سکھانی ہے تو اقرأ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے ریشمی کپڑے پر لکھا ہوا ایک تحریر حضور ﷺ کے سامنے پیش کر کے کہا کہ اقرأ۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب وحی نازل ہوئی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ کہیں میرا قلب پھٹ نہ جائے یہ حضور ﷺ کا قلب مبارک تھا اس لیے ضبط ہوسکا ورنہ کون برداشت کرسکتا۔ یہ وہی قلب ہے جس کو تین دفعہ چیر کر دھویا گیا اور اس میں حکمت وروحانیت بھر دی گئی تھی۔ اس کے باوجود وحی کے وقت حضور ﷺ کو اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں قلب مبارک پھٹ نہ جائے۔ یہ وہ وحی ہے کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیش آیا جب اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر ذرہ برابر تجلی کی۔ تب موسیٰ کا کیا حال ہوا قرآن میں ہے: جَعَلَهُۥ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا جب کوہ طور پر حق جل وعلا نے تجلی کی تو پہاڑ کے ٹکڑے اڑا دیے اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ بعض اوقات حضور ﷺ کو اونٹنی کے اوپر وحی نازل ہوتی تھی تو اونٹنی بوجھ کو برداشت نہ کرسکتی تھی اور اونٹنی بیٹھ جاتی تھی اور

حضور ﷺ کو ہیبت طاری ہوتی تھی۔ اس میں شبہ ہوسکتا ہے کہ وحی سے ہیبت کیوں ہوتی تھی وہ تو لطف کی چیز ہے لطف ہی لطف ہونا چاہیے تو جواب یہ ہے کہ لطف ہی لطف تو ضرور ہے مگر اس کی خاصیت بھی ہے کہ جس پر نازل ہوتی ہے ہیبت طاری ہوتی ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ بتاؤں گا۔

۲۲ شعبان ۱۳۷۹ھ
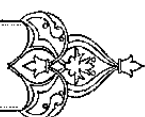
حضور ﷺ کو جب شروع شروع میں وحی نازل ہوئی تو سردی معلوم ہوئی اور چادر سے ڈھانک لیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئی جو توراۃ کے عالم تھے تو انہوں نے یہ واقعات سنتے ہی کہا ھذا ناموس کما اُنزل اللہ قبلہ علی موسیٰ۔ یعنی یہ شخص جو آئے تھے وہ حضرت جبرئیل تھے جو موسیٰ کے پاس اس سے قبل آیا کرتے تھے تو بات سنتے ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لے آئی اور ورقہ بن نوفل کے پاس خود حضور اقدس ﷺ کو بھی ساتھ لے گئی اور تمام واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے زندہ رکھے تو جس وقت آپ کو آپ کی قوم نکال دیں گے تو میں آپ کی مدد کروں گا۔ ایک دن حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا چیز ہے؟ فرمایا یہ میرا دین ہے جو اللہ کی طرف سے مجھے ملا ہے۔ تم بھی اس پر ایمان لاؤ۔ تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ دس سال کے تھے۔ کہنے لگے کہ میں نے اس سے قبل کبھی یہ بات نہیں سنی۔ میں اپنے والد سے اجازت لے کر ایمان لاؤنگا تو حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ جی چاہے ایمان لاؤ ورنہ کسی کو ظاہر مت کرو، لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خود بخود دین سے محبت ہوگئی اور ایمان لائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب دین کے متعلق کہا گیا تو بے چون چرا ایمان لائے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جب
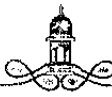
کہا گیا تو کہنے لگے کہ آج تین روز سے یہی خواب دیکھ رہا ہوں کہ تم محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لاؤ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ایمان لائے۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے دوست طلحہ کے پاس جا کر یہ بات ظاہر کی تو وہ بھی نہایت شوق سے ایمان لائے، اور ایک سفر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بصریٰ تک تشریف لے گئے تھے تو ایک شخص آئے اور پوچھنے لگے کہ یہاں پر مکہ کے رہنے والے کوئی ہے کیونکہ وہاں خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ ظہور ہونے والے ہیں اور انہوں نے بتایا کہ ان کے والد کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالمطلب ہوگا اور ان کا نام محمد ہوگا۔ تو آخر وہ بھی آ کر مسلمان ہو گئے۔ ایک بار حضرت ابوذر غفاری حضور ﷺ کے تلاش میں مکہ پہنچے تو لوگوں سے پوچھا کہ [] کہاں ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خفیہ طور پر گھر لے گئے۔ اور مسلمان ہوئے تو ان سے کہہ دیا گیا کہ تم لوگوں پر ظاہر مت کرو ورنہ جان کا خطرہ ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشرکین کے دارالندوہ میں پہنچے اور علی الاعلان ظاہر کیا کہ لوگو سنو میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله۔ تو مشرکین ان کو مار پیٹ کر رہے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے آ کر چھڑا لیا۔ دوسرے دن بھی اسی طرح اعلان کیا اس روز بھی ایذائیں پہنچائیں۔ الغرض ان کا خیال تھا کہ جب اللہ نے ایک دولت دی ہے تو کیوں اس کو چھپائیں۔ اسی طرح حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو بھی ستاتے تھے حتیٰ کہ دوپہر کے وقت تپتے ہوئے پتھروں پر لٹا دیتے اور کہتے تھے کہ اس دین کو چھوڑو تو ابھی چھوڑ دیں گے مگر ان کی زبان سے ''احد احد'' جاری رہتا تھا۔ آخر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو مالک سے خرید کر آزاد کر دیا۔ جب مشرکین کفار نے دیکھا کہ ہمارا دین تباہ ہوتا جا رہا ہے تو سب نے مشورہ کیا کہ میاں اس طرح کام نہیں چلے گا، اگر محمد ﷺ کو ختم کر دیا جائے تو معاملہ صاف ہو جائے گا تو اسی مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مچل اٹھے کہ میں محمد (ﷺ) کا سر لاؤں گا اور جوش غصہ میں جانے لگے تو ایک

شخص نے کہا کہ میاں کہاں جارہے ہو تو کہا کہ محمد کا سر لینے جارہا ہوں کہنے لگے کہ میاں پہلے اپنا گھر تو صاف کرلو کہ تمہاری بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو گئے ہیں تو اپنے [انکے] گھر گئے تو دور سے آواز آرہی تھی کہ بہن کچھ پڑھ رہی تھی۔ بہنوئی تو چھپ گئے ان سے۔ اتفاقاً وہ تحریر جو پڑھ رہی تھی نکلی اور ظاہر ہوگئی تو پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو بہن نے جواب دیا کہ یہ آیت قرآن ہے، تو عمر نے کہا کہ مجھے دے دو کہ میں ہاتھ میں لے کر دیکھوں تو بہن نے کہا کہ نہیں تم ناپاک ہو بغیر وضو نہیں چھو سکتے تو عمر رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور پڑھا۔ سورہ طٰہٰ کی شروع کی آیت تھی:

طٰهٰ ۞ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۞ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۞ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۞ (طٰہٰ:۱-۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کانپ اٹھے اور کہا کہ اچھا مجھے محمد کے پاس لے جاؤ میں بھی ایمان لاؤں گا۔ اس وقت عمر کے بہنوئی بھی پردے سے آگئے اور عمر رضی اللہ عنہ کو دربار نبوی میں لے گئے تو وہاں بعض صحابہ نے کہا کہ دروازہ مت کھولو۔ معلوم نہیں عمر کا کیا خیال ہے۔ کیونکہ ہاتھ میں تلوار بھی تھی۔ حضرت حمزہ دو دن پہلے مسلمان ہو چکے تھے حضرت حمزہ نے کہا کہ نہیں، کھولو، اگر نیت خراب ہے تو خود اپنی تلوار سے مارا جائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ کھولو ان شاء اللہ خیر ہی لے کر آیا ہوگا۔ کیونکہ ایک دن پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ اللهم انصر الإسلام بأحد العمرين۔ ایک حضرت عمر کے بارے میں اور ابو جہل کا نام بھی عمر تھا۔ ان دونوں کے متعلق فرمایا تھا کہ دونوں میں سے ایک کو مسلمان بنا کر میرے دین کی مدد کیجئے۔ عمر فاروق کے بارے میں دعا قبول ہوگئی۔ حضرت عمر مسلمان ہونے کے بعد کہنے لگے کہ جہاں جہاں میں نے کفر کا اعلان کیا تھا وہاں جا کر اسلام کا اعلان کروں گا۔ سب سے پہلے جا کر ابو جہل سے کہا کہ سنو میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ لو کیا کرو گے کرلو۔ اور دروازہ

اس کے منہ پر مارا۔ انتالیسواں مسلمان حضرت حمزہ تھے اور چالیسواں مسلمان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ اب کچھ ہمت آئی اور سب نے مشورہ کر کے بیت اللہ میں جا کر نماز باجماعت ادا کی۔ اور کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ کچھ کہے۔ آخر مشرکین عرب نے میٹنگ کی کہ کیا کرنا چاہئے؟ سب نے مشورہ کیا کہ ابوطالب کے پاس جا کر اس معاملے کو حل کریں کہ یا تو اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالہ کر دو یا کم از کم اتنا کر دو کہ وہ خود اپنے دین پر عمل کرتے رہے مگر ہمارے بتوں کو بُرا بھلا نہ کہے۔ ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بیٹا تم سن چکے ہو جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔ تمہارا اس میں کیا خیال ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور فرمایا: اے چچا! حق تو یہ تھا کہ سب سے پہلے آپ کو دعوت دیتا [ ] سے کہا نہیں، آج میں آپ کو دعوت دیتا ہوں۔ اگر آپ کو منظور نہیں ہے تو مجھے اللہ کے حوالہ کیجئے اور میری مذمت کیجئے یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے تشریف لے گئے۔

درس قرآن درنرسری مورخہ ۱۲ شوال شنبہ ۱۳۹۷ھ

تقریباً نواں سال تھا جب صحابہ کرام حبشہ کی طرف ہجرت کیے تھے۔ اب دسواں سال شروع ہوتا ہے جس کو عام الحزن نام رکھا گیا تھا۔ حضرت ابوطالب بیمار ہو گئے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کی فکر ہوئی یہاں اہل قریش نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا تاکہ ابوطالب کے پاس نہ جا سکے۔ یہ کفار ڈرتے تھے کہ کہیں مسلمان نہ ہو جائے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطالب سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ اے چچا اب آخری وقت میں صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہیے اور کرنا کچھ نہیں حضرت ابوطالب نے جواب دیا کہ بے شک جو بات تم کہہ رہے ہو یہ بالکل خیر خواہانہ نصیحت ہے اور اس دین کی طرف دعوت دے رہے ہو جو تمام مذاہب سے افضل ہے مگر بات یہ ہے کہ لوگ مجھے طعنہ دیں

گے کہ ابوطالب نے آخری وقت میں اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دیا ہے۔

خیارہم فی الجاہلیۃ خیارہم فی الإسلام۔

حضرت ابوطالب ایمان نہ لائے اور اسی حالت میں وفات ہوئی۔ اب حضور ﷺ پر حزن وملال کا امنڈ آ پڑی اور ایک ماہ کے اندر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوگیا۔ اب ابولہب حضور ﷺ کے حمایت میں آ گئے اور لوگ کہتے تھے کہ تم کیوں ان کی امداد کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ جیسے ابوطالب حامی تھے ایسا ہی میں بھی تو ایک چچا ہوں۔ آخر لوگوں نے کہا کہ تم محمد ﷺ سے پوچھو کہ عبدالمطلب کہاں ہے؟ تو سوال کیا گیا حضور ﷺ نے جواب دیا کہ وہ وہاں ہے جہاں اور ساری قوم ہے۔ اس پر ابولہب برا بھلا کہتے ہوئے چلے گئے۔ کفار نے ان کو بھگانے لیے یہ تدبیر کی تھی۔ الغرض حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد اب یہ حالت ہوئی کہ جہاں حضور ﷺ تشریف لے جاتے تھے وہاں ایذائیں پہنچانے اور تکلیف دیتے تھے۔ مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے شاید وہ کچھ سنے مگر طائف کے باشندوں نے بھی سخت مخالفت کی اور کہا کہ پہلے مکہ والوں کو منوالو۔ اپنے علاقہ کو پہلے درست کرو۔ پھر ہم کو اپنا دین سناؤ۔ الغرض وہ لوگ بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہاں قبیلۂ بنی ثقیف جو تھے بڑے مال دار اور صاحب ثروت تھے اور بنی ثقیف اور قریش کے مابین سود کا معاملہ چلتا تھا اور یہ لوگ آپس میں مشترکہ حیثیت سے تجارت کرتے تھے۔ اب سود کے ممانعت کی آیت نازل ہوئی۔ ارشاد ہے

فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ (البقرۃ: ۲۷۹)

۸ھ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اب کفار کہتے تھے کہ ہم تو اپنا سود لیں گے اگر منع ہے تمہارے لیے ہے ہم تو پابند نہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سود تھا بیس ہزار۔ حضور ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے عباس رضی اللہ عنہ کا سود چھوڑا جائے گا۔ کیوں کہ ان کا

سود کفار کے ذمہ بہت زیادہ تھے۔ اس لیے پہلے ان کا سود چھڑایا گیا تاکہ کفار یہ سمجھے کہ مسلمانوں کا سابق سود برقرار رکھا اور ہمارا روک دیا گیا۔ اس لیے مسلمانوں کی جماعت سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سود پہلے چھڑایا گیا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی یار و مددگار مکہ میں نہ رہا اور نہایت خستہ دلی سے مکہ سے طائف چلے گئے اور کفار نے حضور کے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذا رسانی کے لیے "اوباش لڑکوں کو" لگا دیا یہاں تک کہ لڑکے شہر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹخنوں پر پتھر مارتے تھے اور لہولہان ہو گئے تھے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی تھے نہایت جان نثارانہ ثبوت دیا حضرت زید بن حارثہ یہ کام کرتے تھے کہ جس طرف سے پتھر آتا تھا اس طرف اپنے کو پیش کرتے تھے۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو آخر کہاں تک بچاؤ کی صورت کریں گے بے چارہ تنہا ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے بیٹھ گئے کہ عرب کا دستور تھا جہاں اپنے مقابل بیٹھتے تھے تو اس سے مقابلہ چھوڑ دیتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ گئے تو دو شخص آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک پکڑ کر کھڑا کر دیا اور ٹخنوں پر پتھر مارنے لگے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ تکلیف کہاں ہوئی تب فرمایا کہ طائف میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں عجیب وغریب دعا مانگی:

اللهم إنی [أشكو إليك] ضعف قوتی الخ

طائف کے باغ میں بیٹھ کر یہ دعا مانگی تھی پھر فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ باغبان نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا پانی پلایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی چونکہ وہ نصرانی تھا مسلمان ہو گئے پھر وہاں سے نخلہ ایک مقام ہے وہاں تشریف لے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک تلاوت فرما رہے تھے کچھ جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تلاوت کو سنا۔ وہ جنات مست ہو گئے اور متاثر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ٹائم دیا اور مسلمان کیا اور اسلام کی دعوت دی۔ پھر جنات جوق در جوق مسلمان ہونے لگے اور

اپنی قوم کو دعوت دی اور بہت زیادہ مسلمان ہوئے اب یہ فکر ہوئی کہ کہاں جانا چاہیے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مکان بھی دوسروں نے قبضہ کرلیا۔ایک اہل قریش سے پناہ مانگی مگر اس نے بالکل کورا جواب دے دیا۔آخر مطعم بن عدی کو جوش آیا کہ عبدالمطلب کا پوتا آج یہ حال۔تو موتم بن عدی نے اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ سب تلوار لے کر کھڑے ہو جاؤ اور کوئی مقابلہ کے لیے آئے تو تیار رہو اور اعلان کر کے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں پناہ دے رہا ہوں اگر کسی کو شوق ہو تو مقابلہ کرو۔اللہ تعالیٰ نے اس طرح انتظام فرمایا۔کفار مکہ نے کہا کہ اگر چاند کو دو ٹکڑے کرو گے تو مسلمان ہو جائیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا ایکان میں اور ایک ٹکڑا جبل بطر قبیس میں نظر آیا اور مکہ والوں کے علاوہ غیر مکہ کے لوگوں نے بھی مشاہدہ کیا اس معجزہ کو دیکھ کر کچھ کفار مسلمان ہو گئے تھے۔مالیبار کا راجہ بھی اسی معجزہ میں مسلمان ہوا تھا جس کا ثبوت تاریخ فرشتہ میں موجود ہے۔اسی عرصے میں دو تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔طفیل بن عمرو دوسی ایک سردار کفار وہاں آئے تو لوگوں نے اطلاع دی کہ یہاں ایک جادوگر آیا ہے۔ان کی بات سننے سے ایسا اثر پڑتا ہے کہ اپنے خویش اقارب سب کو چھوڑ دیتے ہیں تو وہ کان میں روئی ڈال کر بیت اللہ میں گئے آخر اس نے سوچا کہ میں سردار قوم ہوں یہ کیا بے وقوفی ہے کہ اگر کوئی اچھی بات ہو تو مان لوں گا اگر بری بات ہو تو نہیں مانوں گا تو اس نے اپنے کان سے روئی نکال دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے تھے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو گئے اور مسلمان ہو لیا۔تب انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میں سردار قوم ہوں مجھے کوئی نشانی ایسی دیجیے کہ میری قوم اس نشانی کو دیکھ کر میری بات مان لے۔ان شاء اللہ مجھے امید ہے کہ میری تمام قوم مسلمان ہو جائے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور وہ اپنی قوم کی طرف چلنے لگے تو

ایک نور ان کی پیشانی سے ظاہر ہوا تو انہوں نے خیال کیا کہ لوگ پیشانی کو دیکھ کر ڈر جائیں گے کہ یہ پیشانی میں کیا ہے تب انہوں نے اللہ سے دعا کی تو وہ نور ان کے کوڑے میں منتقل ہو گئے اپنی قوم میں پہنچے اور سب مسلمان ہو گئے اور دوسری تائید مدینہ سے شروع ہوئی وہاں ہی لوگوں کو روک رہے تھے کہ طائف میں ایک جادوگر ہے وہاں مت جاؤ۔ تو سات آدمی مدینے سے حضور ﷺ کی ملاقات میں آئے۔ ان لوگوں کو بھی بعینہ وہی خیال پیدا ہوا جو طفیل بن عمرو دوسی کو ہوا تھا۔ حتی کہ ساتوں افراد حضور ﷺ کے شرف زیارت سے مستفیض ہوئے اور ایمان سے مالا مال ہوئے۔

۲۳ ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ

سردار دو عالم ﷺ کو اسی زندگی میں اپنی آنکھوں سے معراج نصیب ہوا ہے حالاں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو روک دیا گیا، یہ سردار کائنات ﷺ کا ایک خاص قرب ہے جو پہلے حضور ﷺ کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ یہ ایک خاص مقام تھا جہاں پر جبرئیل بھی نہیں جاسکے۔ حتی کہ جبرئیل کے بارہ یہ شعر ہے۔

اگر ہر سرے موے ہر تر پرم
بنور تجلی بسوزد برم

جب حضور ﷺ عرش پر تشریف لے گئے تو سب سے پہلے حضور نے عرش کے نیچے سجدہ کیا اور تحیات بجا لائے۔ وہاں پر پڑھا تھا التحیات اللہ والصلوت والطیبات السلام علیک ایھا النبی۔ تمام تحیہ آپ کے لیے ہیں اور صلوات آپ کے لیے اور تمام پاک چیزیں آپ کے لیے ہیں۔ جواب آیا السلام علیک ایھا النبی۔ اس مقام پر پہنچ کر ایھا النبی فرمایا۔ جس وقت لایا گیا اس وقت عبد کہا گیا ہے۔ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہو۔ السلام علینا

وعلی عباد اللہ الصالحین۔ ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام جب آدمی نیک بن جاتا ہے تو نمازی دشمن بھی اس کے لئے دعا کرتا ہے۔ کیوں کہ اس کو نکال نہیں سکتا۔ وہاں نیکی کو نیکی کھینچ لاتی ہے۔ کوئی ایک سجدہ تو کر کے دیکھ لے مگر وہ ڈھنگ کا سجدہ ہو۔ جس وقت انسان نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ صالحین میں شمار ہوتے ہیں اب دیکھئے آپ کو ایک ہی وقت میں کروڑوں مسلمان کی دعا شامل ہوتی ہے۔ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان خواہ وہ اللہ کے حکم کو بھی نہ مانتے ہوں اور حضور ﷺ کی ایک ہدایت کو بھی نہ مانتے ہوں مگر وہ ہندو بننے کے لئے یا یہودی بننے کے لئے تیار نہیں آخر کیا وجہ ہے؟ حضور ﷺ کی عجیب تعلیم ہے: پیدا ہونے کے بعد کان میں جو شہادت کا کلمہ پڑھا گیا ہے اسی کا اثر ہے۔ ایمان کا بیج کان میں ڈال دیا گیا ہے۔ الغرض کوئی مسلمان جو حضور ﷺ پر ایمان لایا ہے اس کے لئے شہادت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ تمام مومنین جہنم سے خلاص ہو کر (۱) جنت میں چلے جائیں گے اگر چہ درجہ بدرجہ ہوگا۔ مگر جہنم میں کوئی مسلمان نہیں رہے گا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (البقرۃ:۲۸۶)

[اللہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا]

مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ

اللہ نے دین میں کوئی تکلیف (تنگی) پیدا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ سب سے زیادہ جب انسان سجدہ کرتا ہے اللہ کے قدموں پر سجدہ کرتا ہے تو وہ زمین عرش کے درجہ میں ہو جاتا ہے۔ یعنی اس نے قدم رب پر سجدہ کیا ہے۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ (الفتح:۲۹)

ایک صحابی سینہ میں تیر لگی تھی تو اس نے اپنی نماز کو اسی طرح بغیر نکالے پورا کر لیا تو

(۱) یعنی جہنم سے خلاصی پا کر۔ مرتب

اس سے پوچھا گیا کہ میاں تیر نکال لیتے اور اطمینان سے بعد میں نماز پڑھتے تو اس نے کہا کہ میں اس آیت (۱) کی تلاوت کر رہا تھا اور مجھے اس کا لطف آ رہا تھا۔ اس لئے درمیان میں پہنچ کر تیر نکالنا گوارا نہ کیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے مکان کے سامنے راستے کے اوپر کباڑ مت پھینکو۔ اسلام نے صفائی سکھائی ہے۔ رسول اکرم ﷺ تین چیزیں لائے۔ ایک شفاعت کا وعدہ۔ دوسری خواتیم سورۂ بقرہ۔ تیسری نماز۔ جب حضور ﷺ تشریف لا رہے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا کہ معراج سے کچھ لا رہے ہوں گے پوچھا گیا تو حضور ﷺ نے بتایا کہ تین چیزیں لایا ہوں۔

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ نعمانی مسجد نرسری

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا مگر حضور ﷺ نے ان کو روک لیا کہ ابھی مت جاؤ اور کفار مکہ نے یہ مشورہ کیا کہ یہ جھنجھٹ ختم کر دینا چاہئے۔ سب نے یہ طے کیا کہ حضور ﷺ کو قتل کر دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اطلاع دی تب حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آج رات کو ہمیں یہاں سے چلا جانا چاہئے۔ فکر یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کے پاس لوگوں کی امانتیں بہت تھیں اس کے متعلق یہ کیا کہ اس کی فہرست حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر دی اور کہا کہ یہ ہنگامہ ختم ہونے کے بعد سب کی امانت پہنچا دینا اور اس رات کو حضور ﷺ کی چارپائی پر حضرت علی کو لٹا دیا اور یکسر کفار نے آ کر محاصرہ کر لیا اور حضور اقدس ﷺ اسی حالت میں یہ آیت

---

(۱) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تھے اور نماز میں سورۂ کہف کی تلاوت سے اس قدر محظوظ ہو رہے تھے کہ انہوں نے تلاوت کو روک کر تیر کو اپنے جسم سے نکالنا گوارا نہیں کیا۔ (ملاحظہ ہو: سنن ابی داود مع الحاشية بتحقيق فضيلة الشيخ شعيب الأرنؤوط، وفضيلة الشيخ محمد كامل قره بللي، باب الوضوء من الدم، ودلائل النبوة للبيهقي ۳:۳۷۸)۔ مرتب

پڑھتے ہوئے نکل گئے

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٩﴾ (یٰس:۹)

اورکسی نے حضور ﷺ کونہیں دیکھا۔ اسی حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت صدیق اکبر کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ ادھر یکسر کفار حضور ﷺ کو محاصرہ کر کے اسی انتظار میں تھے کہ جب صبح کو نکلیں گے تو قتل کر دیں گے صبح حضرت علی کو اسی چارپائی پر پایا اور سب نامراد ہو گئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کفار کی امانات دینے کے لئے حضور ﷺ نے اتنا اہتمام کیوں فرمایا۔ حالاں کہ مال غنیمت حاصل کرنا کوئی گناہ بھی نہیں۔ مال غنیمت اسی کو کہا جاتا ہے۔ جو کفار کے مال ہو۔ ان کے مال وجان سب حلال تھے مگر حضور ﷺ نے اس کی ادائیگی کی اتنی کیوں فکر فرمائی۔ فقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب تک اعلان جنگ نہ ہو کفار کا مال حلال نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ چھ چیزوں کی مجھے فضیلت دی گئی ہے

(۱) تمام عالم کے لئے مجھے نبی بنایا گیا ہے۔

(۲) مال غنائم میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔

(۳) تمام زمین کو میرے لئے مسجد بنائی گئی ہے علی ہذا القیاس اور بھی تین چیزیں ہیں جو ابھی ذہن میں نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کہ ایک اسرائیلی اور ایک قبطی میں جھگڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آ رہے تھے اور اسرائیلی نے کہا کہ اے موسیٰ! یہ مجھے مار رہا ہے حضرت موسیٰ کو غصہ آیا اور ایک مکا قبطی کو لگایا اور مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی وجہ سے شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور حضرت موسیٰ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں جو استغفار کیا اس میں یہی درخواست ہے کہ اے اللہ! میں نے بڑا ظلم کیا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارہ میں عجیب نکتہ بیان

فرمایا کہ جیسے زبانی معاہدہ ہوتا ہے اسی طرح ایک عملی معاہدہ ہوتا ہے کہ ایک کافر اور ایک مسلمان ایک جگہ میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے مطمئن ہیں۔ یہ عملی معاہدہ ہے۔ اگر ان کو قتل کرنے کا خیال ہو کہ آیندہ تم ہمارے اوپر اطمینان نہ رکھو اگر ہم کو موقع ملا تو تمہاری جان لے لیں گے تم ہوشیار رہو۔ الغرض کفار مکہ نے جب دیکھا کہ حضور ﷺ نہیں ہیں بلکہ اس چار پائی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نکلتے ہوئے دیکھا۔

[بہرکیف! پھر آپ ﷺ نے] ایک پہاڑی غار کے اندر آرام فرمایا۔ اس غار میں سوراخ بہت تھے۔ [حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے] اپنا کپڑا پھاڑ پھاڑ کر سوراخ بند کر دئے مگر پھر بھی کچھ سوراخ رہ گئے تھے۔ جن سوراخوں پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود اپنا انگوٹھا رکھ لیا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنا سر مبارک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ران پر رکھ کر آرام فرمایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اسی سوراخ سے سانپ نے کاٹا جس میں انگوٹھا رکھا تھا۔ اب پھر بھی اسی طرح خاموش رہے مگر بے اختیار آنسو نکل کر حضور ﷺ کے جسم مبارک پر پڑے۔ حضور ﷺ بیدار ہوئے، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ صدیق اکبر نے عرض کیا کہ سانپ نے کاٹا۔ تب حضور ﷺ نے لعاب دہن مبارک سے لے کر لگا دیا تو تمام درد وغیرہ کافور ہو گیا۔ الغرض جب حضور ﷺ کی چار پائی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اٹھتے ہوئے دیکھا تو ایک بہت بڑا انعام کا وعدہ کر کے مکہ کے چاروں طرف تعاقب کے لئے لوگوں کو بھیجا گیا۔ حق تعالیٰ نے اس غار پر ایک جنگلی کبوتر بھیج دیا اور مکڑی کو حکم دیا کہ جالی تانے اور کبوتر نے اس پر انڈا دیا۔ کفار بالکل غار کے قریب پہنچے تو حضرت صدیق اکبر نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم تو پکڑے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

اے ابوبکر! مت پریشان ہو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ حضور ﷺ کے پیغمبرانہ دلیری تھی کہ نہایت اطمینان کے ساتھ یہی جواب دیا۔ اسی طرح ایک بار حضور ﷺ نے صحابہ سے ذرا دور جا کر آرام فرمایا۔ ایک کافر دور سے دیکھ رہا تھا جب آرام فرما چکے تو بجلی کی طرح آئے اور پہلے تلوار پر قبضہ کرلیا اور حضور ﷺ سے پوچھا کہ اب تمہیں کون بچائے گا؟ تو بے دھڑک حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بچائے گا۔ یہ جواب سن کر اس کے ہاتھ میں لرزہ پیدا ہوا اور تلوار زمین پر گر پڑی۔ تب حضور ﷺ نے تلوار لے لیا اور پوچھا کہ اب تم کو کون بچائے گا؟ تب اس نے معافی چاہی حضور ﷺ نے اس کو بخش دیا۔ الغرض حضور ﷺ غار حرا میں تین دن تک رہے اور حضرت اسماء بنت ابوبکر کھانا پہنچا جاتی تھی جب اندازے سے معلوم ہوا کہ اب کفار مکہ مایوس ہوگئے ہیں تو عامر بن فہیرہ کے ذریعے اونٹ لایا گیا تھا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ اونٹنی پر سوار ہوگئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی پوچھے کہ تم کون ہو تو کیا جواب دینا چاہئے اگر سچ بولیں تو پکڑے جائیں گے اور جھوٹ بولیں تو کیسے بولیں؟ یہ تجویز فرمایا کہ تم توریہ کرلینا مجھے جواب دینے کی نوبت نہ آئے۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ان کے بارہ میں سوال کرتے ہیں تو فرماتے تھے:

أنا باغي الحاجة۔

یعنی میں ایک ضرورت مند شخص ہوں یہ کہہ کر نکل جاتے تھے اور پورا جواب نہیں دیتے تھے اور جب حضور ﷺ کے بارہ میں سوال کرتے تھے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہی جواب دیتے تھے:

ہذا الرجل یہدینی السبیل

یعنی یہ شخص مجھ کو راستہ بتاتا ہے۔ تو سننے والے تو یہی سمجھتا ہے کہ دنیا کا راستہ بتاتا ہے مگر صدیق اکبر ﷺ کا منشا دین کا راستہ بتانا مقصود ہے۔ اسی کا نام توریہ ہے۔ فقط۔

طالب علم کا نصاب زندگی

حضرت الشیخ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کا دارالعلوم کے طلبہ سے خطاب

حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کا "تفقہ فی الدین" کے موضوع پر یہ فکر انگیز خطاب حضرت مولانا صابر دانش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند فرما کر قارئین البلاغ (رجب ۱۳۹۷ھ) کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اب اسے مجموعۂ ہذا میں بھی شامل کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ مرتب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيأت أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، صلى الله تعالى عليه و على آله وأصحابه أجمعين

علم دین کا مفہوم

قرآن کریم کی ایک آیت جس کی تفسیر وتفصیل گذشتہ کئی ہفتوں سے ہوتی رہی ہے
فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ
(التوبۃ:۱۲۲)

یہاں تک تفسیر ہو چکی ہے، میں نے عرض کیا تھا کہ یہ آیت تو مختصر سی ہے، لیکن در حقیقت یہ اہل علم کا پورا نصابِ زندگی ہے، صرف نصابِ تعلیم ہی نہیں، نصابِ زندگی ہے، طالب علم کو، اہل علم کو کیا کرنا ہے؟ طالبِ علمی کے زمانہ میں کیا کرنا ہے؟ اور کس نیت سے کرنا ہے؟ اور طالب علمی سے فارغ ہو کر عمر بھر کیا کرنا ہے؟ "ولیتفقھوا فی الدین" تک یہ بات بتلائی گئی، کہ جو طائفۃ علم دین حاصل کرنے نام پر جمع ہوا ہے اس کا کام یہ ہے کہ دین میں سمجھ بوجھ پیدہ کرے، دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی تفسیر بار بار کرتا آیا ہوں، کہ محض تعلیم حاصل کرنا مقصود نہیں، دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے اور سمجھ بوجھ اس کو کہا جائے گا جبکہ علم کے ساتھ عمل بھی [ہو]۔

جہل کی حقیقت

جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو وہ دین کی سمجھ بوجھ نہیں کہلاتی، ایسا علم تو شیطان کو بھی ہے، ابو جہل اور ابولہب کو بھی تھا

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ (النمل:۱۴)

قرآن کا اعلان ہے کہ ان لوگون نے جان بوجھ کر جحود (انکار) کیا تھا، ابو لہب، ابو جہل یہ سب حضور سرورِ عالم ﷺ کی نبوت سے، رسالت سے آپ کی شان سے واقف تھے، ناواقف نہیں تھے، جانتے بوجھتے یہ (تکذیب) کرتے تھے۔
ابو جہل کا تو مشہور قصہ ہے کہ بہت سی چیزوں میں اس کا اعتراف پایا گیا مگر جب

اس کو کہا گیا کہ کمبخت تو جانتا ہے، اور مانتا ہے اور قرآن کی عظمت کو بھی پہچانتا ہے، تجھ کو رسولِ کریم (کی صداقت) کا قوی اعتراف ہے تو پھر مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا، اس نے کہا کہ بات ساری یہ ہے کہ قبیلوں کی جنگ جیسے ہوتی ہے اسی طرح بنو ہاشم کا اور ہمارا مقابلہ ہے، سب کاموں میں تو یہ ہوتا ہے کہ بنو ہاشم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے یہ کام کیا تو وہ ہم بھی کرتے ہیں، جتنے کام اچھے سمجھے جاتے ہیں دنیا میں سخاوت کے شجاعت کے، بہادری کے، جو عرب میں معروف تھے نیک کام، ان سب نیک کاموں میں جو کام بنی ہاشم کہتے ہیں کہ ہم کرتے ہیں تو ہم بھی ان کا جواب دے دیتے ہیں۔

لیکن اب انہوں نے یہ کہنا شروع کیا ہے کہ ہمارے میں ایک رسول آیا ہے، اس کا ہمارے پاس کیا جواب ہے؟ اس واسطے ہم اُنہیں رسول نہیں مانتے، نہ ماننے کا سبب یہ ہے کہ بنو ہاشم کی برتری ہمارے اوپر ثابت ہو جائے گی، اور ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا۔

تو بہر حال کہنا میرا یہ ہے کہ جیسے ابلیس، حضور سرور عالم ﷺ کو بھی جانتا ہے اور اللہ اور اللہ کی توحید کو بھی جانتا ہے، لیکن ان تمام چیزوں کو جاننے کے باوجود جحود کرتا ہے، قریب یہی حال تھا ابولہب اور ابوجہل کا، اور دوسرے ان کافروں کا جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہے ہیں، جنہوں نے آپ کو پرکھا ہے، دیکھا ہے، آنکھوں سے مشاہدات کئے ہیں، سب کو یقین تھا آپ کی نبوت اور رسالت کا، اس کے باوجود اپنے اغراض دنیوی اور خواہشات کی بنا پر جحود کیا کرتے تھے۔

میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تفقہ فی الدین اس کا نام نہیں کہ کسی چیز کو جان لے، یا کسی مسئلہ کو جان لے کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز ہے، مکروہ ہے یا مستحب ہے۔ اتنا جان لینے کا نام علم نہیں ہے، اتنا جان لینے کے بعد فقہ نہیں ہے، فقہ دین کی سمجھ بوجھ کا نام ہے، جس کے پیچھے عمل ہونا چاہئے، جس علم کے ساتھ عمل نہ آیا،

جس علم پر عمل مرتب نہ ہوا، وہ علم کہلانے کا مستحق نہیں، حدیث کے الفاظ میں اس کو جہل کہا گیا ہے "إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ لجهلا" یعنی بعض علم جہل ہوتے ہیں، یہ علم کہ جس کے پیچھے عمل نہ ہو وہ علم شریعت کی اصطلاح میں، قرآن کی اصطلاح میں، حدیث کی اصطلاح میں علم کہلانے کا مستحق نہیں وہ جہل ہے۔

علم کا مقصود اور ہماری کیفیت!

تفقہ فی الدین کا لفظ قرآن میں اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ علم کے ساتھ اور اس کے پیچھے پیچھے عمل آئے اور آپ کو یہ محسوس ہو کہ اگر ہم نے ہدایہ پڑھی، قدوری پڑھی، کنز پڑھی، ان معاملات کا باب پڑھا، کہ فلاں معاملہ جائز ہے فلاں ناجائز ہے، یہ حرام ہے، یہ مکروہ ہے، یہ مستحب ہے، اگر ہم بازار میں جاکر وہ اپنے اسباق یاد نہیں کرتے تو ہمارا پڑھا لکھا بےکار ہے۔

اب تو ہمارا حال یہ ہے کہ کتاب مدرسہ میں پرھائی جاتی ہے، آگے مدرسہ سے باہر اس کتاب کا کوئی اثر ہمارے وجود میں نہیں ہوتا، معاملات کرنے کے لئے چلیں تو ہمیں کچھ فکر نہیں ہوتی، کہ ہم سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ بول رہے ہیں، جو جی چاہتا ہے کہہ دیتے ہیں تجارت کرنا ہو، بیچنا ہو، یا خریدنا ہو، جو جی میں آیا کہہ دیا، اور کچھ فکر نہیں کرتے کہ ہم یہ غلط بول رہے ہیں یا صحیح کر رہے ہیں۔

غرض یہ کہ جس علم کے ساتھ معاملات اگر پڑھیں، تو آپ کے معاملات کی درستگی ہونی چاہیے، محاسبہ کرو اپنے معاملات کا، آداب اور اخلاق پڑھیں، قرآن وحدیث سارا بھرا ہوا ہے، ان آداب واخلاق سے، عادات اور معاشرت سے سارے قرآن وحدیث میں اسی کی تعلیم دی گئی ہے، جو کچھ بھی پڑھا ہے اس کا اثر آپ کے اعمال پر ہونا چاہئے، اپنے دل پر ہونا چاہئے، وہ آدمی پہچانا جانا چاہئے اس چیز کہ یہ علم دین

پڑھتا ہے، اس کے چہرے سے معلوم ہو، اس کے عمل سے معلوم ہو، پہلے تو عام مسلمانوں کا یہ رنگ تھا کہ محض ان کو دیکھ کر لوگ ان کو پہچانا کرتے تھے کہ یہ مسلمان ہیں "اَلّذِینَ إذا رُؤُوا ذُکِرَ الله" جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ کرنے کا کام تفقہ فی الدین ہے، دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے یہ ساری کائنات کا حاصل ہے، آٹھ برس جو آپ یہاں دار العلوم میں رہ کر کچھ سیکھیں گے، پڑھیں گے ان سب کا حاصل یہی دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے اور سمجھ بوجھ پیدا کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ علم کے ساتھ عمل ہو، آپ کے اعمال پر، آپ کی چال ڈھال پر اور آپ کی حرکت وسکون پر اپنے علم کا اثر ہو، یہ ہے تفقہ فی الدین، یہاں تک کی بحث پہلے مفصل آچکی ہے، اس کا تھوڑا سا خلاصۃً اعادہ کیا گیا۔

تدبّر فی القرآن کی اہمیت

آگے اس کے بعد دوسرا نمبر یہ بتایا کہ علم دین پڑھنے کے بعد کیا کرنا ہے؟ قرآن کریم کے الفاظ، حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں تدبر کرنا، غور وفکر کرنا، اہل علم نے چھوڑ دیا ہے، عوام تو بے چارے کیا کریں، الفاظ قرآن کو دیکھتے ہی نہیں، کہ قرآن کیا چاہتا ہے، اگر غور کریں تو قرآن کے ایک ایک لفظ میں عجیب عجیب ہدایتیں ملتی ہیں، ابھی جیسے میں نے کہا، کہ قرآن نے "لیتعلموا الدین" نہیں کہا "لیتفقھوا فی الدین" کہا ہے، "لیتفقھوا الدین" بھی نہیں کہا، "لیتفقھوا فی الدین" کہا، یہ الفاظ بدل دیں، اتنے سے الفاظ بدلنے سے معانی میں ایک بڑا عظیم انقلاب ہوجائے، یہاں تک تو تفسیر یہ بتلائی کہ طالب علمی کے زمانہ میں جو آپ چل کر آئے ہیں، علم حاصل کرنے کے لئے اس کا حاصل تفقہ فی الدّین ہے، اور اُسے آپ کو حاصل کرنا ہے جس قیمت پر بھی ہو، اور یہ بھی معلوم ہوگیا جیسے میں نے پہلے کہا تھا، کہ

جب تک پورا کا پورا اپنا وجود اور اپنی توانائی اس علم کے پیچھے نہیں خرچ کرو گے تفقہ فی الدین نہیں آئے گا۔

دینی طلبہ کی کوتاہ نظری

آگے فرمایا جاتا ہے کہ تفقہ فی الدین حاصل ہو گیا، آپ دارالعلوم سے پڑھ کر فارغ ہو گئے، اور فرض کرو جیسا ہونا چاہئے ویسے ہو گئے، دین کی سمجھ بوجھ بھی حاصل ہو گئی، اللہ (تعالیٰ) نے علم کے ساتھ عمل بھی دے دیا، آگے کیا کرنا ہے؟ آپ کے پیش نظر کیا ہو گا؟

آج کل کی دنیا میں کالج، یونیورسٹی اور سکولوں کے طالب علم تو یہ دیکھتے ہیں، کہ ڈگری ملے گی، اس ڈگری کے پیچھے نوکری ملے گی، سرکاری دفتروں میں، آپ کے یہاں تو قصہ نہیں، آپ کی مسند پر تو کوئی نوکری نہیں، لیکن بدقسمتی سے کہو، یا خوش قسمتی سے کچھ نوکریاں یہاں بھی ملنے لگیں، ہماری مسند پر اور ہمارے اس فارغ ہونے پر کہیں مدرسہ کی مدرسی، اور کہیں کسی مسجد کی امامت وخطابت وغیرہ۔

علماء کا منصبِ جلیل

قرآن سے پوچھئے قرآن کیا چاہتا ہے؟ آپ کو کیا کرنا چاہئے؟ آپ کی اور ہر ایک کی نظر اس پر جاتی ہے، کہ پڑھنے کے بعد ہمیں کہیں ملازمت کرنی ہے، معاش کی فکر اپنی جگہ ہے، وہ بھی شریعت کے احکام کے تابع ہے وہ کوئی گناہ نہیں، عیب نہیں، کسب المعاش فریضة بعد الفریضة حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسبِ معاش بھی فریضہ ہے، دوسرے فرائض کے بعد، لیکن علم پڑھنے کے نتیجے میں کسبِ معاش اس پر مرتب کرنا یہ قرآن کے الفاظ کو دیکھو، معلوم ہو گا کہ اس سے یہاں کوئی تعلق ہی نہیں، علم پڑھنے کے بعد آپ کی معاش کیا ہو گی؟ قرآن اس کی طرف اشارہ

بھی نہیں کرتا، علم پڑھنے کے بعد تمہیں کیا کرنا ہے؟

وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا إِلَيْهِمْ (التوبۃ: ۱۲۲)

تو دو طبقے ہو گئے، اوپر کی آیت میں دو ۲ طبقے کر دیئے گئے تھے، ایک طبقہ وہ جو جہاد میں جاتا ہے، اللہ کے لئے جہاد کرتا ہے، جانیں اپنی قربان کرتا ہے، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے، یہ ایک طبقہ ہے، رہ گیا دوسرا طبقہ جو علم دین حاصل کرے، تو اس طبقہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ جس نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں رہ کر علم دین اور تفقہ فی الدین حاصل کیا ہے،

وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا إِلَيْهِمْ

(یعنی) جب وہ لوگ واپس آئیں جو جہاد میں گئے ہوئے ہیں، ان کو انذار کرو،

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾ (التوبۃ: ۱۲۲)

اگر تم ان کو کو انذار کرو گے تو ان میں حذر (ڈر) پیدا ہو گا، آخرت کی فکر پیدا ہو جائے گی۔

عزیزو! قرآن کے الفاظ میں تو غور کرو، بہر حال قرآن کریم اور حضور سرورِ عالم ﷺ کی تعلیمات کسبِ معاش کے منافی تو نہیں، اور کسبِ معاش کو حرام قرار نہیں دیتے بلکہ "فریضۃ بعد الفریضۃ" کہتے ہیں، لیکن تعلیم دین پر مرتّب نہیں کرتے، تعلیم دین کے بعد تمہاری نوکری کیا ہو گی؟ کیا کہیں مدرسہ میں مدرس بنو گے؟ یا مسجد کے امام و خطیب بنو گے؟ قرآن نے یہاں امامت کا ذکر کیا، اور نہ کسی مدرسی کا، قرآن نے ذکر یہ کیا "وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ" انذار کرو اپنی قوم کو، وہ قوم کہ جو دوسرے کام میں لگی ہوئی تھی، اور اُسے علم دین سیکھنے کا موقع نہیں ملا، ان کو انذار کرو، تمہیں جو کچھ علم دین حاصل ہوا ہے، امانت ہے وہ ان تک پہنچاؤ، یہ کام کرنا "لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ"

(غرضکہ) عمر بھر کی خدمت اور عمر بھر کی ڈیوٹی اور ذمہ داری تمہارے عالم

ہونے کی صرف اتنی ہے، کہ جو کچھ امانت علم دین کی تمہیں حاصل ہوئی ہے، یہ ان لوگوں کو پہنچا دو، جنہیں علم دین حاصل نہیں۔

انذار و تبلیغ کی عمومیت

اور اس جگہ قرآن نے "وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ" کہا ہے مقصد کے اعتبار سے غور کرو، تو یہ مفہوم عام ہو جائے گا، مراد یہ کہ جو لوگ علم دین حاصل کرنے سے قاصر رہے، اس واسطے کہ اُن کو جہاد کرنا تھا، اس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے جو اور دوسری جائز چیزوں کی وجہ سے قاصر رہے، یہ تو ایک فرض کا اعادہ [1] کرنے کی وجہ سے قاصر رہے، اور بعض وہ لوگ بھی ہیں، جو جائز چیزوں کی وجہ سے علم دین حاصل کرنے سے قاصر رہ گئے، جیسے تجارت پیشہ لوگ ہیں، زراعت پیشہ لوگ ہیں، کاشت کاری اور مزدوری کرنے والے لوگ ہیں، یہ لوگ کوئی دین کا فریضہ تو ادا نہیں کر رہے، ظاہر ہے کہ جس طرح جہاد کرنا فرض ہے اس طرح مزدوری کرنا یا تجارت کرنا دین کے فرائض میں سے تو نہیں ہے، اپنی دنیاوی ضرورت اور جائز ضرورت، حلال ضرورت کے مطابق لگ کر تجارت میں لگ گئے، مزدوری میں لگ گئے، صنعت میں لگ گئے، یا کسی اور کام میں لگ گئے، اور اس واسطے ان کو علم دین حاصل کرنے کی فرصت نہ مل سکی، تو تمہاری ذمہ داری ہے کہ ان کو پہنچاؤ، جن لوگوں نے علمِ دین پڑھا ہے تفقہ فی الدین حاصل کیا ہے ان کی ذمہ داری لگا دی کہ ان لوگوں کو علم دین پہنچاؤ جنہیں کسی جائز وجہ سے علم دین حاصل نہیں ہو سکا، خواہ جہاد کی وجہ ہو یا اور دوسری وجوہ ہوں، جن کو شریعت میں جائز قرار دیا ہے۔

---

(۱) مطبوع مضمون میں اسی طرح لفظ آیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں کاتب سے سہو واقع ہوا ہو اور اصل عبارت یوں ہو: "یہ تو ایک فرض کو ادا کرنے کی وجہ سے"۔ مرتب

تبلیغ و تعلیم کا فرق

پہنچانا کیا ہے، پہنچانے کی دو قسمیں ہیں، قرآن نے اس جگہ اس کی تفصیل نہیں کی، جو امانت علم دین کی آپ نے حاصل کی ہے وہ دوسروں تک پہنچانے کی دو قسمیں ہیں، ایک تعلیم، دوسری تبلیغ، تعلیم و تبلیغ میں فرق سمجھتے ہو یا نہیں؟ تبلیغ کے معنیٰ ایک کلمہ کو پہنچا دینے کے ہیں، ایک بے علم کو واقف کر دینا، ایک شخص کو علم نہیں ہے مسئلہ کا، اس کو مسئلہ بتا دینا، یہ تبلیغ ہوگئی، ایک شخص کو ایمان کی حقیقت معلوم نہیں، اس کو بتا دیا کہ اللہ ایک ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو کو شریک کرنا حرام ہے، تبلیغ ہوگئی۔

تعلیم کہتے ہیں دین کو تھوڑا تھوڑا ترتیب کے ساتھ پورا بتانا، تبلیغ میں یہ تو کہہ دیا کہ نماز پڑھا کرو، اب جا کر تم نماز سیکھو، تعلیم میں اسے تمام آداب و قواعد سکھانے پڑیں گے، تعلیم کا لفظ عربی لغت کے اعتبار سے بھی آتا ہے، تھوڑا تھوڑا، آہستہ آہستہ سکھانا، تعلیم کا ترجمہ سکھانا ہے، اور تبلیغ کا ترجمہ پہونچانا ہے، ان دونوں لفظوں میں، اردو زبان کے اعتبار سے بھی فرق ہے، سکھانا اور پہونچانا کسی کو ایک بات پہنچا دی یہ اور چیز ہے، اور کسی کو کام سکھانا اور چیز ہے۔

تبلیغ و تعلیم علماء کے فرائض ہیں

دونوں فرائض علماء کے ہیں، تعلیم بھی، تبلیغ بھی، تعلیم دینے کی بھی ضرورت ہے، رسول اکرم ﷺ کی دونوں شانیں تھیں

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط (المائدة:٦٧)

تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا، اور ایسے ہی إنما بعثت معلما اور قرآن مجید میں فرمایا گیا "یعلمهم الكتاب و الحكمة" تعلیم کتاب وحکمت رسول کریم ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل تھی، تو تعلیم بھی رسول اللہ کے فرائض منصبی میں ہے اور تبلیغ بھی،

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں چیزوں کے متعلق ہدایتیں کی ہیں، معلّمین کے لئے الگ ہدایتیں کی ہیں، اور مبلّغین کے لئے الگ، اور حضور اکرم ﷺ نے دونوں کام کئے ہیں، تعلیم کا بھی، تبلیغ کا بھی۔

تبلیغ کی فوقیت

لیکن اس جگہ قرآن عظیم نے تعلیم سے بھی آگے تبلیغ کو ذکر فرمایا ہے:

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ (التوبۃ:۱۲۲)

انذار کریں اپنی قوم کو جب وہ لوٹ کر آئیں، انذار ایک قسم کی تبلیغ ہے تعلیم نہیں، تبلیغ کو اس جگہ ساری چیزوں سے مقدّم رکھا ہے، اس سے یوں معلوم ہوتا ہے، کہ تعلیم کا حاصل بھی تبلیغ ہی ہے۔ غور کرو جتنے طلبہ کو ہم یہاں تعلیم دے رہے ہیں اس کا منشاء کیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ کے اور اللہ کے احکام پہونچانا، تبلیغ کا مفہوم ہے، اس کی ایک مکمل صورت یہ ہے کہ دین کے احکام خواہ ان کو اس کی ضرورت ہے یا نہیں، ہم نے ان کو سارے سکھا دیئے، پڑھا دیئے، تاکہ آگے جا کر یہ اور لوگوں تک پہنچائیں، تعلیم کا بھی اصل مقصود تبلیغ ہے۔ اگر تعلیم تعلیم ہی کے درجہ میں رہے اور تبلیغ تک نہ پہنچ سکے، تو اس کا حاصل پھر یہ ہے کہ وہ اپنے مقصد کو پہچانا نہیں، اگر ہماری تعلیم یہ رہے کہ ہم نے جو کتاب پڑھی وہ دوسروں کو پڑھا دیں صرف اتنا کام نہیں بلکہ کتاب پڑھانے کے پیچھے یہ بھی ہے کہ اس کو دین سکھا دیں اور اُسے دوسروں تک پہنچا دیں۔

انذار کا مفہوم

قرآن مجید نے اس آیت میں اہل علم کا مقصدِ زندگی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بتایا، انذار، اب غور کرو قرآن کے الفاظ میں کہ قرآن نے تبلیغ نہیں کہا، بلغوا نہیں کہا ولیبلّغوا قومہم نہیں کہا بلکہ ''ولینذروا قومہم'' فرمایا، قرآن کے ایک ایک حرف اور

ایک ایک لفظ میں عجیب وغریب نکات ہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ نہ قرآن کو کوئی اس نیت سے پڑھتا ہے، عوام کے تو کہنے کیا ہیں، عالموں کو فکر نہیں، ہر بات میں ذرا ذرا سے ردّ و بدل سے بڑا فرق اور بڑے دوررس فوائد پیدا ہو جاتے ہیں۔

انذار کا مفہوم سمجھئے، انذار کے لفظی معنی دڑانے کے ہیں اور اسی لئے نذیر ڈرانے والے کو کہا جاتا ہے، انبیاء کی شان میں بشیر ونذیر دونوں صفت آتی ہیں، بشیر اس واسطے کہ وہ نیک کام کرنے والوں کو خوشخبری سنانے والے ہیں، اور نذیر (ڈرانے والے) اس لئے کہ وہ جہنم سے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، لیکن مطلق ڈرانے کے معنی نہیں، عربی لغت کو خدا تعالیٰ نے عجیب مزیّت عطا فرمائی ہے، اس کے عجیب خواص ہیں، ڈرنے کے معنی میں خوف کا لفظ بھی آتا ہے، نذارت کا مادہ بھی خوف کے معنی میں آتا ہے خوف تو ہے ہی، اور بہت سے الفاظ آتے ہیں خوف کے معنی میں، حذر بھی خوف کے معنی میں آتا ہے۔

انذار وتخویف کا امتیاز اور ان کے نتائج

لیکن انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جو صفت بتائی ہے وہ نذیر بتائی اور اہل علم کو حکم دیا تو وہ انذار کا حکم دیا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ انذار کے معنی مطلق ڈرانے کے نہیں، جہاں تک ڈرانے کا تعلق ہے تو بلی، شیر اور بھیڑیا بھی ڈراتا ہے اور انسان اس سے ڈرتا ہے کہ پھاڑ کھائے گا، ایک چور ڈاکو ڈراتے ہیں کہ ہم تمہیں مار ڈالیں گے، ایک حاکم افسر ڈراتا ہے، غرض ایک ڈرانا تو وہ ہے جو تکلیف سے ڈرایا جاتا ہے اپنی قوت قاہرہ کی بناء پر، اس کا نام انذار نہیں، اس کو تخویف کہیں گے۔

انذار اس ڈرانے کو کہیں گے جو شفقت کی بناء پر ہو، شفقت ومحبت کے داعیہ سے جو انذار پیدا ہو، اس ڈرانے کا نام انذار ہے جیسے باپ ڈراتا ہے بیٹے کو، بچھو

سے، سانپ سے، آگ سے، باپ کہتا ہے کہ بیٹا آگ کے قریب ہاتھ نہ کرو، ہاتھ جل جائے گا، اور تمام مضر چیزوں سے ڈراتا ہے، یہ ڈرانا ایسا نہیں جیسے چور ڈراتا ہے، چور بھی ڈراتا ہے، اور ڈاکو بھی ڈراتا ہے اور باپ بھی ڈراتا ہے، ان میں فرق ہے یا نہیں؟ چور ڈاکو کو اس سے کوئی ہمدردی نہیں، وہ تو اس کا مال چھیننے کے لئے ڈراتا ہے، اور انذار کہتے ہیں اس کو جو ہمدردی [سے] پیدا ہو، جیسے استاد ڈراتا ہے شاگرد کو، کہ دیکھو اگر ایسا کرو گے تو تمہارا نقصان ہو جائے گا، پیر ڈراتا ہے اپنے مرید کو، باپ ڈراتا ہے اپنی اولاد کو، (غرض) جو ہمدردی وشفقت سے پیدا ہو اس کا نام ہے انذار، اسی واسطہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں نذیر کا لفظ آیا بشیر ونذیر، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی شان یہی ہے کہ وہ دشمنوں کو بھی اگر کوئی ڈر کی بات سناتے ہیں تو وہ ہمدردی سے پیدا ہوتی ہے اور ان دونون کا بڑا فرق ہے کہ جو تخویف چور ڈاکو کرتا ہے اور وہ تخویف جو باپ اور استاد کرتا ہے وہ انذار ہے اور یہ زمین وآسمان کا فرق ہے اور اثرات کا بھی فرق ہے، ظاہر ہے کہ چور ڈاکو ڈراتا ہے (انسان) اس سے ڈرتا بھی ہے اور عمر بھر کے لئے اس کا دشمن ہو جاتا ہے، اس کی شکل دیکھنے سے بھی بھاگتا ہے، آج تو اتفاق سے مل گیا، لیکن آئندہ ایسی کوشش کرے گا اس کی شکل نظر نہ آوے، اس تخویف کا اثر تو یہ ہوتا ہے۔

اور انذار کا کیا اثر ہوتا ہے؟ جتنا وہ ڈراتا ہے اتنی اس سے محبت بڑھتی ہے، جس اولاد کو تربیت کرنے کے لئے شفقت کے ساتھ باپ زیادہ ڈرائے گا، اور مار پیٹ بھی تھوڑی سی کرے گا، اس سے ہی زیادہ محبت ہوگی، ایسے ہی استادوں کا قصہ ہے، استاد اگر محبت وشفقت سے اپنے شاگرد کو اس کی اصلاح کی خاطر ڈراتا ہے، دھمکاتا ہے، بُرا بھلا کہتا ہے، ڈانٹتا ہے، مارتا ہے، نکال دیتا ہے، تجربہ شاہد ہے کہ جتنا ایسا معاملہ استاد کرے گا، اسی استاد سے زیادہ محبت ہوگی۔

میرا تو خود اپنا تجربہ ہے کہ جس اولاد کو زیادہ مارا پیٹا ہے، اور اس پر تنبیہات کا سلسلہ جاری رکھا ہے اُسی کو مجھ سے زیادہ محبت ہوئی، میری اولاد میں جس کے ساتھ یہ سلسلہ کم رہا ان کے ساتھ کم محبت ہوئی اور جن کے ساتھ زیادہ رہا ان سے زیادہ محبت ہوئی، شاگردوں کا بھی یہی حال ہے۔

جدید وقدیم طلبہ واساتذہ کا طرزِ عمل

ہمارے آج کل کے جو شاگرد ہیں، خدا بچاوے ان شاگردوں سے، ان سے یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ہماری ٹوپی نہ اتار لیں، ہم یہاں سے اٹھ کر جاویں، تو ہماری قیمت نہ چلی جاوے، جن طالب علموں کو ہم نے پڑھایا تھا، ان کو ہم تو مارا پیٹا کرتے تھے، بُرا بھلا کہنا، ڈانٹ دینا، نکال دینا، یہ تو روزمرہ کا دھندہ تھا، ذرا سی بات پر بھی کسی کی مجال نہیں تھی کہ استاد کے خلاف کوئی بات کہے، ہمارے طالب علمی کے زمانہ میں تو اچھا خاصا یہ معمول تھا کہ پیٹا جاتا تھا، ہمارے ادب کے استاذ حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ یاد آیا، ہم نے ادب کی ساری کتابیں مفید الطالبین سے لے کر حماسہ تک اتفاق سے ان سے پڑھی ہیں، ایسا اتفاق کم ہوتا ہے کہ ایک فن کی ساری کتابیں ایک استاذ سے آدمی پڑھے، مگر ہماری کچھ رعایت بھی کی جاتی تھی، دار العلوم میں اللہ کے فضل سے سب اساتذہ خوش تھے، اس واسطہ ہماری رعایت کرتے تھے، اور ہم یہ چاہتے تھے کہ ہماری ادب کی سب کتابیں مولانا رحمہ اللہ کے پاس ہوں، مفید الطالبین ہم نے شروع کی۔ مفید الطالبین کے پڑھاتے پڑھاتے ہماری صرف ونحو انہوں نے پکّی کرادی۔ ''البابُ الاوّلُ'' پر پہونچے، جو مفید الطالبین کے پہلے باب کا عنوان ہے، الباب یہ فعل ہے اسم ہے، یا حرف؟ اب ہم بغلیں جھانکنے لگے، اس واسطہ کہ نحو میر یاد نہیں تھی، کسی نے کہہ دیا چونکہ الف لام لگا

ہوا ہے اسم کی علامت ہے، اسم ہے، آپ نے فرمایا کون سا اسم ہے؟ ساری نحو میر کا اجراء کرایا۔

نہ بتانے پر فقط یہ نہیں کہ تنبیہات ہوں۔ تنبیہ الغافلین ساتھ رہتی تھی، اور جہاں غلطی کی، وہ آیا۔ ہم چودہ پندرہ آدمیوں کی مخصوص جماعت تھی، کوئی بڑی جماعت نہیں تھی، چھوٹی جماعت تھی، ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ اب پڑی۔

یہ اللہ کا انعام و کرم ہے کہ چودہ ۱۴ آدمی تھے، سب پر برسی، مجھ پر نہ برسی، مجھ پر اللہ (تعالیٰ) نے کرم کیا تھا، استاد بھی خوش تھے، اور ڈرتا بھی بہت تھا، اس واسطے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے محفوظ رکھا، کبھی مار نہیں پڑی، بس عنایتیں رہیں، البتہ کبھی کبھی خفا ہو گئے، تیز نگاہ سے دیکھ لیا، بس یہی میرے لئے مار تھی، مار پڑنے کی نوبت نہیں آئی، سچ کہہ رہا ہوں کہ ہم نے اس طرح پڑھا تھا، اس کا نتیجہ تھا، کہ نفحۃ الیمن پڑھنے کے زمانہ میں ہم نے عربی نظم کا امتحان دیا، عربی تحریر فقط نہیں، عربی نظم، اشعار اور مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ادیب بہت اچھے تھے، ان کو ہمارے امتحان کے لئے دہلی سے بلایا گیا تھا، چنانچہ انہوں نے ہمارا امتحان لیا، اور ایک مصرعہ دیا کہ اس پر نظم لکھو، تین یا چار گھنٹے امتحان کا وقت تھا، ان چار گھنٹوں میں دس شعروں کی ایک نظم لکھ کر پیش کر دی، یہ نفحۃ الیمن کا زمانہ ہے، آج تو حماسہ پڑھ کے بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

وجہ اس کی تعلیم و تربیت کا ڈھنگ تھا، استاد کا خوف استاد کی عظمت و محبت، اور چونکہ ان کی روش یہ تھی کہ جس پر یہ بات کرنے کی نوبت آئی کہ وہ مار پیٹ کرتے تھے، اس لئے اتنی محبت ان کی ہمارے دلوں میں پیدا ہو گئی تھی، کسی استاد کی اتنی محبت ہمارے دلوں میں نہیں تھی، جتنی محبت ان کی ہمارے دلوں میں تھی، اگر چہ مجھ پر مار کی نوبت نہیں آئی، البتہ ایک دو دفعہ خفا ہونے کا معاملہ ہوا، بس مجھے یہ معلوم ہوا کہ میری جان نکل گئی، اس طرح سے استادوں سے پڑھا تھا اور ان سے تعلق رکھا تھا، اس سے

کچھ آجایا کرتا تھا۔

آج کا طالب علم۔ استاد کہیں شاگرد کہیں، اور مجال ہے استاد کی کہ شاگرد کو ایک لفظ بھی کہہ دے، اللہ اللہ کہاں بات چلی گئی؟ میں اس پر کہہ رہا تھا کہ انذار کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ اصل چیز تبلیغ ہے اور تعلیم کا بھی انجام پھر تبلیغ ہے، اور اس کے لئے قرآن نے لفظ انذار اختیار کیا، جس پر یہ ساری باتیں ہوئیں، ہمدردی وشفقت سے جو ڈرانا ہوتا ہے اس کا اثر کچھ اور ہوتا ہے، چنانچہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ الحمد للہ اب کوئی دن خالی نہیں جاتا، اتنی عمر ہوگئی ہے، کہ اپنے ان استاد کو ایصال ثواب نہیں کرتا ہوں، نیز مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہمیشہ یاد رکھتا ہوں، انہوں نے مجھ پر شفقت کی اور مار پیٹ بھی ہوئی، تنبیہات بھی ہوئیں، ان کی محبت رگ و پے میں سرایت کرگئی۔

قصور کس کا ہے؟

تجربہ شاہد ہے لوگ کر کے نہیں دیکھتے، آج بھی الحمد للہ طلبہ کا تناقص نہیں ہے، طلبہ کا بھی قصور ہے استادوں کا بھی، استاد اگر ہمدردی اور محبت سے طلبہ کی اصلاح کے لئے یہ چاہیں کہ ہمارے طالب علم کے اخلاق درست ہو جائیں، ان کی تعلیم ٹھیک ہو جائے، اس پر مار پیٹ بھی کریں، تنبیہات بھی کریں، ممکن ہے کہ ایک آدھ دفعہ کسی کو ناگوار بھی ہو جائے، لیکن جب ان کو معلوم ہوگا کہ اس کی کوئی غرض نہیں، ہماری محبت میں کرتا ہے تو پھر وہی عاشق ہو جاتے ہیں، اور محبت ان کے دل میں سما جاتی ہے، افسوس یہ ہے کہ یہ طریقہ جاتا رہا، کالجوں اور اسکولوں کا سا طرز ہو گیا، مدرس نے پڑھایا اپنے گھر چلا گیا اور طالب علم نے پڑھا اپنے حجرہ میں چلا گیا، کسی کو دوسرے سے واسطہ نہیں۔

غرض یہ ہے کہ انذار وہ چیز ہے جس سے ہمدردی اور شفقت اور بڑھتی ہے،

قرآن نے اس کو اختیار کیا" ولینذروا قومھم " انذار کرو اپنی قوم کو، ان کو تبلیغ کرو، تبلیغ بھی بشکل انذار، یعنی ہمدردی اور شفقت کے ساتھ ان کو دین کے مسائل پہنچاؤ، آج کل بڑی افسوس ناک صورت ہے، اول تو ہمارا اہلِ علم طبقہ طالب علمی کے زمانہ میں کچھ سیکھتا سکھاتا نہیں، بہت بڑا عنصر تو ہمارا نکمّا نکل رہا ہے، بڑی افسوس ناک حقیقت ہے جو میں کہہ رہا ہوں، اسّی ۸۰ برس کی عمر ہے، بال سفید کئے آپ ہی لوگوں میں، بچپن میرا مدرسے میں گزرا ہے، میں وہ تنہا شخص ہوں جس نے بچپن کا کھیل بھی مدرسہ میں کھیلا، ہمیں چار پانچ سال کی عمر سے بزرگوں کی صحبت، اساتذہ کی صحبتوں میں دار العلوم میں طلبہ میں رہا ہوں، عمر اسی میں گزری ہے، اسی میں پڑھا، اسی میں پڑھایا اور اسی میں اسّی ۸۰ سال گزارے، اس واسطہ میں عرض کرتا ہوں، تجربہ یہ ہے کہ آج طالب علموں کا تقریباً پچھتّر فیصد عنصر محض ناکارہ ہے، نہ دین کا نہ دنیا کا، نہ علمِ دین نہ علمِ دنیا، کوئی علم نہیں، اس کو کچھ آتا ہی نہیں، قصّہ سارا یہ ہے کہ یہ عذاب ہے ہمارے اوپر، آتے ہیں وہاں سے عمر گنوا کر، ڈاڑھی نکل آئی ہے، اونچے قد کے ہو گئے ہیں، بیس ۲۰ سال کی عمر ہے، آئے ہیں چلو بھئی مولوی بنیں گے، اب تک تم نے پڑھا کیا ہے؟، نہ قرآن اُن کو آتا ہے، نہ لکھنا پڑھنا آتا ہے، اور نہ حساب کتاب آتا ہے، نہ آدمیت کی کوئی چیز آتی ہے، انسانیت کے جو روز مرہ کے افعال و عادات ہوتے ہیں وہ بھی ٹھیک نہیں آتے اور ہمارے پاس مولوی بننے کے لئے آ گئے، اس کو دھکا دیں کہ نہیں پڑھاتے، یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ جب دین کا علم پڑھنے آیا ہے تو اس کو بتانا چاہیے، بناویں تو کس طرح بناویں؟[1] عربی میں اس کو داخل کیا، اس کو فارسی نہیں آتی، حساب نہیں آتا، کتاب نہیں آتی، چار سطریں اپنی درخواست کی نہیں لکھ سکتا، ایسا مال ہمارے ہاتھ آتا ہے، علم کی محنت ان پر کرتے ہیں، نتیجہ بالکل

---

(۱) ممکن ہے کہ یہ کاتب کا سہو ہو، اس لیے کہ سیاق کا تقاضا بظاہر " ہٹا دیں " ہے۔ مرتب

اکارت، نتیجہ کچھ نہیں۔

تعلیم کی صحیح ترتیب

ہمارا اپنا اصول یہ تھا، کہ بچپن سے پہلے قرآن مجید پڑھایا بچہ کو، قرآن سے فارغ ہوا تو فارسی درجہ میں داخل ہوا، فارسی، ریاضی، حساب و کتاب، اقلدیس، یہ ساری چیزیں جو میٹرک تک کی تعلیم ہے وہ ہمارے درجۂ فارسی میں پڑھائی جاتی تھی، میٹرک تک کی تعلیم میں نے خود سیکھی ہے، حساب جو آج بی اے تک حساب ہے وہ میں نے پڑھا ہے، اقلیدس میں نے پڑھی ہے، اس طرح مساحت کا کام جس کا آج کل بہت بڑا محکمہ بنا ہوا ہے، وہ میں نے سیکھا ہے اور سب فارسی پڑھنے کے زمانہ میں سیکھا ہے، پانچ سال کا کورس تھا، اس پانچ سال کے کورس میں سب چیزیں سیکھیں، عربی کا ابھی نام تک نہیں پڑھا تھا، اس کے بعد جا کر عربی میں داخلہ ہوا۔

تو بھئی کچھ تھوڑا بہت جو سلیقہ کام کرنے کا آیا، جس کام کی نوبت آئی اللہ نے رسوا نہیں کیا، جس کام کی طرف چل پڑے، اللہ (تعالیٰ) نے اس کام میں مدد کی، اس کا سبب یہ ہے کہ ایک کام کو شروع سے کیا، ہمارے پاس آتے ہیں وہ لوگ جن کو پہلے سے کچھ نہیں آتا، کوئی چیز سیکھ کر نہیں آتے، قرآن کا تلفظ ٹھیک نہیں، لکھنا نہیں آتا، حساب نہیں آتا، کوئی چیز نہیں آتی، اب ہم اگر ان کو عربی پڑھا دیں، بڑی مصیبت سے پڑھا دی لیکن ہوتا کچھ نہیں، اس واسطہ اس کا نتیجہ بڑا مشکل یہ ہے کہ پچھتّر فیصد مال تو ہمارے یہاں سے بالکل بے کار نکلتا ہے نہ دین کے کام کا نہ دنیا کے کام کا، سوائے اس کے کہ وہ کسی مسجد کا مؤذن بن جائے، امامت کے بھی قابل نہیں ہوتا۔

پیغمبرانہ طریقِ اصلاح اور ہم

کرنے کا کام تو یہ ہے جو قرآن نے بتایا ''**ولینذروا قومھم**'' مقصد

زندگی بنانا ہے اس بات کو کہ یہ امانت اللہ اور اللہ کے رسول کی ہم تک پہونچی ہے جس کا نام وراثت نبوّت ہے ''العلماء ورثۃ الأنبیاء''، علماء انبیاء [کے وارث] ہیں، یہ انبیاء کی وراثت آپ کو ملی ہے، یہ اُمّت کو پہنچانی ہے اور پہنچانی بھی شفقت اور ہمدردی کے ساتھ، انذار کے لفظ سے اشارہ کر دیا اس بات کی طرف کہ شفقت وہمدردی کے ساتھ یہ اُمّت کو پہنچانی ہے۔

اب ہمارے یہاں تو معاملہ روکھا ہے انذار کرنے والے کہاں سے لاویں، اول تو جیسا میں عرض کر رہا ہوں کہ ادھر دھیان ہی نہیں ہوتا تبلیغ کی طرف، نہ دوسروں کو سکھانے کی طرف دھیان ہوتا ہے، سینکڑوں میں کوئی ایک ایسا نکلتا ہے جسے دوسروں کی تعلیم وتبلیغ اور اصلاح کی فکر ہوتی ہے، اس میں ایک اور روک شیطان نے لگا دی، وہ یہ کہ جو انذار کا لفظ قرآن کریم نے اختیار کیا تھا اس کی طرف دھیان نہیں کرتے،

قرآن کی تعلیم کا حاصل انذار کے لفظ سے یہ ہے کہ لوگوں کو پیغمبرانہ تعلیم دو، پیغمبروں کی طرح سے تشدد کے الفاظ نہ بولو، بُرا نہ مناؤ، اشتعال نہ پیدا کرو، تمہارا جو مخالف ہے، مخالف عقیدہ رکھتا ہے، مخالف رائے رکھتا ہے، تمہارے خلاف ہے، اس کو دعوت دو قریب کر کے، انذار کے طریقے پر، اور انذار اس کا نام ہے کہ شفقت و ہمدردی کے ساتھ یہ بات کہ کسی طرح سے یہ درست ہو جائے، صحیح عقیدہ کو مان لے، اس طرح سے پہنچاؤ، اس کا تو دنیا میں بالکل قحط ہے۔

سارا قرآن پیغمبروں کی تعلیم سے بھرا ہوا ہے، حضرت ہود علیہ السلام کا غالباً واقعہ ہے

إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٦٦﴾ (الاعراف: ٦٦)

ہم تو تجھ کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور جھوٹا بھی سمجھتے ہیں'' اس سے بڑی گالی اور کون سی ہوگی، مہذب گالی اس سے بڑی اور کون سی ہوگی، کہ تم بے وقوف بھی ہو اور جھوٹ

بولنے والے بھی ہو، پیغمبر کیا جواب دیتے ہیں؟ اگر تمہیں کوئی دوسرے فرقہ کا آدمی کہہ دے تو کیا جواب دو گے؟ باپ دادا تک کی خبر لے لو گے، لیکن پیغمبر نے کیا جواب دیا؟ قرآن کے الفاظ دیکھو، وہ تو کہہ رہے ہیں

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾

پیغمبر نے جواب دیا

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾

(الاعراف: ٦٧)

اے میری برادری، ہود علیہ السلام ان کو خطاب کرتے ہیں اپنی شرکت کے ساتھ، کہ میں تم ہی میں کا ایک ہوں، تم میری برادری ہو اور میرے بھائی ہو، ''یا قوم!'' اے میری برادری! لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ ارے سمجھو! میں بے وقوف نہیں ہوں، وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾ یہ ہے سیدھا سادھا جواب، گالی کا جواب، سارا قرآن ایسی مثالوں سے بھرا ہوا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو تلقین فرمائی، انہوں نے کہا

لَاَرْجُمَنَّكَ (مریم: ٤٦)

ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے، تم ہمارے آلہہ کا انکار کرتے ہو اور ہمارے معبودوں کا، اور بتوں کا، انکار کرتے ہو،

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ (مریم: ٤٦)

اگر تو ہمارے بتوں کو بُرا کہنے سے باز نہیں آیا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے، اور چلے جاؤ نکل جاؤ

وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ (مریم: ٤٦)

اور زمانہ دراز کے لئے یہاں سے نکل جاؤ، باپ نے یہ کہا، اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام مُشرک باپ کو کیا جواب دیتے ہیں

سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝۴۷ (مریم:۴۷)

کہ میں اللہ سے آپ کے لئے استغفار کروں گا، وہ مجھ پر مہربان ہے، (یہ طریقہ اختیار کرو) یہ ہے پیغمبرانہ طریقِ دعوت جو علمِ دین کے حاملین کا شعار ہونا چاہئے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

(نوٹ: [از حضرت مولانا صبار دانش صاحب رحمۃ اللہ علیہ]) مذکورہ تقریر احقر نے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلمبند کی ہے۔

زمانۂ طالب العلمی کی اہمیت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتیٔ اعظم پاکستان نور اللہ مرقدہ

کا جامعہ دار العلوم کراچی کے طلبہ سے خطاب

بتاریخ جمادی الاخری ۱۳۹۳ھ

ضبط و ترتیب: صبّار دانش حیدر آباد سندھ
فاضل تخصص جامعہ دار العلوم کراچی

حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا درج ذیل فکر انگیز خطاب ماہنامہ البلاغ (محرم ۱۴۱۰ھ) کے شکریہ کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ مرتب

خطبۂ مسنونہ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ با الله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، صلى الله تعالى عليه

و علی آله واصحابه اجمعین وبارك و سلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ: میں کیا کروں؟ نیت تو یہی تھی کہ ہر ہفتہ اپنے بھائیوں سے، طلبہ سے خطاب کیا کروں گا مگر بیماریاں اور دوسرے افکار لگ گئے ہیں، جن کی وجہ سے مجبوراً دو تین ہفتے نہیں آسکا، کافی دنوں کے بعد آج پھر آ بیٹھا ہوں، لکل شیئ آفة و للعلم آفات یہ جملہ بچپن میں کہیں سنا تھا اب آنکھو سے مشاھدہ ہو رہا ہے، یعنی ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے اور علم کے لئے بہت سی آفتیں ہیں۔ آجکل انہی میں ہم گزر رہے ہیں، چین نہیں افکار لگے ہوئے ہیں۔

زندگی کی قدرو قیمت

عزیزو! جس چیز کو میں بار بار کہتا آیا ہوں پھر اسی پر بات آکر پہنچتی ہے کہ اس وقت کو غنیمت جانو، اللہ جل شانہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور پھر یہ نعمت ہاتھ آنے والی نہیں ہے۔ گزر رہی ہے، بہہ رہی ہے، آپ کی مثال برف کی دکان کی سے ہے۔ کہ رأس المال بہہ رہا ہے، ایک بزرگ نے فرمایا کہ مجھے برف کی دکان پر جا کر حقیقت معلوم ہوئی۔ آیت

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③ (العصر:۱-۳)

کہ حق تعالیٰ نے فرمایا قسم ہے زمانے کی کہ انسان بڑے خسارے میں ہے انسان کا خسارے میں ہونا۔ اس کی ایک واضح مثال ملی برف کی دکان پر جا کر، کیونکہ برف کی دکان ایسی ہے۔ جس کا سرمایہ ہر وقت ضائع ہو رہا ہے، جو بک گیا تو پیسے

کھڑے ہوگئے اور دیر لگ گئی تو وہاں کچھ ہے ہی نہیں۔

انسان کی زندگی بالکل برف کی سی ہے ہر سانس میں ایک ساعت گھٹ رہی ہے ایک ایک ساعت میں تمہاری زندگی گھٹ رہی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ عمر بڑھ رہی ہے، ماشاء اللہ ستر برس کے ہوگئے، حقیقت یہ ہے کہ عمر گھٹ گئی ہے، بچپن میں ایک شعر پڑھا کرتے تھے ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹادی

گھنٹہ بجا ہے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ایک گھنٹہ اور کم ہوگیا تیری عمر کا، حقیقت یہ ہے کہ انسان کی مثال برف کی دکان کی سی ہے، خود رأس المال اس کا نفس ہے، اس کے اعضاء و جوارح ہیں اور اس کی اپنی طاقت ہے، جیسے برف ہر منٹ گھٹتی ہے۔

انسان اور تجارت

میں یہ جو کہہ رہا ہوں محض شاعرانہ تکلف نہیں، حدیث کا مضمون ہے حدیث پڑھنے والے طالب علم بھی اس جماعت طلبہ میں موجود ہیں، حدیث میں ہے ''کل یغدو فبائع نفسه فمعتقها أو موبقها'' ہر انسان جب صبح نکلتا ہے تو وہ تاجر ہوتا ہے تجارت کے لئے نکلتا ہے مگر کس چیز کی تجارت؟ کپڑے کی تجارت نہیں، کھانے کی تجارت نہیں، لوہے اور برتن کی تجارت نہیں، بائع نفسہ اپنے نفس کی تجارت کے لئے تم نے اپنے آپ کو تجارت پر لگایا ہے، اب اس کی بیع کا نتیجہ کیا ہے؟ اگر ہوشیار تاجر ہے تو اپنے نفس کو آخرت کے عذاب سے آزاد کرلیگا۔ جب آدمی گھر سے نکلتا ہے تو اس نیت سے نکلے کہ میں آج کامیاب تاجر بنوں اور کچھ کما کر لاؤں، نفع آخرت کا نفع ہے اگر آخرت میں اپنے نفس کو عذاب جہنم سے چھڑالیا تو نفع پالیا اور نہیں چھڑایا تو مصیبت

میں آ گیا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں : ’’کل یغدو فبائع نفسه فمعتقها أو موبقها‘‘ یعنی اپنے آپ کو ہلاک کردے گا یا آزاد کرالیگا۔

ہر انسان جب صبح نکلتا ہے تو ایک سامان تجارت لے کر نکلتا ہے اور وہ سامان تجارت خود اس کا نفس ہے اور اس کا یہ نفس ہر منٹ اور ہر سیکنڈ گھٹ رہا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوجوانی دی ہے صحت دی ہے، ہاتھ پیر صحیح سالم دیئے ہیں ابھی آپ کو ان کی قدر معلوم نہیں ہم سے پوچھو۔

طلبہ سے محبت ومعذرت

اور یہ چیز جو میں کہہ رہا ہوں، دل کی تمنا یہ ہے اور میرا دل یوں چاہتا ہے میری تو برادری آپ ہیں، میری تو کھیتی آپ ہیں، میری تو عیال آپ ہیں، میری زندگی کی ساری آرزوئیں آپ کے ساتھ وابستہ ہیں، میرا جی یوں چاہتا ہے کہ ہر روز آپ سے خطاب کیا کروں اور ہر روز اپنے بھائیوں سے ملا کروں، ان کی سنوں اور اپنی کہوں اور ان کے حالات سے واقف ہوں ہر وقت میری خواہش یہ ہے مگر میں کیا کروں، اب وہی بات ہے کہ وقت نہیں رہا، عمر کی فرصت گزرگئی، جو کام کرنے کا تھا اللہ کا شکر ہے کہ زمانہ دراز کیا۔ لیکن بھئی اب وقت نہیں رہا۔ قویٰ جواب دے چکے ہیں، کبھی کچھ فرصت مل جاتی ہے، تھوڑی سی ہمت ہو جاتی ہے بولنے کی اٹھنے کی، مسجد تک پہنچنے کی، آپ تک آنے کی، سو کبھی ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔

اب میں معذور ہو چکا ہوں، مگر دل کی تمنا اور خواہش یہ ہے کہ ع

من نکر دم شما حذر بکنید

اگر ہم نے اپنی زندگی کی قدر نہیں پہچانی، ہم اسے بھگتیں گے، لیکن آپ

اپنی اس زندگی کی اور ان اوقات کی قدر کریں، سب کچھ کرنے کا، بننے اور بگڑنے کا وقت یہی ہے، یہ نوجوانی کا وقت سب سے بڑی طاقت کا وقت ہے اللہ نے یہ آپ کو دیا ہے، ہنر بھی اس میں سیکھا جا سکتا ہے اور علم بھی، جو کچھ ہونا ہے، اچھا بننا ہے تو اس وقت میں بننا ہے، برا بننا ہے تو اس وقت بننا ہے۔ سب کیلئے یہی عمر ہے۔

بننے اور بگڑنے کا وقت

ہمارے بہت سے طالب علم بھائی اس غفلت میں مبتلا رہتے ہیں کہ ابھی تو طالب علمی کا وقت ہے آزادی کا وقت ہے، عمل کا وقت جب آئے گا تو عمل کر لیں گے، ہمارے استاذ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے: ۔الشیطان، ابلیس کا نام رکھا تھا ''معجونِ فلاسفہ'' ۔ یہ معجون فلاسفہ بیٹھا ہے، وہ بولتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ ابھی تو ہم طالب علم ہیں، ایک اور ''حدیث'' بھی طالب علموں میں مشہور ہے یجوز للطلبة ما لا یجوز للغیر یہ حدیث گھڑ رکھی ہے۔

فرمایا کرتے تھے یہ سب شیطان کا دھوکہ ہے، ابلیس بیٹھا ہوا ہے چوکڑی مار کر، ہمارے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے تو کشمیری، مگر اردو اتنی عجیب وغریب تھی اور محاورات اتنے اچھے بولتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ وہ ابوالکردوس چوکڑی مار کر سینے میں بیٹھا ہے، ابوالکردوس شیطان کی کنیت ہے وہ یہ بول رہا ہے اور یہ حرکتیں کرا رہا ہے، تو بھائیوں! بگڑنے کا وقت بھی یہی ہے اور سنورنے کا وقت بھی یہی ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (الاسراء:۷۲)

آج جو درست نہ ہو آگے وہ درست نہیں ہوسکتا۔

اور یوں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سب کچھ ہے کہ ستر برس کے کافر کو ایک منٹ میں ولی بنا سکتا ہے، اللہ کی قدرت کا انکار کرنا تو کفر ہے، لیکن عادت اللہ یوں ہی ہے کہ طالب علمی کا زمانہ یہ بگڑنے اور سدھرنے کا ہے، اچھے بن جاؤ یا برے بن جاؤ، عالم بن جاؤ محقق بن جاؤ یہ سب اسی زمانہ میں ہوتا ہے آپ ہمیں دیکھتے ہو کہ ہم کچھ کر لیتے ہیں، یہ نتیجہ سب طالب علمی کا ہے طالب علمی کے زمانے میں اللہ کا شکر ہے وقت ضائع نہیں کیا، طالب علمی کے زمانے کو الحمد للہ ہم نے علم میں لگ کر خرچ کیا۔

ہمیں دنیا کی کسی چیز کی فکر نہیں تھی، نہ گھر کا غم نہ در کا غم، نہ کسی اور جھگڑے میں، نہ کسی جلسے جلوس میں، اپنی کتاب کے سوا کوئی اور کام ہمیں نہیں تھا، اس کا نتیجہ الحمد للہ یہ دیکھا کہ پڑھانے کے زمانے میں اس کی برکت یہ محسوس ہوئی کہ طالب علمی کے زمانے میں جو استعداد پیدا کر لی تھی پھر آگے مطالعہ سے بڑھ گئی۔ اور اب تک بھی وہی ہے میں نے مدرسی کے زمانے میں کتابیں کم دیکھیں ہیں اس واسطے کہ طالب علمی کے زمانے میں کتابیں کافی محنت کر کے پڑھیں تھیں، پھر مجھے سبق پڑھانے کے لئے زیادہ مطالعہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، البتہ ویسے مطالعہ بہت کرتا تھا۔ تو بھئی کہنا یہی ہے کہ تمہارا سارا وقت یہی ہے اس کو گنوا دو گے، عمر بھر روؤ گے، پھر کوئی نتیجہ اس رونے کا نہیں نکلے گا، جو وقت گزر چکا، اس کا کفارہ پھر دنیا میں ادا ہونے والا نہیں۔

اعادۂ موضوع

میں نے ایک آیت شروع کی تھی میں یہ چاہتا تھا کہ اس آیت کی کم از کم تفسیر مکمل

ہو جائے۔ افسوس یہ ہے کہ فاصلہ کافی ہو جاتا ہے، آپ کو بھی کیا یاد رہا ہوگا، کہ میں نے کیا کہا تھا؟ اور میرا حافظہ تو ویسے ہی بیکار ہو رہا ہے، یاد نہیں رہتا۔ میں نے یہ آیت پڑھی تھی۔

فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ وَلِيُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُوۡنَ۝۱۲۲ (التوبۃ: ۱۲۲)

قرآن کی بلاغت کی انتہا ہے، اور قرآن کی بلاغت کا کمال ہے کہ اس میں پورا نصاب ہے۔ علم کا، اہل علم کا، مدرس کا، مبلغ کا، اور علماء کا، طالب علمی سے لے کر عمر کے آخری لمحات تک کا، اور اس میں میں نے یہ بات بتائی تھی کہ قرآن کے مقصد نے واضح کر دیا ہے کہ سب کے سب جہاد پر نہیں جائیں گے، کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئے جو علم کے کام میں لگیں اور جہاد کے لئے جہاد کرنے والے جائیں، لیکن کچھ لوگ وہ ہوں جو اس کام میں لگیں، کیوں لگیں؟ لیتفقھوا فی الدین۔

طالب علم کا مقصود اور اس کے لئے یکسوئی

علم کا حاصل ''دانستن'' مقصود نہیں، جان لینا، پوچھ لینا مقصود نہیں، بلکہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا یعنی تفقہ فی الدین مقصود ہے۔ قرآن کی دعوت کے مطابق ایسا طائفہ چاہئے جو تفقہ فی الدین کے لئے اپنی عمر خرچ کرے اور اس طائفہ کو مجاہدین اور غازیوں سے مستثنیٰ کر دیا، آپ جانتے ہیں کہ ذروۃ سنامہ الجہاد۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ اسلام کی سب سے اونچی چوٹی جہاد ہے۔ اسلام میں جہاد کی بڑی عظمت ہے اس کے ثواب کے کوئی حد نہیں لیکن طالب علموں کو اس مستثنیٰ کر دیا کہ کچھ لوگ تفقہ فی الدین میں لگیں وہ اس کے علاوہ اور دوسرے کاموں کیلئے

نہ جائیں۔ کیونکہ تجربہ شاھد ہے کہ دین کے جاننے والے اور علم کے جاننے والے جب تک دنیا میں ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں ذروتین ہیں ایک ساتھ ہو ہی نہیں سکتیں۔

طالب علمی تو صرف اس وقت ہوسکتی ہے جب کے اس کے ساتھ دوسرا شغل بالکل نہ ہو اس کے قلب کا گوشہ کسی دوسری چیز کے ساتھ لگا ہوا نہ ہو، اپنا وجود، اپنی توانائی، اپنی فکر، اپنا وقت سارا کا سارا طالب علمی میں لگادے تب تھوڑا سا علم آتا ہے۔

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ کی کتاب کا آپ حضرات سے کئی مرتبہ ذکر کیا ہے یعنی "تعلیم المتعلم" صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں اس میں انہوں نے لکھا ہے "العلم لا یعطیک بعضه حتی تعطیه کلک" علم اپنا بعض حصہ اس وقت تک نہیں دے گا جب تم سارے کے سارے علم دین کے نہ ہو رہو۔ جب تمہارا اوڑھنا بچھونا، جاگنا سونا، دوڑنا بھاگنا، رہنا سہنا سب علم کے لئے نہیں ہوجائے گا اس وقت تک علم کا کچھ حصہ تمہیں نہیں ملے گا، جب تم سب کچھ علم کے ہو رہو گے تو تھوڑا سا علم تمہیں آئے گا۔

اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾ (الاسراء:۸۵)

اگر تم نے اپنا وقت دوسرے کاموں میں لگادیا تو علم کا تمہارے پاس سایہ بھی نہیں گزرے گا۔ خود قرآن کی آیت ہے میرا کہنا نہیں ہے، خدا کے لئے غور کرو آپ اسی کام کے لئے آئے ہو یعنی اللہ اور رسول کے احکام کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے، میں قران کریم کے الفاظ تمہارے سامنے پیش کررہا ہوں

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ

بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت اس کام کے لئے کیوں نہ نکل آئی

لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ (التوبۃ:۱۲۲)

جو تفقہ فی الدین حاصل کرے، مجاہدین اور غازیوں میں سے الگ نکال کر تمہیں اس کام کے لئے بٹھایا، یعنی غازی غزوے پر، مجاہدین جہاد پر جائیں لیکن تم اپنے کام پڑھنے پڑھانے میں لگے رہو۔ اس واسطے کہ اس کام کے ساتھ دوسرا کام جمع نہیں ہوسکتا، حالانکہ وہ دین کا بہت اونچا کام ہے، لیکن وہ بھی اس کام کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، اس وجہ سے رب العزت جل شانہ نے اسے فرض کفایہ بنا دیا کی ایک جماعت اس کام کو کرے اور ایک جماعت وہ کام کرے۔

فرض کفایہ کی حقیقت

فرض کفایہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ضروری تو ہے لیکن سب اس میں نہیں لگ سکتے تقسیم عمل کرنا پڑتا ہے۔ بعض یہ کام کریں بعض وہ کام کریں، اس لئے جتنے فرض کفایہ ہیں سب کا حاصل یہ ہے کہ اپنی جگہ فرض تو ہیں۔ لیکن سب ان کے اندر لگ جائیں گے تو کام خراب ہو جائے گا کچھ لوگ علم دین کے کام میں لگیں، کچھ جہاد میں اور کچھ دوسرے کاموں میں لگیں، کام کی مختلف انواع ہیں اس میں تقسیم عمل ہونا چاہئے۔

قرآن کے اس فیصلہ نے بتایا کہ طالبعلموں کو مجاہدین سے مستثنیٰ کر کے رکھا ہے۔ ذرا خدا کے لئے غور کرو، جہاد سے عظمت والی چیز اسلام میں کوئی نہیں ہے، اسلام کا پانچواں رکن ہے جہاد۔ اس سے مستثنیٰ کر کے رکھا ہے طالب علم کو، کہ تم جہاد میں نہ جاؤ اور اس کام کو یعنی تفقہ فی الدین کو حاصل کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ملکہ اس کے بغیر نہیں پیدا ہوتا۔ جب تک کہ پورے پورے اپنے وجود کو اور اپنی توانائی کو اس میں خرچ نہ کرو۔

طلب علم اور نوافل

اسی واسطے پوری امت کا اصول اور دستور یہ رہا ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں طالب علم کوئی کام نہیں کرتا تھا، یہاں تک کہ اور چیزیں تو اور، نوافل، ذکر شغل جو خالص اللہ کی یاد اور عبادت ہے اکابر امت طالب علم کو اس بھی روکتے تھے۔ خلاصۃ الفتاوٰی اٹھا کر دیکھ لو۔ خلاصۃ الفتاوٰی صاحب ہدایہ کے ہم قرن عالم کی تصنیف ہے، خلاصۃ الفتاوٰی بڑے اونچے طبقہ کا ہے اس میں لکھا ہوا ہے۔

كنا نُضرَب على أن نصلى التسبيح تقریبا یہی الفاظ ہیں، ہمارے طالب علمی کے زمانے ہمارے استادوں کو پتا لگتا کہ ہم صلوٰۃ التسبیح پڑھ رہے ہیں تو ہمیں مارتے تھے صلوٰۃ التسبیح پڑھنا کوئی گناہ ہے؟ بڑے ثواب کا کام ہے، احادیث میں اس کے بڑے فضائل آئے ہیں، مگر طالب علم کی صلوٰۃ التسبیح یہ ہے کہ جاؤ کتاب میں لگو۔

طلبِ علم اور بیعت

حضرت گنگوہی اور ہمارے اکابر طالب علموں کو مرید، بیعت نہیں کرتے تھے، یہ فرماتے کہ پہلے علوم ظاہرہ سے فارغ ہو جاؤ، اس واسطے کہ اس شغل کے ساتھ باطنی اعمال اور خاص ذکر و شغل کے جو معاملات ہیں وہ نبھیں گے نہیں۔

مجھ پر خود یہ گزرا ہوا ہے کہ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ، مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند اکبر شیخ العرب والعجم، میں اس زمانے میں ہدایہ پڑھتا تھا۔ جس زمانے میں ان پر سیاست کا رنگ غالب ہوا۔ اسلام کی خلافت تباہ ہوئی۔ انگریزوں نے ظلم ڈھائے۔ اور انگریزوں کے خلاف نفرت کے جذبات ابھرے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیفیت حال کے درجے میں تھی کہ کسی طرح سے اب ہم کوشش کر کے

انگریزوں سے ملک کو کو خالی کرائیں اور آزادی حاصل کریں۔ اس زمانہ میں نے بیعت کی درخواست کی، فرمایا کی جب فارغ ہو جاؤ گے اس وقت بیعت کرونگا۔ خودتو اس جہاد پر لگ گئے تھے۔ مگر طالب علموں میں سے کسی کو اس میں نہیں لگایا، ہم دیکھتے تھے کہ رات دن اخبار پڑھے جارہے ہیں اور خطوط لکھے جارہے ہیں۔

یہ میرے بچپن کا زمانہ تھا اس لئے ان تحریکات کو زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ریشمی رومال کا قصہ اور نہ جانے کیا کیا قصے ہوئے۔ پورے عالم اسلام کو ایک کڑی میں حضرت شیخ الہند نے پرو دیا تھا، یہاں سے لے کر افغانستان اور ترکی تک سب ایک کرڈالا، سب مسلمانوں کا متحدہ محاذ بنادیا تھا، انگریزوں کے خلاف، اور قریب تھا کہ اگر یہ حملہ آور ہوتے تو انگریز کو بالکل ختم کر دیتے۔ مگر مخبری ہوگئی۔ ہمارے اعضاء و جوارح خود مسلمانوں نے مخبری کی، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ گرفتار ہوئے چار سال مالٹا میں رہے۔

بہرحال میں عرض کررہا ہوں کہ جب میں نے زمانہ طالب علمی میں بیعت کی درخواست کی تو مجھے انکار فرمادیا۔ مالٹا سے واپس تشریف لائے۔ اس وقت میں فارغ ہو چکا تھا اور میں مدرس تھا، کتابیں پڑھاتا تھا، اس وقت میں نے درخواست بیعت کی تو قبول فرمالی، ہمارے ان بزرگوں کا معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے خودتو سب کچھ کیا، لیکن طالب علم کو طالب علمی کے زمانے میں کسی کام میں لگانا ہرگز گوارہ نہیں کیا، چانچہ مجھے بھی اس وقت بیعت کیا، اس سے پہلے نہیں کیا، ہمارے ان سب بزرگوں کا معاملہ یہی ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں فرماتے تھے کہ اپنا کام کرو۔

شیخ فریدالدین شکر گنج کی بیعت کا واقعہ

اور ہمارے اپنے زمانے کا واقعہ نہیں، بلکہ شیخ شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ، پاک پٹن پنجاب

میں ان کا مزار ہے، بڑے اولیاء اللہ میں سے ہیں اور ہمارے سلسلہ چشتیہ کے بڑے اکابر میں سے ہیں، یہ ملتان میں طالب علم تھے، ملتان بہت پرانا شہر ہے، اس میں مسلمانوں کا کوئی مدرسہ ہوگا اور ہمیشہ ملتان علم کا گھرانا رہا ہے۔ جب سے اس جگہ میں اسلام آیا ہے اس وقت سے یہ علم کا گھرانا رہا ہے۔ شیخ وہاں علم حاصل کرتے تھے، حضرت قطب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار دہلی میں ہے وہ ایک مرتبہ ملتان تشریف لائے تو شیخ فریدالدین شکر گنج قدس سرہ کا دل چاہا کہ ان سے بیعت ہو جاؤں، حضرت قطب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے (جن کا مزار ملتان ہی میں ہے بہت بڑا مزار ہے میں کئی مرتبہ حاضر ہوا ہوں) تشریف لائے تھے تو حضرت فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ نے موقع غنیمت جانا کہ میں دہلی جا کر بیعت ہوتا، اللہ نے انہیں یہیں بھیج دیا ہے، نیت تو تھی بیعت ہونے کی اس لئے یہیں درخواست کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہیں بھیج دیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے بیعت فرمالیں، انہوں نے فرمایا، ابھی نہیں پہلے ان علوم سے فارغ ہو جاؤ۔ تو بیعت کرونگا۔ فارغ ہو کر دہلی آؤ۔ چنانچہ وہ حکم کی تعمیل میں لگ گئے اور جب تمام علوم سے فارغ ہو گئے تو دہلی پہنچے۔ تب بیعت ہوئے، بیعت ہونے کے بعد جہاں وہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام بخشا، جن کو ان کی تاریخ معلوم ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سب سے اونچے خلیفہ مانے جاتے ہیں، عجیب صاحب کمالات ہیں۔

سلف صالحین کی طالب علمی

تم جتنے صاحب کمال دیکھو گے انہوں نے طالب علمی کے زمانے میں سوائے طالب علمی کے کچھ نہیں کیا، شیخ الہند رحمہ اللہ جنہوں نے ساری دنیا کو ہلا ڈالا، ایک

انگریز جس وقت ان سے بیان لینے کے لئے مالٹا میں گیا تھا، اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ مالٹا جیل میں تھے اس انگریز کا نام برن تھا، اس نے حضرت سے پوچھا: تم نے کیا تحریک چلائی، کیا کیا؟، مولانا نے صاف بتا دیا کہ ہم نے یہ کیا تھا، جھوٹ کا تو وہاں سوال ہی نہیں تھا۔ ویسے بھی راز سارا کھل گیا تھا اور فرمایا یہ ہمارا اصول تھا، یہ ہمارا پروگرام تھا۔ اب ہم فیل ہو گئے۔ تم جو چاہے کرو۔ غرض پوری بات ظاہر کر دی۔

اس برن نے مالٹا سے واپس آ کر یہ بیان دیا تھا کہ میں حیران ہوں، یہ شخص جس کی ساری عمر مدرسے کے بوریہ پر گزری ہے، جس نے کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔ عمر کے اسی سال پڑھنے پڑھانے میں گزارے، کبھی امراء سے، وزراء سے، سیاسی لوگوں سے، کوئی ملاقات نہیں کی، اس نے کیا غضب کا نظام بنایا تھا۔ اگر ہمیں کچھ دن اور اس کی اطلاع نہ ہوتی تو ہندوستان ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہوتا، یہ برن کا بیان ہے، یہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ایک واقعہ ہے جن سے میں زمانہ مدرسی میں بیعت ہوا تھا۔

محنت و یکسوئی سے طالب علم [1] کے ثمرات

لیکن کب جبکہ اپنی طالب علمی کو اور سارے کمالات حاصل کر چکے۔ طالب علمی، طالب علمی کے زمانہ میں حاصل کی، اس وقت جانتے نہیں تھے کہ سیاست کس جانور کا نام ہے اور دنیا میں کیا ہو رہا ہے، اس کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر و حضر میں ان کی خدمت میں رہے، تصوف اور باطنی کمالات حاصل کرنے کے لئے ان کی وفات کے دو سال تک مسلسل حضرت گنگوہی کی خدمت میں رہے ان سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد میدانِ سیاست میں آئے۔ تو بھئی! اللہ

---

(۱) بظاہر یہاں کاتب سے ''یا'' رہ گیا ہے، یعنی ''طالب علمی'' ہونا چاہیے۔ شاکر

تعالیٰ نے اس دین اور اس علم میں یہ برکت رکھی ہے کہ جب آدمی اس میں لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ راستے کھول دیتا ہے

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (العنکبوت:٦٩)

اس کو سیکھنے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سیاست کے امام مانے گئے، جنہوں نے عمر بھر کبھی سیاست نہیں کی۔ جانتے نہیں تھے کہ سیاست کس بلا کا نام ہے، ساری عمر گزاری پڑھنے اور پڑھانے مین یا پھر خانقاہوں میں، اللہ اللہ اور ذکر وشغل میں، جب جہاد کا جذبہ غالب ہوا اور اس طرف سب کاموں سے فراغت کے بعد توجہ اور دھیان دیا، اور لوگوں سے ملاقاتیں کیں، ملنا جلنا شروع کیا، باتیں ہوئیں۔ عقل وفہم خدا داد ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت تھی۔

اسلامی دستور اور تحریک پاکستان

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تو شیخ الہند تھے، بڑے تھے، مجھ جیسا ایک ادنیٰ انسان جب میں پاکستان آیا ہوں آپ لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ یہاں آکر میں نے مدرسہ بنایا ہوگا۔ مدرسہ کا منتظم ملاّ ہوں، نہیں میں یہاں دراصل نظام سلطنت کے سلسلے میں آیا تھا، دستور بنانے کے لئے آیا تھا۔ اور اسلامی دستور بنانے کے لئے ایک جماعت نے مجھے بلایا تھا کہ اسلامی دستور کی تشکیل کی جائے چنانچہ وہ ہم نے کیا اور اس کا خاکہ بنایا۔

ہمیں کیا معلوم دستور کسے کہتے ہیں قانون کسے کہتے ہیں؟ جو آپ لوگ پڑھ رہے ہیں وہی ہم نے پڑھا تھا، دستور وقانون تو پڑھا نہیں تھا، نہ ہی کبھی مطالعہ کیا تھا اور نہ دیکھا تھا، لیکن جب آپ کے آگے اس کام کو لے کر بیٹھے، اللہ کا شکر ہے بزرگوں

کی جوتیاں سیدھی کی تھیں۔ عمر پڑھنے پڑھانے میں گزاری تھی ہم نے قوانین اور دساتیر کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ مطالعہ کے بعد الحمد للہ ہمیں اتنی معلومات ہوگئی تھیں کہ کس طرح دستور بنتا ہے اور کس طرح قانون بنتا ہے، چنانچہ دستور کا خاکہ ہم نے بنایا، وہ تو ایک غیر سرکاری خاکہ تھا، پھر ایک سرکاری بنا تھا، بورڈ تعلیمات اسلام کے نام سے، یہ بورڈ اس نام سے حکومت کے دستور ساز اسمبلی میں بنایا تھا۔ اس میں ایک ہزار روپے ماہوار ہمارا الاؤنس تھا اس میں چند علماء رکھے گئے تھے کہ وہ اسلامی دستور بنائیں۔

اب ظاہر ہے کہ ہم نے عمر بھر دستور، اسلامی یا غیر اسلامی کبھی لکھا ہی نہیں تھا، سیکھا ہی نہیں تھا، اس کو جانتے ہی نہیں تھے، لیکن جب سر پر پڑی تو اس کا مطالعہ کیا، دنیا بھر کے دستوروں کو دیکھا اور انگریزی دستوروں کا اردو ترجمہ کرایا، غرض دنیا بھر کے دستوروں کا مطالعہ کیا، اللہ کے فضل وکرم سے دستور کے معاملے میں اس وقت ہم ایسے ہوگئے تھے کہ دعویٰ سے کہہ سکتے تھے کہ ہم دنیا بھر کے دستور جانتے ہیں۔

چنانچہ ایک مجلس میں ایسا ہوا کہ خواجہ ناظم الدین صاحب، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، اچھے آدمی تھے اس وقت وہ وزیر اعظم تھے، ان کے ساتھ چار پانچ بڑے بڑے وزراء تھے، اس مجلس میں گفتگو ہو رہی تھی، ایک صاحب (اب بھی حیات ہیں مین ان کا نام نہیں لیتا) اس زمانے میں مرکز کے وزیر تھے۔ ذرا سا میری طرف خطاب کرکے یہ بول اٹھے کہ آپ کو یہ کیا معلوم۔ اور وہ مجھے یہ سمجھتے تھے کہ یہ ملّا آدمی ہے یہ بے چارہ مدرسے سے آیا ہے۔ اسے استنجاء کے مسائل تو معلوم ہوں گے، ان سے دستور اور قانون کا کیا تعلق؟ اس نے ذرا تھیٹر کے انداز میں کہا، مولانا آپ کو خبر نہیں، مجھے غصہ آگیا، میں نے کہا مجھے خبر نہیں، میں جانتا ہوں کہ آپ کی جیبوں میں نوٹ پڑے ہوئے ہیں جو آپ کے سیکریٹریوں نے لکھ کر دے رکھے

ہیں، آپ کے سارے علم کا مبلغ وہ ہیں۔ آپ کو کچھ پتہ نہیں دستور کسے کہتے ہیں اور میں، میں نے ساری دنیا کے دستوروں کا مطالعہ کیا ہے آپ مجھ سے کسی دستور کے متعلق پوچھئے میں بتاؤنگا، کہ انگلینڈ میں کیا ہو رہا ہے، ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے، اور یورپ کے دوسرے ممالک میں کیا ہو رہا ہے اور کیا دستور چل رہا ہے، مجھ سے کہتے ہیں کہ مجھے خبر نہیں، جب میں نے یہ کہا تو دم بخود ہو گئے۔ ایک دو مجلسوں میں نہیں بلکہ کئی مجلسوں میں۔

تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ہم نے سیاست سیکھی نہیں تھی، ۵۳ سال کی عمر میں پاکستان کے لئے میں نے ہجرت کی، دو سال انہی ۵۳ سال میں سے پاکستان بنانے کے لئے جلسے جلوس میں لگائے، اس زمانے میں تھوڑا سا سیاست میں دخل دیا تھا، اس سے پہلے کیا جانے سیاست کیا بلا ہے، لیکن جب ضرورت پڑی اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے راستے کھول دیئے۔

اسلامی دستور بیسویں صدی میں؟

اور خدا کا شکر ہے کہ نور الامین صاحب جو اس زمانے میں مشرقی پاکستان کے وزیر اعظم تھے، چار وزراء اعظم تھے، ون یونٹ سے پہلے کا قصہ ہے چاروں صوبوں کے وزرائے اعظم کچھ دوسرے وزراء اور ہماری جماعت علماء کی آپس میں گفتگو اور بحث تھی، وہ یہ کہتے تھے کہ دستور جسے تم اسلامی دستور بتا رہے ہو چلنے والا نہیں، ہم نے کہا کہ اگر چلنے والا نہ ہوتا تو اللہ اور اس کے رسول ہمیں اس کا حکم نہ دیتے، ہمارا ایمان ہے کہ ضرور چلے گا۔ اس زمانہ میں چلے گا۔ بیسویں صدی میں چلے گا۔ اکیسویں صدی میں چلے گا اور ضرور چلے گا۔ اس پر بحث تھی، بحث تو خیر اس پر لمبی ہوتی رہی، لیکن نور الامین صاحب نے گھر میں جا کر کہا کہ سچی بات یہ ہے جو مفتی صاحب کہہ رہے ہیں ہم

مانیں یا نہ مانیں یہ دوسری بات ہے، انصاف کی بات ہے کہ بات سچی ہے۔

کیا بات تھی، یہی کہ جب ضرورت پڑی تو علم کو علم کے طریقے پر حاصل کیا، اس زمانے میں کوئی دوسرا شغل، دھندا نہیں تھا، ان سب چیزوں سے فارغ ہونے کے بعد جب ضرورت پڑی تو اللہ کا شکر ہے کہ اس انداز میں کام کیا کہ بڑے سورماؤں نے، سیاست کے جاننے والوں نے اقرار کیا کہ ہم میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ بے وقوف ہے۔ جانتا ہی نہیں اور جتنے عالم اس وقت سیاست میں لگے ہوئے ہیں، جس عالم کو عالم دیکھو گے۔ ان کی زندگی طالب علمی کی دیکھو یہ کبھی نہیں پاؤ گے کہ وہ طالب علمی کے زمانہ میں نعرہ لگاتا پھر رہا ہے، جلسہ جلوسوں میں جارہا ہے اگر وہ ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی، جتنے علماء برسر اقتدار آئے ہیں اور جن عالموں کی سیاست چلی ہے وہ وہی ہیں جن کی طالب علمی ان چیزوں سے بالکل صاف ستھری ہیں اور وہ صرف اپنی طالب علمی کے کاموں میں لگے، پھر اللہ نے کام میں لگایا تو سیاست میں بھی ان کا اچھا حصہ ہے یہ ساری چیزیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ اس وقت کو غنیمت جانو ابھی وقت ہے۔

اسکولوں اور کالجوں کی تباہی

آج کل سیاست کا ہڑبھونگ ہے اور خاص کر اسکولوں اور کالجوں کو یہ سیاست کھا گئی ہے، ان کے یہاں نہ علم رہا، نہ دین رہا، نہ دیانت داری رہی، نہ حلال نہ حرام، نعرے بازی اور نعرے بازی کے پیچھے ان کی ڈگریاں اور ڈگریوں کے پیچھے ان کی نوکریاں، ان کا تو کام بن جاتا ہے اس واسطے کہ انہوں نے نعرہ لگانا سیکھا اور نعرہ لگا کر جا چڑھے اپنے پرنسپل کے سر پر کہ لاؤ ڈگری، وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ بغیر امتحان کے ہمیں ڈگری دو۔ چنانچہ ان کو ملتی ہے جھوٹ سے، بے ایمانی سے اور انہی غلط ڈگریوں سے انہیں عہدے بھی ملتے ہیں وہ اس دنیا میں تو کامیاب ہیں اگر چہ حقیقت میں وہ کیا

خاک کامیابی ہے۔

سند اور علم و ہنر

لیکن عزیزو! کہنا یہ ہے کہ تم ان کی حرص نہ کرو، تمہاری ڈگری دو پیسے کی بھی نہیں۔ ہم نے تمہیں اپنی بڑی سند لکھ دی کہ وہو عندنا کذا وکذا وکذا، آپ کے بڑے لمبے اوصاف لکھ دیئے، بازار میں جاؤ تو وہ دو پیسے کی بھی نہیں، کسی دفتر میں جاؤ تمہیں چار پیسے کی نوکری بھی نہیں ملے گی، اگر تمہارے اندر علم و ہنر ہے تو سب کچھ ہے یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں، ان کی حرص کیوں کرتے ہو؟۔

تمہارا کام یہ ہے، میں وہ بات کہہ رہا ہوں۔ شاید میرے بعد اس کے کہنے والے ختم ہو جائینگے، میں نے صرف اپنے بال سفید نہیں کئے بلکہ ساری عمر اسی میں خرچ کی ہے، آنکھ کھولی ہے مدرسے کے اندر، طالب علموں کے اندر بچپن گزارا ہے بچپن کا کھیل کود بھی طالب علموں کے اندر مدرسے میں کیا ہے، عمر گذاری ہے دارالعلوم دیوبند کے اندر ان اکابر کی آغوش میں جن کی کوئی نظیر آج دنیا میں نہیں ملتی۔ ان اکابر کی آغوش میں صرف پڑھا نہیں پڑھایا بھی ہے۔

ایک عمر بھر کا تجربہ

عزیزو! تجربے کی بات کہہ رہا ہوں، آنکھ کھول کر دیکھو۔ میری بات غور سے سنو، یقین کرو۔ اور آج کے بعد اس کا کہنے والا دوسرا نہیں ملے گا، اس واسطے کہ اب اس فضا کو دیکھنے والا اور اتنا تجربہ کار کوئی نہیں رہا۔ سب نو عمر ہیں نئے لگے ہوئے ہیں، وہ تھوڑے عاجل مفادات کے پیچھے چل دیتے ہیں، میں نے عمر بھر تجربہ کیا ہے کہ جو طالب علم طالب علمی کے زمانے میں کسی دھندے میں لگ گیا، خاص کر جلسے جلوس اور سیاست میں، سیاست تو طالب علموں کے لئے انتہائی زہر اور سم قاتل ہے یہ

جلسے جو ہم جمعرات کو کرتے ہیں اور ان میں جو زیادہ غلو کرتے ہیں، بعضوں کو دیکھا اسی میں لگ رہے ہیں، کاپی بنا رہے ہیں سبق چھوڑ کر، تکرار چھوڑ کر وہ بھی میں مضر سمجھتا ہوں، اس میں چائے پانی ہو رہے ہیں، دوسروں کو بلایا جا رہا ہے، اب تو یہ ہونے لگا ہے، روز سنتا ہوں کہ آج پارٹی ہو رہی ہے، اس کا نتیجہ انتہائی خطرناک اور غلط ہے، ہاں سادگی کے ساتھ ہفتے میں جمع ہو کر تقریر کرنا سیکھو۔

تو بھئی میرا عمر کا تجربہ یہ ہے اور جنہوں نے کبھی طالب علمی کے ساتھ دلچسپی رکھی ہے ان سب کا بلکہ جتنے غیر مسلم لوگ ہیں وہ ہمیشہ یہ کہتے رہے ہیں، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دور کی تحریکات کے زمانہ میں، چنانچہ بنارس یونیورسٹی کے وائس چانسلر جو ہندو تھا اس نے اپنی یونیورسٹی میں یہ تقریر کی تھی کہ میں طالب علموں کو اس سیاست کا جزو نہیں بننے دونگا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ طالب علموں کے واسطہ تباہی ہے۔

اس لئے اس وقت کو غنیمت جانو جو میں کہہ رہا ہوں اس کو سوچو سمجھو، قرآن کے ارشادات کو دیکھو، دنیا کے تجربات کو دیکھو، تجربہ تمہارے سامنے نہیں مگر میں دنیا کے تجربے کر کے کہہ رہا ہوں، اس وقت کو خالص اپنے علم دین کی طلب میں، کتاب کے سمجھنے میں، جاننے میں، یاد کرنے میں اور اس میں ترقی میں خرچ کرو، یہ دو چار سال ہیں ؎

چند روزے جہد کن باقی بخند

موجودہ سیاست

جب طالب علمی کا زمانہ ختم ہو جائے، پھر اگر کسی کا جی سیاست میں لگنے کو چاہے تو اللہ کے لئے غور کرے۔ اگر واقعی سیاست دین کی ہو، آج کل سیاست اتنی گندی ہو گئی ہے کہ جو دین کے لئے سیاست کے پیچھے چلتا ہے تو دین کا تو صفر ہو جاتا ہے اور

بے اختیار دوسری چیزیں لگ جاتی ہیں، ہم نے تو اس کے پیچھے دس سال خرچ کئے ہیں، آخر میں یہ دیکھ کر چھوڑا ہے کہ آدمی اپنے اختیار میں وہاں جا کر نہیں رہتا، پھر دوسرے مفادات غالب ہوتے ہیں جو دین کے خلاف چلنے پر مجبور کرتے ہیں، پھر آدمی تاویلیں کرتا ہے۔

خیر بہر حال وہ جو کچھ ہے پڑھنے پڑھانے کے بعد آدمی کو اختیار ہے، اگر طالب علمی کے بعد استعداد حاصل ہو جائے اور واقعی دین کی سیاست نظر آئے، دین کی حفاظت کے لئے وہ اچھی چیز ہے سیاست منع نہیں ہے، کوشش کرے، جیسے میں نے ابھی کہا، کہ دو سال پورے کامل ہم نے بھی اس میں لگائے اور دس سال یہاں آ کر پاکستان میں لگائے (دو سال پاکستان بننے سے پہلے اور دس سال پاکستان بننے کے بعد) انہی وزراء، امراء اور سفراء وغیرہ کے ساتھ لگے رہے، کوششیں کرتے رہے، کسی طرح سے دینی رنگ پیدا ہو، ہمیں تو تجربہ یوں ہوا کہ اس راہ میں صفر ہی ہاتھ میں آیا، اور کچھ ہاتھ میں نہ آیا۔

دینی مدارس کی اہمیت

پھر ہم نے سوچا کہ لاؤ اپنا یہ دھندا چلائیں، کہیں یہ ہاتھ سے نہ جاتا رہے "طَلَبُ الْکُلِّ فَوْتُ کُلِّہٖ" اس واسطے مدرسہ بنایا اور ہم نے دیکھا کہ الحمد للہ غنیمت ہے جو کچھ اگر دین کی رمق باقی ہے تو انہی مدرسوں کے ذریعہ سے باقی ہے اور وہ جبھی ہے کہ جب ان دنوں کو جو تمہیں ملے ہوئے ہیں سمجھو اور غنیمت جانو، سب چیزوں سے قطع نظر کرے ؎

دل آرامے کہ داری دل درو بند
وگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

سب سے آنکھ بند کر کے اس کے پیچھے لگ جاؤ، کوشش کرو، محنت کرو، جس کسی بڑے عالم کا تم نام لوگے، ان کی زندگی کو دیکھو گے یہی پاؤ گے کہ طالب علمی کے زمانہ میں انہوں نے طالب علمی کی تھی اور کوئی کام نہیں کیا تھا، اگر آپ اپنی فلاح چاہتے ہو دین و دنیا کی، تو اس بڈھے کی بات مانو سنو، کوئی کہنے والا تمھیں ملے گا نہیں، اس واسطے کہ میں نے جتنے تجربہ مدرسوں کے لئے، مدرسوں میں عمر گذاری خدا جانے کتنے مدرسے بنے اور بگڑے ہیں میری آنکھوں کے سامنے، ان تجربوں کو دیکھتے ہوئے میں یہ بات تمہیں کہہ رہا ہوں، خاص اس کام کے پیچھے لگو۔

کامیابی کا راز

دوسرا کام یہ ہے کہ حلال وحرام کی فکر کرو۔ تقویٰ اختیار کرو عمل صرف اتنا، نوافل نہیں، ذکر و شغل نہیں، نماز روزے کی پابندی اور حلال وحرام کی فکر بس یہ ساتھ لگنی چاہئے اگر یہ کام تم نے سیکھ لئے تو سیاست بھی ہے ریاست بھی ہے اور جب تم چاہو گے اور جس میدان میں نکل جاؤ گے اللہ نے چاہا تو تم ہی تم ہو گے، اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی۔

اور خدانخواستہ اس وقت کو تم نے ضائع کر دیا۔ تو یقین کرو خسر الدنیا والآخرۃ ہو گا، یہ تو تمہیں آئے گا نہیں جس چیز کے پیچھے تم آج پڑ رہے ہو۔ وہ بھی نہیں آئے گی نتیجہ اس کا کچھ نہیں سوائے خسران کے اور سوائے بربادی کے، علم نہ آیا تمہاری قیمت علم سے ہے، اور تمہارے پلے ہنر تو ہے نہیں۔

وہ جو کالج والے ہیں علم وہاں بھی نہیں رہا، پہلے ان کو بھی کچھ فن اور کچھ ہنر آتے تھے، اب ان کے پاس ہنر فن کچھ نہیں رہا مگر ڈنڈے جوتے کے زور سے ڈگری لے لیتے ہیں۔

استادوں کے جوتا مارا، اور اس کے جوتا مارا، ڈگری لے لی، وہ تو الّو اپنا سیدھا کر لیتے ہیں تمہارا مسئلہ ٹیڑھا اور مصیبت کا ہے تم کیا کروگے؟ اس واسطے اپنے حال پر رحم کرو اور کتاب میں لگو، ایک ڈیڑھ مہینہ رہ گیا ہے (اختتام) تعلیم کا، تجربہ یہ بھی ہے ساتھ میں اگر آدمی شروع کا وقت غفلت میں گزار دے، آخر سال میں محنت کرے تو وہ بھی کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہمارا ایک ہم سبق ساتھی تھا اللہ تعالیٰ اس کا بھلا کرے، زندہ ہو، کچھ دن پہلے یہاں آئے بھی تھے ہندوستان کے رہنے والے تھے، بہت ذہین آدمی تھے مگر بڑے بے پرواہ، پڑھتے پڑھاتے نہیں تھے، سبق میں حاضری کم، مطالعہ تکرار کچھ نہیں۔ لیکن جہاں ششماہی امتحان آیا وہ میرے سر ہوا کہ مجھے یاد کراؤ، ششماہی امتحان کے بعد پھر وہ ایسے لگتے تھے کہ اس زمانہ میں وہ ایک ایک دو دو بجے تک میرے ساتھ بیٹھے رہتے تھے میں انہیں تکرار کراتا رہتا تھا۔ ایک دو مہینہ وہ محنت کر کے سب سے آگے جاتے تھے، سارے سال کی کسر نکال لیتے تھے وہ ایک دو مہینہ میں بہت ذہین تھے، ہر ایک کے لئے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے وہ تو اتفاق سے ذہین آدمی تھے۔

وقت کو پہچانو اور عمل کرو

لیکن بھئی پہلے نہیں کیا تو اب کرلو، اور اپنی جانوں پر رحم کرو اپنے ماں باپ پر رحم کھاؤ، جنہوں نے تمہیں یہاں اس کام کے لئے بھیجا ہے کہ کچھ حاصل کرلو، حاصل کرنے کا یہی وقت ہے یہ وقت گذر گیا تو پھر یہ چیز کبھی حاصل نہ ہوگی، ساری دنیا کی چیزیں آجائیں گی، جو کچھ تم چاہو گے سب کچھ مل جائے گا لیکن علم نہیں ملے گا، علم تعلیم اور وہ سب چیزیں جو استادوں کے پاس رہ کر سیکھنے کی چیزیں ہیں۔ اس میں علم، عمل اور اخلاق سب داخل ہیں، میں نے ایک دو نہیں سیکڑوں کی تعداد ایسے لوگوں کی دیکھی

ہے، انہوں نے اس وقت کو فضولیات میں برباد کیا، انجام کار آگے یہ کہ بربادی ہی بربادی ہے۔

اب اس وقت جو ہم پڑھا رہے ہیں، ہمارے طالب علم جو کامیاب ہوتے ہیں، ہم اگر غور کریں تو حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے معیار سے جانچیں تو تم میں سے پانچ بھی پاس کرنے کے قابل نہیں، پرانی معیار کے مطابق تم میں سے صرف دس پانچ بھی مشکل سے کامیاب ہونگے، چشم پوشی کر کے پاس کرتے ہیں استعداد ویسے ہی گر رہی ہے، لیکن اگر مطالعہ اور کم کر دیا تو ظاہر ہے کیا حال ہوگا، بس اسی پر آج کی مجلس ختم کرتا ہوں۔

ولیتفقھوا فی الدین تفقہ فی الدین نہ حاصل ہوگا جب تک کہ اپنے سارے اوقات کو اور ساری توانائی کو ساری چیزوں سے قطع نظر کر کے اس کے پیچھے نہیں لگا دو گے اس وقت تک تفقہ فی الدین نہیں آئے گا۔ اس میں آپ اسی مقصد کے لئے آئے ہو۔ والدین نے اسی مقصد کے لئے بھیجا ہے۔ تم روٹی اسی کام کی کھاتے ہو۔ تم دنیا کو یہی دکھاتے ہو کہ ہم دین کا علم حاصل کرنے یہاں آئے ہیں۔ آپ کا فریضہ یہ ہے کہ اس کے اندر لگیں اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ دیں اور اس میں لگ کر کوشش کرو گے تو ان شاء اللہ سال بھر کی محنت وصول ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ نماز کی پابندی کرو، میں یہ دیکھتا ہوں کہ صبح کی نماز میں ایک ہی صف ہوتی ہے، جب میں معلوم کرتا ہوں کہ مطبخ میں کتنی روٹی پکتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ۲۵۰ آدمیوں کی پکتی ہے، ہماری مسجد کی ایک صف میں ستر آدمی آتے ہیں، صبح کی نماز میں ایک صف ہوتی ہے اور کبھی دو چار آدمی زائد ہو جاتے ہیں۔

غور کرو اگر نماز بھی ہم سے سیدھی نہ ہو تو کیا خاک ہم کریں گے، کم از کم نماز اور جماعت کا تو التزام اور پابندی کرو۔ اس کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو،

ہمدردی کے ساتھ، شکوہ شکایت نہیں، خیر خواہی اور ہمدردی سے جو طالب علم نہیں اٹھے۔ اس کو اٹھا کر جاؤ، اگر ایک طالب علم صبح کی نماز میں اٹھ رہا ہے تو دوسرے کو جگا کر جائے، ہمدردی سے مہربانی سے اگر وہ پھر سوتا رہ گیا، نماز سے واپس آؤ تو پھر جگا دو، دنیا پھرتی ہے تبلیغ کرتی ہوئی دعوت دیتی ہوئی دنیا کے اندر، تم سے اتنا نہیں ہوتا کہ اپنے بھائیوں کے اندر اتنی تبلیغ کرو کہ وہ نماز کے پابند ہو جائیں۔ جماعت کے پابند ہو جائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نصائح مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ
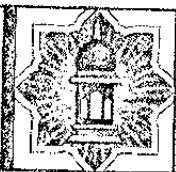
حضرت مفتیٔ اعظم قدس اللہ تعالی سرہ کا اس دنیا سے پردہ فرمانے سے تقریباً ایک سال قبل کی یہ دو نصیحت آموز مجلسیں جو اساتذہ اور طلبہ دار العلوم کے ساتھ ہوئیں اور جن کا خلاصہ حضرت مولانا صبار دانش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ضبط فرمایا تھا، بشکریہ البلاغ (شوال ۱۳۹۸ھ) ہدیۂ ناظرین ہیں۔ مرتب

حضرت مفتی صاحب قدس اللہ سرہ نے اساتذہ کی ہفتہ واری ۱۳۹۵ھ کی آخری مجلس میں اساتذہ کو نصیحت فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ شاید میں آنے والے سال تک حیات نہ رہوں، معلوم نہیں میں کہاں ہوں گا اور تم کہاں ہوگے، اس لئے یہ بات تم سے عرض کر رہا ہوں کہ تم نے جو طریقہ تقاریر لکھوانے کا بنا رکھا ہے، اگر اسے شروع سال سے آخر تک چلا سکتے ہو تو بہت ہی نافع ہے، لیکن عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ایسا ہوتا نہیں ہے، بلکہ اساتذہ اپنا تمام زور کتاب الطہارت اور زیادہ سے زیادہ کتاب الصلوٰۃ پر خرچ کر دیتے ہیں، اس کے بعد نہ استاذ کو کچھ معلوم ہوتا ہے کہ کیا پڑھا رہا ہوں، اور نہ طالب علموں کو معلوم ہوتا ہے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں، بس ورق گردانی ہو رہی ہے کہ کسی طرح کتاب ختم ہو جائے، کبھی بیس ۲۰ صفحے اور

کبھی تیس ۳۰ صفحے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کتاب الطہارت اور کتاب الصلوٰۃ اور کچھ تھوڑا سا کتاب العلم کا محقق بن کر رہ جاتا ہے، اس کے سوا اس کو کچھ نہیں آتا۔

حالانکہ ہمارا یہ مقصد نہیں، اور نہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا یہ مقصد ہے۔ اصل مقصد انسان بنانا ہے اور یہ مقصد بالکل متروک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب الرقاق اور کتاب الادب جیسے ابواب کی طالب علم کو ہوا تک نہیں لگتی ہے، وہ ان باتوں سے بالکل خالی الذہن ہوتا ہے۔

میرے عزیزو اور بزرگو! یہ انتہائی مضر اور نقصان دہ ہے۔ قابل ترک بلکہ واجب الترک ہے اور طریقہ یہ ہے جو سلف سے چلا آرہا ہے کہ حدیث کا ترجمہ اور مفہوم طالب علم کی سمجھ میں آجائے، انشاء اللہ یہ انتہائی مفید اور نافع ہوگا، بلکہ رہا ہے۔

پھر حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنا مشکوٰۃ کا سبق مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتی دارالعلوم دیوبند) سے پڑھنے اور ان کے پڑھانے کا طریقہ بیان فرمایا کہ وہ مرقات اپنے سامنے رکھتے تھے، اس کے حاشیہ پر مشکوٰۃ تھی، اسی میں پڑھاتے تھے، کوئی سمجھانے کی بات ہوئی تو مرقات کی عبارت پڑھ کر بیان فرمادی، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں مشکوٰۃ شریف کی حدیثیں تک یاد ہوگئیں، اور الحمد للہ بعض احادیث اب تک یاد ہیں، اگر اسی طرح پڑھانا ہے جیسا اب پڑھا رہے ہو تو سارے سال پڑھانے کی کیا ضرورت ہے، شروع اور آخر سے پڑھا کر سند دیدی جائے، اور روایت کا جو چکّر چل رہا ہے، معلوم نہیں کس نے نکالا ہے کہ روایۃً اسباق ہو رہے ہیں، سب فضول سی بات ہے۔

خدا کے لئے سوچو سمجھو! ہمارا مقصدِ زندگی اور درس و تدریس کا مقصد

ملازمت نہیں ہے، میں کسی ایک کو نہیں کہہ رہا ہوں سب اس میں شریک ہیں، اور میں تو سب بھول بھال گیا، ماشاء اللہ آپ حضرات کا علم تازہ ہے، پڑھانے میں شروع سال سے لے کر سال کے آخر تک یکسانیت ہو، جو وقت شروع سال میں تھا، آخر میں اسی کا خیال رکھو، یہ نہ ہو کہ سال کے آخر میں رات کو بھی سبق ہورہا ہے، دن کو بھی ہورہا ہے، طلبہ بھی پریشان ہیں، اساتذہ بھی کتاب ختم کرانے کی فکر میں ہیں۔

اور اس بات کا خاص خیال رکھو کہ مدرسہ کے اوقات کی پوری پابندی ہو کہ ادھر گھنٹا بجا اور اُدھر درس گاہ میں قدم رکھا، اس سے بڑی برکت ہوگی، اور یہ بات ایسے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تجربہ شاہد ہے، اور ایسا ہوتا چلا آرہا ہے، گھنٹہ لگنے کے نہ پانچ منٹ بعد شروع کرو اور نہ گھنٹہ لگنے سے پانچ منٹ پہلے ختم کرو، بس یہ چند باتیں کہنی تھیں۔ اپنے لئے اور دارالعلوم کے لئے دعا کریں۔ ۲۷/۷/ ۱۳۹۵ھ

حضرت مفتی صاحب قدس اللہ سرہ نے ۱۳۹۵ھ ماہ رجب کی طلبہ کی آخری مجلس میں یہ نصیحت فرمائی کہ

اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾ (التوبۃ:۱۱۹)

کہ تقوی صادقین کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوگا، اور فرمایا کہ اللہ تعالی ہمارے حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے مواعظ میں یہ برکت رکھی ہے کہ اس کے پڑھنے سے تجربہ شاہد ہے تقوی پیدا ہو جاتا ہے۔

اور فرمایا کہ خلاصہ قصد السبیل، تعلیم الدین، مواعظ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حیات المسلمین کا فرصت کے وقت گھر جا کر چھٹیوں میں مطالعہ کرو اور اپنی محلہ کی مسجد میں حیات المسلمین کو تھوڑا تھوڑا پڑھ کر سناؤ،

اور آخر میں فرمایا کہ اگر کسی نے میری اس نصیحت پر عمل کرلیا تو انشاء اللہ کامرانی ہی کامرانی ہے، اور ہمیشہ اعمال میں صدق کا خیال رکھو، بس طالب علموں کا سب سے پہلا عمل صدق ہے، اگر انہوں نے اس پر عمل کرلیا اور اپنے تمام امور میں اس کا خیال رکھا تو گویا انہوں نے سارے دین پر عمل کرلیا۔

۱۵ / ۷ / ۱۳۹۵ھ

دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴

(یہ تمام باتیں احقر[1] نے مجلس ختم ہونے کے بعد اپنی یادداشت پر لکھی ہیں)

(۱) مراد حضرت مولانا صابر دانش صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مرتب

مجالس مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قاضی بشیر احمد صاحب (باغ، آزاد کشمیر)

حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کی درج ذیل مجالس جنہیں حضرت قاضی بشیر احمد صاحب نے ضبط فرمایا اور جو البلاغ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ اور اس کے بعد کئی ماہ تک قسطوار شائع ہوئی تھیں ہدیۂ ناظرین ہیں۔ ابتداء میں حضرت قاضی صاحب کا ان مجالس کے تعارف پر مشتمل نوٹ بھی پیش خدمت ہے۔ مرتب

حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ ہفتہ میں ایک بار دار العلوم کی مسجد میں مغرب کی نماز کے بعد طلبہ کے سامنے اصلاحی بیان فرمایا کرتے تھے۔ راقم ان دنوں فقہی درجات کا طالب علم تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات میں شریک ہوتا تھا اس دوران آپ کی مجالس کے بیانات کو بعض اوقات قلمبند کرنے کی بھی کوشش کرتا تھا، چنانچہ پرانی فائلوں سے ایک کاپی برآمد ہوئی جس میں اسی زمانے کے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاحی بیانات لکھے ہوئے ملے، خیال ہوا کہ افادۂ عام کے لئے ان بیانات کو منظر عام

پر لایا جائے۔ یہ بیانات متعدد مجالس سے متعلق ہیں، اس لئے ہر مجلس کا انداز بیان جداگانہ ہے، ان میں اگر کوئی غلطی محسوس ہو تو اس کے بارے میں یہی تصور کیا جائے کہ یہ غلطی راقم سے سرزد ہوئی ہے اور اس کی اصلاح فرمائی جائے۔ (مرتب)

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی نہ ہونی چاہئے

ایک مجلس میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو چاہتے ہیں اس کی ہدایت کا کوئی راستہ بھی نکال دیتے ہیں اس لئے بندے کو چاہئے کہ وہ اپنے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اس پر ''رسالہ قشیریہ'' کے حوالے سے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ جو ممتاز اہل اللہ سے گزرے ہیں لیکن شروع میں ان کی دینی حالت اچھی نہ تھی۔ ایک دن عیش وعشرت کی مجلس منعقد کی جس میں اپنے بہت سے احباب کو بھی مدعو کیا اور طرب ومستی کے بہت سے اسباب مہیا کئے، جب مجلس کا آغاز ہوا تو کسی نے دروازہ پر دستک دی اس پر بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی باندی سے کہا کہ دروازہ پر دیکھو کون ہے؟ اس نے جا کر دیکھا کہ ایک فقیر کھڑا ہے۔ باندی نے اس کو گدّا[1] دینا چاہی مگر اس نے قبول نہ کی اور کہا کہ ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس گھر کا مالک کون ہے؟ آقا ہے یا غلام؟ تو باندی نے جواب دیا کہ اس کا مالک آقا ہے تو فقیر نے یہ سن کر باندی کے جواب میں سرد آہ بھری اور کہا کہ اس گھر کا مالک کوئی آقا ہی ہوسکتا ہے اگر غلام ہوتا تو اس کو اپنا

---

(۱) یعنی جو یا گیہوں کا خوشہ۔ ملاحظہ ہو نور اللغات۔ مرتب۔
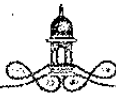
آقا ضرور یاد ہوتا اور یہ منظر نہ ہوتا، باندی نے فقیر کے یہ الفاظ اپنے آقا کو آ کر بتلا دیئے بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر ان کلمات کی ایسی چوٹ لگی کہ سب کچھ وہی دھرا رہ گیا، اس فقیر کے پیچھے بھاگے مگر وہ نہ مل سکا، فقیر کے الفاظ اپنا کام کر گئے تھے، اس واقعہ کے بعد حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حقیقی آقا اور مالک کی جستجو میں لگ گئے اور پھر اپنے وقت کے بڑے عارف باللہ مرجع خلائق بزرگ مشہور ہوئے۔

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر حضرت فریدالدین عطار جو شیخ عطار کے نام سے مشہور ہیں کی ہدایت پانے کا واقعہ بھی بیان فرمایا کہ حضرت شیخ عطار عطر کی تجارت کرتے تھے۔ اسی لئے آپ کو عطار کہا جاتا ہے۔ آپ کی دکان میں مختلف قسم کے عطر تیل ہوتے۔ ایک دن بوتلوں کی سجاوٹ میں مصروف تھے اتنے میں ایک فقیر دکان کے سامنے آ کر کھڑا ہوا اور دکان میں رکھی ہوئی بوتلوں کو توجہ سے دیکھنے لگا، فقیر کا یہ طرز عمل حضرت شیخ کو پسند نہ آیا، فقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا دیکھتا ہے اگر کچھ لینا چاہتے ہو تو بتاؤ ورنہ یہاں سے چلے جاؤ۔ فقیر نے یہ سن کر جواب دیا کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ان بوتلوں کے اندر سے تمہاری روح کیسے نکلے گی؟ اس پر حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا غصہ آیا اور بڑی تلخی سے فرمایا کہ ذرا تم بھی بتاؤ کہ تمہاری روح کیسے نکلے گی؟ اس پر فقیر کہنے لگا کہ آپ میری روح کے متعلق پوچھتے ہیں چلیے دیکھیں کہ میری روح کیسے نکلتی ہے؟ یہ کہہ کر فقیر نے کلمہ طیبہ پڑھا اور چادر اوڑھ کر وہیں زمین پر لیٹ گیا تھوڑی دیر کے بعد حضرت شیخ نے چادر اٹھا کر دیکھی تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی، اس واقعہ کا حضرت شیخ کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ دکان چھوڑ دی اور اللہ کے ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے اور بڑے اولیاء اللہ میں شمار ہوا۔

اس سلسلے کی دوسری قسط بشکریہ ماہنامہ البلاغ جمادی الاخری ۱۴۱۹ھ پیش خدمت ہے۔ مرتب

شکر کی حقیقت

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝

(ابراہیم:۷)

اور شکر سے متعلق سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ تعالی نے اس آیت سے ہمیں شکر کرنے کی تعلیم دی ہے شکر کی تعریف یہ ہے۔ "الشکر قید الموجود و صید المعدوم" شکر نام ہے موجود چیز کو مقید اور محفوظ کرنا اور موجود چیز کو محفوظ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو چیزیں حاصل نہیں ہوتیں انسان ان کو بھی شکار کر لیتا ہے، حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے شکر کی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ شکر نام ہے رؤیت منعم کا، اکثر لوگ نعمتوں کا تو استحضار کرتے ہیں جبکہ اصل یہ ہے کہ وہ منعم کو دیکھے اور اس کو پہچانے اسی کا نام شکر ہے، حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں انہوں نے ایک دن اپنے شاگرد حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ ما الشکر؟ شکر کیا ہے؟ تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں صرف نہ کیا جائے اس جواب پر آپ رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے اور پوچھا کہ تم نے یہ جواب کہا سے حاصل کیا؟ جواب میں کہا کہ یہ میں نے آپ کی صحبت سے حاصل کیا ہے۔

نعمت کا شکر ادا کرنا بھی فرض ہے

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ نعمت کا شکر فرض عبادات کی طرح فرض

ہے اور اس کا ترک حرام ہے، آل داؤد علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ⑬ (سبا: ۱۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس غفلت اور کوتاہی کی نشان دہی کی ہے کہ شکر کرنے والے بندے بہت کم ہیں چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے غور وفکر کرنا شروع کیا کہ کوئی ایسا طریقہ نکالا جائے جس کے ذریعہ سے ہم ہمیشہ خدا کی یاد کرتے رہیں، غور وفکر کے بعد انہوں نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ رات کے وقت کو اپنے خاندان کے افراد میں تقسیم فرمایا، کچھ افراد رات کے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے اور کچھ رات کے دوسرے حصے میں اس طرح اللہ کا شکر کرنے کے لئے پوری رات اپنے گھر کے افراد کو اللہ کے ذکر میں مصروف رکھتے اس کے باوجود آپ کو تسلی نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ شکر کا ادا کرنا بھی تو ایک نعمت ہے؟ اے اللہ آپ نے ہمیں کان، آنکھ، ناک اور زبان وغیرہ تمام چیزیں عطا کی ہیں جن کے ذریعہ سے ہم شکر ادا کرتے ہیں اور پھر ہمیں جو شکر کرنے کی تو نے توفیق عطا کی ہے یہ بھی ایک نعمت ہے، [جس پر] شکر ادا کرنا ضروری ہے لہٰذا ہم سے پورا پورا شکر کیسے ادا ہوگا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ بس انسان شکر ادا کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرے تو شکر ادا ہو جائے گا اور اگر وہ اپنی طاقت کو بھی خرچ نہ کرے تو پھر تارک فرض ہوگا۔

میاں جی اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ

حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ جب علیل تھے میں نے

ان سے دریافت کیا کہ حضرت! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے اللہ کی ان نعمتوں کو شمار کرنا شروع کیا جو ان کو حاصل تھیں، فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے جسم کے اعضاء صحیح سالم ہیں آنکھیں ٹھیک ہیں، کان ٹھیک ہیں، ہاتھ پاؤں تندرست ہیں اور بہت سی نعمتیں شمار کرنے کے بعد اپنی بیماری کے بارے میں فرمایا کہ معمولی سا بخار ہے حالانکہ اس وقت آپ کو ۱۰۵ درجہ حرارت کا بخار تھا اہل اللہ کے انداز بیان کو دیکھئے کہ نعمت کی جہت کو خوب تفصیل سے بیان کیا اور تکلیف کو بہت ہلکا کر کے ظاہر کیا حالانکہ اس وقت اپ کو انتہا درجے کی تکلیف تھی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بے شمار مصیبتیں جھیلیں، پریشانیاں برداشت کیں آپ کی جدائی کے صدمہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کی بینائی جاتی رہی حضرت یوسف علیہ السلام تقریباً چالیس سال سے زائد عرصہ تک باپ سے جدا رہے، بعض روایات میں ستر سال تک جدائی کا عرصہ بیان کیا گیا ہے، جدائی کے یہ صدمات برداشت کرنے کے علاوہ حضرت یوسف علیہ السلام نے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں، آپ کو کنویں میں ڈالا گیا، بازار میں فروخت کیا گیا، غلام بنایا گیا، اس پر ہی بس نہیں، آپ پر جھوٹی تہمت بھی لگائی گئی اور بے گناہ آپ کو قید و بند کی مشقتوں میں ڈالا گیا، طویل عرصہ تک مصیبتیں برداشت کرتے رہے اور جب اللہ نے آپ کو مصائب و پریشانیوں سے نجات دی اور اپنے والد سے ملاقات کی صورت پیدا ہوئی اور چالیس سال تک والد سے جدا رہنے کے بعد ملے تو اپنے والد ماجد سے چالیس کی پریشانیوں اور دکھڑوں کا تذکرہ نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا شروع کیا:

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ (یوسف:۱۰۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ مجھے قید خانے سے نکالا اور باہر لے آیا جبکہ اس پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا

تھا۔حالانکہ اگر کسی عام آدمی پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو وہ اس کو عمر بھر گاتا پھرتا ہے۔

یوسف علیہ السلام نے چالیس سال تک کی جدائی کی روئیداد دو منٹوں میں بیان فرما دی، یہ ہے پیغمبر کی شان کہ مصیبت کو بھی نعمت شمار کرتے ہیں، شکر کرنے والوں کی نظر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر ہوتی ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال سے مزید وضاحت فرمائی کہ ایک شخص اگر کسی کا مہمان بنے اور میزبان اس کو پینے کے لئے دودھ کا آدھا گلاس دیدے تو شکر گزار بندہ جب اس واقعہ کو بیان کرے گا تو اس طرح کہے گا کہ میزبان نے پینے کے لئے دودھ کا گلاس پیش کیا جو آدھا بھرا ہوا تھا اور اسی بات کو اگر اس طرح بیان کیا جائے کہ میزبان نے دودھ کا گلاس دیا جو آدھا خالی تھا تو مطلب تو ایک ہی بنتا ہے لیکن انداز بیان کا اثر مختلف ہے، جس نے یہ کہا کہ آدھا بھرا ہوا تھا اس نے نعمت کی جہت کو اختیار کیا ہے اس طرح اس نے شکر ادا کیا اور جس نے یہ کہا کہ میزبان نے دودھ کا آدھا خالی گلاس پیش کیا اس نے ناشکری کا انداز اختیار کیا تو اہل اللہ کی نظر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ہوتی ہے اور ان کی وجہ سے منعم سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

اہل اللہ کی نظر میں تو مصیبت بھی حقیقت میں ایک نعمت ہے

اللہ والوں کی نظر میں تو مصیبت بھی نعمت ہوتی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کا ذریعہ بن جاتی ہے (اس پر حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا) حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی ایک مجلس میں بیان فرما رہے تھے کہ مصیبت بھی نعمت ہے کیونکہ جب آدمی پریشان ہوتا ہے تو بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر بیان کر رہے تھے کہ اسی دوران ایک جوان چیختا چلاتا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بازو پر پھوڑا نکلا ہوا ہے

جس کی وجہ سے بہت درد ہو رہا ہے، آپ دعا کریں کہ یہ تکلیف رفع ہو جائے، اس مجلس میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے، دل میں یہ سوچنے لگے کہ حضرت حاجی صاحب تو یہ بیان فرما رہے ہیں کہ مصیبت بھی ایک نعمت ہے اور یہ جوان مصیبت کو زائل کرنے کی حضرت سے درخواست کر رہا ہے، دیکھیں حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا جواب دیتے ہیں، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اسی الجھن میں تھا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس نوجوان کی درخواست کے جواب میں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ اے اللہ صحت بھی تیری نعمت ہے اور بیماری بھی تیری نعمت ہے لیکن ہم کمزور انسان ہیں بیماری والی نعمت کو برداشت نہیں کر سکتے، اے اللہ تو اپنے فضل و کرم سے بیماری والی نعمت کو صحت والی نعمت سے بدل دے، حضرت حاجی صاحب کے اس طرز عمل سے خلجان رفع ہوا اور اطمینان ہو گیا، تو یہ ہے اہل اللہ کی شان کہ وہ ہر حالت میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور مصیبت کو بھی نعمت شمار کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مفتی اعظم نے اس موقع پر ایک اور واقعہ بھی سنایا کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف، انگریزوں کی مخالفت کرنے کی وجہ سے وارنٹ گرفتاری نکل چکے تھے اور آپ مکہ مکرمہ میں روپوش تھے، گورنر مکہ نے گرفتاری کے لئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش شروع کر دی، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے معلم کو کہا گیا کہ کل تک ان کو حاضر کیا جائے ورنہ تمہارا سارا خاندان قتل کیا جائے گا اور واقعہ یہ تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اسی معلم کے گھر کے تہ خانہ میں روپوش تھے، معلم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا لیکن اس نے گورنر مکہ کی دھمکی کو مخفی رکھا بالآخر حضرت شیخ

الہند رحمۃ اللہ علیہ کو کسی طرح اس صورت حال کا پتہ چل گیا تو اب یہ گوارا نہ تھا کہ میری وجہ سے دوسرے بے گناہ قتل ہوں، چنانچہ خود بخود باہر آ گئے اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا، مکہ کا حکمران انگریزوں کے ساتھ مل چکا تھا، اس نے آپ کو انگریزوں کے حوالہ کر دیا جو آپ کو لے جانا چاہتے تھے، جب عام لوگوں کو آپ کی گرفتاری کا علم ہوا تو وہ روتے ہوئے آپ کے پاس آئے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ایک جملہ فرمایا جو انتہائی اثر انگیز تھا۔ لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ''الحمد للہ! بمصیبت گرفتارا یم نہ بمعصیت'' خدا کا شکر ہے کہ میں مصیبت میں گرفتار ہوا ہوں کسی معصیت میں مبتلا نہیں ہوا۔ تو اللہ کے بندے ہر حالت میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں حتی کہ وہ مصیبت کے وقت بھی اللہ کا شکر ہی ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں نعمتوں میں اضافہ کروں گا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ان نعمتوں سے آزاد وطن، پاکستان بھی ایک بڑی نعمت ہے جس پر ہمیں شکر ادا کرنا چاہئے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اسلامی احکام کے مطابق زندگی بسر کریں، ہندوؤں کے ساتھ مسلمان اسلامی تقاضوں کے مطابق زندگی نہیں گزار سکتے تھے، اسلامی تشخص کے لئے الگ سرزمین کی ضرورت تھی، یہی وہ نظریہ تھا جس نے پاکستان بنوایا اور لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کرنے پر آمادہ کیا، یہ وطن پرستی نہیں ہے بلکہ وطن حاصل کرنے کا مقصد اسلامی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔

قسط نمبر (۳) بشکریہ ماہنامہ البلاغ رجب ۱۴۱۹ھ پیش خدمت ہے۔ مرتب

تقویٰ کی حقیقت

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک سے متعلق قرآن حکیم کی آیت

تلاوت فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ (البقرۃ: ۱۸۳)

اور ارشاد فرمایا کہ لعلکم تتقون آیت کا ایک جز وہے پوری آیت میں رمضان کے روزوں کا ذکر ہے میں نے لعلکم تتقون کے بیان کو، جو اس آیت کا آخری جزو ہے مقدم کیا ہے جس میں روزے کا ثمرہ اور حاصل تقویٰ بتایا گیا ہے۔

لہٰذا میں پہلے تقویٰ کے بارے میں کچھ عرض کروں گا یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ تقویٰ کس کو کہتے ہیں؟ تقویٰ کہتے ہیں "الاحتراز عن المعصیة والرجوع الی الطاعة" کو، اور تقویٰ کے پانچ درجات ہیں:

① احتراز عن الشرك

② ترك المعاصی

③ احتراز عن الشبہات

④ ترك ما لا یعنی

⑤ ترك ما سوی الله۔

تقویٰ کا یہ آخری درجہ تو اولیاء اللہ کے ساتھ ہی خاص ہے اس لئے کہ ہر شخص کی رسائی یہاں تک نہیں ہوتی کہ اللہ کے سوا تمام چیزوں کو ترک کر دے، تقویٰ کے بہت سے فضائل ہیں رسول کریم ﷺ کا فرمانا ہے کہ اگر تم مشورہ کرنا چاہو تو تقویٰ والوں سے یعنی اللہ سے ڈرنے والوں سے کرو اس لئے کہ ان کی نظر بہت صحیح ہوتی ہے اور اچھا مشورہ دینگے، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا فی أمورکم من یخشی الله"

اور فرمایا:

"شاوروا الفقهاء العابدین"

آپ ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ اہل مشورہ کے لئے خشیت اللہ اور عبادت کا ہونا ضروری ہے، ان کے دلوں میں ہر وقت اللہ کا خوف ہونا ہے، بادشاہت ہو یا فقیری ہر حال میں رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے، انسان کا نفس، شیطان سے بھی زیادہ گمراہی میں ڈالنے والا ہوتا ہے اس نفس امارہ کی سرزنش ہمیشہ کرنی چاہئے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی افلاس میں گزری ہے اس لئے کہ ہمیشہ تعلیمی مشغلہ ہی میں رہے، صفہ میں بیٹھے رہتے تھے، کھانے کو کچھ مل گیا تو کھا لیا نہیں تو ویسے ہی کئی دنوں تک صبر وشکر سے گزار لیتے حضور ﷺ کی تعلیم کو چھوڑنا ہرگز گوارا نہ کرتے بڑی سے بڑی آزمائش اور امتحان میں بھی آپ اللہ کے فضل سے کامیاب نکلتے ایک دفع کا ذکر ہے کہ آپ اٹھنا چاہتے تھے غالباً بھوک کی نقاہت کیوجہ سے اٹھتے اٹھتے گر گئے اور گرے بھی ایسے کہ بے ہوش ہو گئے، کوئی ہوش نہ رہا۔ باقی حضرات نے سمجھا کہ ان کو مرگی کا مرض لاحق ہو گیا ہے اس زمانے میں لات سے گردن دبا کر علاج کا کوئی طریقہ تھا اس لئے لوگوں نے آپ کی گردن دبانا شروع کی کہ اتنے میں کسی نے کہا کہ یہ بیمار نہیں ہیں کئی دنوں سے فاقہ کشی میں مبتلا ہیں بھوک سے نڈھال ہو کر گر گئے ہیں۔ سبحان اللہ! عشق ہو تو ایسا ہو ؎

دست از طلب بر ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جان ز تن برآید

غرض یہ کہ بہت تنگدست تھے مگر جلیل القدر مخلص صحابی تھے، ان کو مروان کے

عہد میں گورنر بنایا گیا۔ گورنر بننے کے بعد ان کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ نفس گورنری کے گھمنڈ میں آکر باغی ہو جائے کیونکہ انسان کا نفس بڑا خطرناک ہے۔ اس کو قابو میں رکھنے کے لئے کوئی علاج کرنا چاہئے تاکہ یہ اللہ تعالیٰ سے بے خوف نہ ہو جائے چنانچہ اپنے نفس کے لئے یہ علاج تجویز کیا کہ گورنری کے کام سے فارغ ہو کر جنگل میں چلے جاتے وہاں سے لکڑیاں کاٹ کر ان کا گٹھرا بنا کر اپنے سر پر رکھ کر بازار لاتے اور راستہ بھی وہ اختیار کرتے جو بازار کے وسط سے گزرتا تاکہ لوگ بھی دیکھیں اور نفس کا غرور جاتا رہے، پھر جب بازار سے گزرتے تو یہ فرماتے ہوئے گزرتے کہ لوگوں! راستہ دو گورنر گزر رہے ہیں۔ اللہ اکبر! یہ اس وقت کے گورنروں کا حال تھا، اور آج کل کے گورنروں کا حال بھی دیکھو۔ ع

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کرنے کو ہر حالت میں ضروری سمجھتے تھے۔ اللہ والوں کی شان یہی ہوتی ہے۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر دنیا کی دولت اللہ کی یاد سے ذرا سی بھی غفلت کا سبب بنے تو ان کا چین وسکون ختم ہو جاتا ہے۔ پریشان پھرتے رہتے ہیں اور ایسی دنیا کو جو اللہ کی یاد سے ان کو غفلت میں ڈالنے کا سبب بنی ہے، اللہ کی رضا پر قربان کر دیتے ہیں۔

ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے کہ بڑے وسیع باغ کے مالک تھے ایک دن اس میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی دوران ایک پرندہ باغ میں پھنس گیا اور پھڑ پھڑانا شروع کیا اس کی اس آواز پر آپ کی نگاہ اٹھ گئی اور دل میں خیال آیا کہ کتنا شاندار، گھنا باغ ہے۔ جس سے پرندے کو بھی نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا

ہے۔لیکن فوراً یہ خیال بھی آیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہا تھا میرا نفس غیر اللہ کی جانب کیوں متوجہ ہوا اس پر بہت افسوس ہوا اور اس سوچ میں پڑ گئے کہ اسکی تلافی کس طرح کی جائے بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ اس باغ کو ہی اللہ کے راستہ میں دے دیا جائے کیونکہ یہ گناہ اسی سبب سے ہوا ہے، چنانچہ دوسرے دن آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (۱) کے پاس پریشانی کی حالت میں تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے جس کا سبب یہ باغ ہے لہٰذا اب میں اس کو اپنی ملکیت میں نہیں رکھ سکتا۔لہٰذا اس باغ کو آپ بیت المال میں لے لیں اور مسلمانوں کی بھلائی میں خرچ کریں۔اس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس باغ کو بیت المال میں شامل کر لیا اور بعد میں اس کو

---

(۱) کتب حدیث میں باغ کو صدقہ کرنے کے تین واقعات منقول ہیں، جن میں سے دو میں اس کی تصریح ہے کہ صاحب واقعہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھے، نیز اس کی بھی تصریح ہے کہ باغ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اللہ کی راہ میں صرف فرمائیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ ایک انصاری صحابی سے مروی ہے، جس میں نماز کے اندر باغ کے پھل سے توجہ بٹ جانے کی بناء پر حضرت عثمان کی خدمت میں انہوں نے یہ باغ پیش کیا تاکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے بیت المال میں شامل فرمائیں۔ موطأ امام مالک کی درج ذیل روایت سے بیان کئے گئے واقعہ کی تائید ہوتی ہے، اگرچہ اس کی بعض تفصیلات میں کچھ فرق ہے::

۳۲۷ ـ مالك، عن عبد الله بن أبي بكر؛ أن رجلا من الأنصار كان يصلي في حائط له بالقف. واد من أودية المدينة. في زمان الثمر. والنخل قد ذللت ، فهي مطوقة بثمرها. فنظر إليها. فأعجبه ما رأى من ثمرها. ثم رجع إلى صلاته فإذا هو لا يدري كم صلى؟ فقال: لقد أصابتني في مالي هذا فتنة. فجاء عثمان بن عفان، وهو يومئذ خليفة. فذكر له ذلك. وقال: هو صدقة، فاجعله في سبل الخير. فباعه عثمان بن عفان بخمسين ألفا. فيسمى ذلك المال، الخمسون۔ (موطأ مالك ت الأعظمي ۲/ ۱۳۶)۔ مرتب

نیلام کیا تو وہ باغ پچاس ہزار درھم سے نیلام ہوا۔ یہ ہے اللہ والوں کا تقویٰ اور ان کا یہ مقام کہ ادنیٰ سی توجہ نماز کے اندر غیر اللہ کی جانب ہوگئی تو انہوں نے اس کے سبب ہی کو ختم کر دیا، ان حضرات کو نفس امارہ سے ہمیشہ خطرہ رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ نفس اللہ کا باغی ہو کر ہلاکت کا سبب بن جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا وقت تھا، ایک دن بیرونی سفیروں کا ایک وفد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے اکرام کا اور رہنے سہنے کا اچھا انتظام فرمایا لیکن آپ رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں پہلے یہ خیال گزرا کہ آخر عمر کوئی چیز ہے تو، تبھی تو دنیا کے سفراء اس کے پاس آتے ہیں، دل میں اس خیال کا آنا ہی تھا کہ فوراً چونک اٹھے اور سوچا کہ اب میرا نفس سرکشی کر رہا ہے اور اس کو ٹھیک رکھنے کے لئے اس کا علاج کرنا ضروری ہے۔ اپنے نفس کا یہ علاج تجویز کیا کہ پانی کا ایک مشکیزہ لیا، اس کو پانی سے بھر کر اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور ایک بڑھیا کے گھر پہنچایا جب لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو کہا کہ حضرت اس کام کے لئے تو ہم حاضر ہیں آپ کو ایسی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی، اس پر آپ نے جواب دیا کہ بڑھیا کو واقعی میرے پانی کی ضرورت نہیں تھی، لیکن یہ عمر کی ضرورت ہے کہ بڑھیا کو جا کر پانی دے۔ اللہ اکبر! نفس کشی کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف آپ امیر المؤمنین ہیں اور دوسری طرف فقیری کی یہ شان ہے۔ خزانے کی چابی بھی اپنے ہاتھ میں ہے لیکن دولت کا کبھی خیال تک نہ آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

انسان کے تقویٰ کو نقصان پہنچانے کے لئے تین چیزیں ہیں۔ زن، زر اور

زمین، حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دفعہ قبرستان تشریف لے گئے اور عبرت کے طور پر مردوں کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ جن چیزوں پر تم کو ناز تھا وہ تمہارے ہاتھ سے نکل چکی ہیں، اب میں تم کو ان کی روئیداد سناتا ہوں

"أما أموالكم فقد قسمت، أما دوركم فقد سكنت أما أزواجكم فقد نكحت هٰذا ما عندي، فما عندكم"

(تمہاری دولت تقسیم ہوگئی مکانوں میں دوسرے لوگ آباد ہو گئے اور عورتیں اوروں کے نکاح میں آگئیں یہ حالت یہاں کی ہے، تمہاری کیا حالت ہے؟)

یہ کہنے کے بعد کچھ سکوت اختیار کیا اور بعد میں دل میں خود خیال کیا کہ اگر یہ بول سکتے تو یہ جواب دیتے کہ اگر آخرت میں کوئی چیز نجات دے سکتی ہے تو وہ یہی تقویٰ ہے، لوگ دوسروں پر تو فوراً اعتراض کرتے ہیں لیکن اپنے عیوب نہیں دیکھتے کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے ؎

تو اپنی عمر کا جغرافیہ دیکھ
یہ مضمون اور اس کا قافیہ دیکھ

روزہ کا مقصد تقویٰ حاصل کرنا ہے

غرضیکہ روزہ رکھنے کو اس لئے ضروری قرار دیا ہے کہ اس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے، اب ہر شخص سوچے کہ مجھے تقویٰ حاصل ہوا ہے یا نہیں، اگر حاصل نہیں ہوا تو وہ سمجھ لے کہ اس کے روزے میں کچھ نقص رہ گیا ہے۔

ہر کام مسنون طریقہ سے کرنے کی فکر ہونی چاہئے

روزے کے لئے ضروری ہے کہ سنت کے مطابق رکھا جائے، جہاں دیگر

عبادات نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ میں اتباع سنت لازم ہے، وہاں روزے کے لئے بھی ضروری ہے کہ اتباع سنت کے ساتھ ہو، اس لئے کہ روزے کی مقبولیت اور عدم مقبولیت کا دارو مدار طریقہ نبوی ہے جس نے اس طریقہ کو اختیار کیا اس نے کامیابی حاصل کی اور بدلہ پایا، جس نے اس طریقہ کو چھوڑ دیا اس نے اپنی تمام محنت کو رائیگاں کیا بعض لوگ عبادت کرتے ہیں لیکن بے ڈھنگے طریقہ سے کرتے ہیں، اگر انسان پوری رات بیدار رہا، لیکن کام سیدھے طریقے پر نہیں کیا تو ایسی تکلیف اٹھانے کا کیا فائدہ؟ آپ کتنی ہی نفلیں کیوں نہ پڑھ لیں، اگر طریقہ درست نہیں ہوگا تو ان کا ذرہ بھی فائدہ نہ ہوگا، ایسی کوشش کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے ہر کام میں طریقہ سنت پیش نظر ہونا چاہئے، حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قسم کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص تیس سال تک پوری پوری رات نفلیں پڑھتا رہا، اس کا ایک غلام تھا جو اس کو وضوء کرایا کرتا تھا، تیس سال کے بعد اچانک غیب سے ایک آواز آئی کہ اے شخص تمہاری نماز مقبول نہیں ہے، یہ سنتے ہی وہ پریشان ہوگیا کہ تیس سال تک میں نے عبادت کی لیکن میری محنت ضائع ہوگئی۔ کچھ دیر پریشان رہا لیکن دوبارہ وضوء کرنے کے لئے تیار ہوگیا، اس کا غلام کہنے لگا کہ میں آپ کو تیس سال تک وضوء کراتا رہا مگر اس کا جو نتیجہ نکلا وہ آپ نے سن لیا، اب آپ دوبارہ کس لئے وضوء کر رہے ہیں؟ غلام کی بات سن کر اس نے بڑا حکیمانہ جواب دیا، کہ آخر میں کروں کیا، اگر کچھ ملے گا تو اسی در ہی سے ملے گا، اور اگر یہاں سے نہیں ملے گا تو کسی اور در سے بھی نہیں مل سکتا، جو اس در سے راندہ ہوا اس کو کوئی بھی در جگہ نہیں دیتا۔

اس لئے جب اور کوئی جگہ ہی نہیں تو میں اپنا کام کیوں چھوڑوں؟ میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ قبولیت و عدم قبولیت سے مجھے کیا سروکار؟

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در، اس پہ ہو کیوں تیری نظر
تو تو بس اپنا کام کر ، یعنی صدا لگائے جا

اس نے جب دلسوزی سے خاکساری کے جملے کہے تو اس کو پھر آواز سنائی دی

قبول است اگرچہ ہنر نیست
جز ما پناہ دگر نیست

یعنی اگر چہ تجھے کوئی ہنر اور سلیقہ نہیں ہے تاہم تیری عبادت قبول ہے کیونکہ تیری کوئی اور پناہ گاہ نہیں ہے، پہلے اس شخص کا فعل سنت کے مطابق نہیں تھا اس لئے اس میں قبولیت کی صلاحیت بھی نہ تھی، لیکن جب اس نے رجوع الی اللہ کیا اور یہی طریقہ سنت کا ہے، تو اس کی برکت سے وہی کھوٹی عبادت کھری بنا کر قبول کی گئی۔ اس لئے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور سنت کا طریقہ سامنے ہونا چاہئے، ورنہ مقصد حاصل نہیں ہوگا، روزہ جو اہم عبات ہے دیگر عبادات کی طرح اس کی ادائیگی بھی سنت کے مطابق ضروری ہے تقویٰ تب ہی حاصل ہوسکتا ہے آدمی متبع سنت ہو دنیا کی محبت دل سے نکال دے صرف ضرورت پر ہی اکتفا کرے اور اکثر وقت یادِ الٰہی میں گزارے۔

نفس کے غلبہ کا علاج

اگر انسان سلیقے اور رنگ ڈھنگ سے بے خبر ہو یا اس پر نفس امارہ کا غلبہ ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی اللہ والے سے رجوع کرے، اللہ کے بزرگ اپنی فراست سے، نفس کشی کا بہتر علاج جانتے ہیں، حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون پر ایک حکایت بیان فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ابتدائے شباب میں کچھ عرصہ

تک لا ابالی تھے، کوئی دینی فکر نہ رکھتے تھے، ایک روز ایک جولا ہے نے ان کو طعنہ دیا کہ بڑا افسوس ہے کہ آپ کے آباء واجداد کیسی بڑی شان کے مالک تھے اور تمہاری کیسی بری حالت ہے، ان کی میراث کھو کر لا ابالی بنے پھرتے ہو، اس بات کی چوٹ حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر لگی اور چھلنی کر گئی، اپنے دادا کے جانشین مریدوں کو تلاش کرنے لگے، لوگوں سے دریافت کر کے بلخ کے حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش میں پہنچے کیونکہ وہ ان کے دادا سے خوب فیض یاب تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین کو جب یہ خبر ملی کہ ان کے شیخ کے پوتے ان سے ملنے آرہے ہیں تو وہ بادشاہ وقت سمیت جو ان کا معتقد تھا ان کے استقبال کو آئے، استقبال کیا۔ بڑی آؤ بھگت کی۔ ان کے لئے چین وراحت کے سارے اسباب مہیا کئے، کچھ دن قیام کرنے کے بعد انہوں نے اصلی غرض ظاہر کی کہ وہ اپنے دادا کی میراث لینے آئے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا طور طریقہ بدل گیا اور فرمایا اچھا تم اگر دادا کی میراث لینا چاہتے ہو تو اس کے لئے محنت و مشقت اٹھانا پڑے گی، چنانچہ حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے بدن سے شان وشوکت کے نرم ونازک کپڑے اتروا کر گاڑھے کپڑے پہنوائے اور فرمایا آپ کا کام یہ ہے کہ حمام گرم کرنے کے لئے آگ جلایا کرو، ہمارے سامنے آنے کی ضرورت نہیں ہے، جب ہم بلائیں تو آنا، غرض اسی حالت میں ہی ان کی ایک طویل مدت گزر گئی، ایک دن حضرت شیخ نے ایک بھنگن سے کہا کہ کل کوڑا کرکٹ پھینکنے کے لئے جب جاؤ تو ان کے پاس سے گزرنا اور کچھ کوڑا ان پر بھی ڈال دینا اور مجھے آکر بتا دینا، بھنگن نے ایسا ہی کیا اور جب صاحبزادے پر تھوڑا سا کوڑا گرایا تو انہوں نے غصہ سے دیکھا اور کہنے لگے: نہ ہوا گنگوہ کہ میں تمہیں بتاتا۔ بھنگن نے شیخ سے صاحبزادے کا یہ جملہ ذکر کر دیا۔ شیخ نے سن کر کہا کہ ابھی کسر ہے وہی خدمت جاری رہی پھر ایک عرصہ کے بعد یہ

ہوا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی لڑکی نے کبوتر پال رکھے تھے جن کو بلی کھا جایا کرتی تھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ بلی سے کبوتروں کی حفاظت کریں، چنانچہ اب ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ ان کے حکم پر رات بھر جاگ کر مکان کے آس پاس گھوم پھر کر کبوتروں کی حفاظت کرتے، لیکن پھر بھی شکایت کی گئی کی بلی کبوتر کھا گئی ہے، اس وقت رات کا وقت تھا وہ اس جستجو میں لگ گئے کہ حفاظت کے باوجود بلی کبوتر کو کھا جاتی ہے، یہ معلوم کیا جائے کہ بلی نے کون سا خفیہ راستہ بنا رکھا ہے، صاحبزادہ خفیہ راستہ تلاش کرنے لگا تو معلوم ہوا کہ پانی آنے کا جو راستہ ہے اسی راستے سے گزر کر بلی جاتی ہے، رات کا وقت تھا۔ اس وقت راستہ بند کرنے کی کوئی چیز نہ تھی تو انہوں نے اپنا سر رکھ کر اس جگہ ٹیک لگائی اور چونکہ کئی روز سے جاگے ہوئے تھے، نیند کا بہت غلبہ ہوگیا اور اسی حالت میں سو گئے، اتفاق سے رات کو بارش ہوئی بارش کے پانی کی نکاسی کا وہی راستہ تھا جو آپ کے سر رکھنے کی وجہ سے بند ہوگیا اور گھر میں پانی آ گیا گھر کی ماماں نے بانس کا ڈنڈا ڈال کر پانی کا سوراخ صاف کرنا چاہا ماماں نے زور سے بانس مارا جو صاحبزادے کے سر پر لگا جس سے خون نکلا اور پانی خون آلودہ ہوگیا، صاحبزادے کے منہ سے آواز نکلی کہ کیا بلی تو نہیں آ گئی؟۔ یہ آواز جب ماماں نے سنی تو وہ ڈر گئی اس نے جا کر یہ قصہ حضرت شیخ سے بیان کیا حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا کہ دیکھو کہیں وہی باؤلا نہ ہو۔ جب لوگوں نے دیکھا تو وہی صاحبزادے نکلے جن کو اٹھا کر لوگ لائے۔ حضرت شیخ نے دیکھا تو فرمایا: بس اب علاج ہوگیا۔ اور پھر شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ذکر و شغل میں لگا لیا۔

میری غرض اس حکایت سے یہ ہے کہ شیخ نفس کی سرکشی کا اچھی طرح علاج کرتے ہیں اور بڑے ٹیڑھے انسان کو سیدھا کر لیتے ہیں، لہٰذا متقی بننے کے لئے ضروری ہے کہ اہل تقویٰ کی صحبت اختیار کی جائے اور جس کو تقویٰ کا مقام حاصل ہوگیا

اس نے روزے رکھنے کا مقصد حاصل کر لیا۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ روزے کو اگر سنت کے مطابق رکھا جائے تو تقویٰ کا رنگ چڑھے گا ورنہ نہیں اور سنت کے مطابق وہی روزہ ہوگا جس میں محرمات کو کلیتاً ترک کر دیا جائے اور محرمات تو روزوں کے علاوہ بھی حرام ہیں جبکہ رمضان کے اندر بعض حلال چیزیں بھی حرام ہو جاتی ہیں۔ روزوں کے اندر حلال چیزوں کی حرمت ایک وقت تک ہوتی ہے اور چیزیں ابدی حرام ہیں روزوں میں ان کی حرمت مزید بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، یہ ہر وقت حرام ہیں۔ ان تمام سے بچنا ضروری ہے۔ غیبت کرنے والے کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ ''اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی طرح ہے'' اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا کون پسند کرے گا، اس لئے کسی کی غیبت نہ کی جائے۔ اور جیسے غیبت سے بچنا ضروری ہے ایسے ہی جھوٹ سے بچنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ حرام ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ آج کل لوگوں نے جھوٹ بولنے کو غذا بنالیا جو زیادہ جھوٹ بولتا ہے لوگ اس کو بڑا سیاست دان زیادہ ہوشیار اور عقلمند سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ آدمی سب سے بڑا بیوقوف ہے جو لوگوں کی رضا کی خاطر اللہ اور رسول کو ناراض کرے، حدیث میں آتا ہے لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ''یعنی جہاں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو وہاں مخلوق کی اطاعت کی اجازت نہیں ہے۔ اس دانا کی کیا دانائی ہے جو مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض کرتا ہے اور ستم کی بات ہے کہ لوگ ایسے کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں، دین سے بے خبر لوگوں کا یہی وطیرہ ہے کہ وہ اسی طرف چل پڑتے ہیں جدھر کی ہوا ہوتی ہے، ایسے لوگ جفا کو بھی عدل کہتے ہیں۔ ''اللھم احفظنا من کل غوی'' جھوٹ تو کسی مذہب میں جائز نہیں ہے چہ جائیکہ مسلمان کی ہوشیاری جھوٹ بولنے میں سمجھی جائے۔ استغفر اللہ۔

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دفع کسی نے کہا کہ عالمگیر نے کہا ہے کہ آپ کی کوٹھڑی اٹھا دی جائے گی اور اس جگہ دریا جمنا کا پل منتقل کیا جائے گا، اس پر وہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ ایسا نہ کریں، عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں کہا کہ ایسا کرنا ممکن کیسے ہے؟۔ یہ کسی بچے نے آپ سے جھوٹ بولا ہے، اس پر ملا جیون نے کہا کہ میں یہ باور نہیں کر سکتا کہ مسلمان کا بچہ جھوٹ بولتا ہو۔ ہاں یہ باور کر سکتا ہوں کہ جمنا کا پل منتقل کیا جائے۔ یہ مسلمان کی شان ہے کہ وہ اللہ کی معصیت سے بچا رہے اور اس کا دل ہر وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہے، اللہ کے بندے کو موت کا تصور سامنے رہے جس کا آخر ایک دن اس کو شکار ہونا ہے۔

افلاطون کا قصہ

موت کا علاج بڑے بڑے سائنسدان اور فلسفی نہیں کر سکے۔ کہتے ہیں کہ افلاطون نے یہ دعویٰ کیا کہ موت کا علاج کر سکتا ہے، اس نے اللہ سے دعا کی کہ اس کو موت کا آخری وقت اور آخری لمحہ بتا دیا جائے، اس کی دعا قبول ہوگئی اور اس نے موت سے بچنے کا علاج اس طرح ڈھونڈا کہ طے شدہ وقت پر موت سے بچنے کے لئے اپنی شکل کی اٹھارہ مورتیاں بنائیں، ان تمام کو سلیقے سے کرسیوں پر رکھا اور ایک کرسی پر جا کر خود بیٹھ گیا، وہ سوچ رہا تھا کہ جب ملک الموت آئے گا تو وہ دیکھ کر حیران ہوگا کہ یہاں تو بہت سے افلاطون موجود ہیں میں کس کی روح قبض کروں، فرشتہ کو اسی الجھن میں دیر ہو جائے گی اور موت کا آخری مقررہ لمحہ گزر جائے گا، اس طرح وہ مرنے سے بچ جائے گا، چنانچہ وقت مقررہ پر موت کا فرشتہ آیا اور دیکھ کر بولا کہ اے افلاطون! تو نے بڑا ہی کمال کر دکھایا ہے لیکن پھر بھی ایک فرق رہ گیا ہے، اس پر

افلاطون بول پڑا کہ وہ کون سا ہے؟ تو فرشتے نے کہا: یہی فرق ہے کہ تو ناطق (بولنے والا) ہے اور دیگر ناطق نہیں ہیں۔ اس طرح یہ مدعی بھی اپنے دعویٰ میں ناکام رہا، خلاصہ یہ کہ موت سے کسی کو مفر نہیں، لہٰذا ہر شخص کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہئے۔

سلسلۂ ہٰذا کی چوتھی قسط بشکریہ ماہنامہ البلاغ شعبان ۱۴۱۹ھ ہدیۂ ناظرین ہے۔ مرتب

مسلمانوں کو اپنا شعار نہیں چھوڑنا چاہئے

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ غیر مسلموں کی مشابہت سے احتراز کے موضوع پر بیان فرما رہے تھے۔ اس ضمن میں فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "من تشبہ بقوم فھو منھم" چنانچہ عاشوراء کا روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا لیکن جب بعد میں یہ معلوم ہوا کہ عاشورا کا روزہ تو یہودی بھی رکھتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ اس ظاہری مشابہت سے بھی اجتناب کیا جائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آئندہ سال اگر میں زندہ رہا تو ہم بجائے ایک دن کے دو دن روزہ رکھیں گے تاکہ یہودیوں سے امتیاز ہو جائے کیونکہ یہودی ایک دن کا روزہ رکھتے ہیں، مگر واقعہ یہ ہوا کہ آئندہ سال محرم آنے سے پہلے ہی آپ کا وصال ہو گیا، بہرکیف اس سے یہ ثابت ہوا کہ کافروں کی مشابہت سے بچنا چاہئے۔ داڑھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت تھی، آپ نے بھی حکم دیا کہ داڑھی رکھو، لیکن بعض غیر مسلموں کو دیکھا کہ وہ بھی داڑھی رکھتے ہیں اور مونچھوں کو بڑھاتے ہیں، تو آپ نے ان سے امتیاز رکھنے کے لئے حکم دیا کہ تم مونچھوں کو کاٹو اور داڑھی کو بڑھاؤ۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو دوسروں کا شعار نہیں اپنانا چاہئے، بلکہ اپنے شعار کی پابندی کرنی چاہئے۔ آج کل مسلمانوں کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ وہ دوسروں کی نقالی پر فخر کرتے ہیں اور غیر مسلموں کی وضع قطع جو مہنگی اور گندی ہے، کو اختیار

کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں حالانکہ شریعت نے ان کو اچھی اور سستی زندگی عطا کی تھی۔ لوگوں نے اپنے رسول کی زندگی کو نمونہ نہ بنایا۔ امریکہ اور انگریزی تہذیب کو اختیار کرلیا اور اس کو اپنی شان سمجھنے لگے۔ جس کے نتیجے میں وہ مصائب و پریشانیوں سے دوچار ہوئے۔ یادرکھو تم جس قسم کا لباس پہنو گے اسی کے آثار ظاہر ہوں گے، اگر کوئی مرد عورت کا لباس پہننے لگے تو کچھ عرصہ کے بعد اس کو عورت جیسی کمزوری محسوس ہونے لگے گی۔ اگر تم بہادروں کا لباس پہنو گے تو تھوڑے دنوں کے بعد جوانمردی اور دلیری کے آثار محسوس کروگے، غرضیکہ اگر کافروں کی شکل اختیار کرو گے تو اس کے تمام لوازمات آئیں گے، مسٹر گاندھی نے انگلینڈ اور امریکہ کے چکر لگائے لیکن اس نے اپنی دھوتی نہیں چھوڑی، شاستری نے اپنی دھوتی نہیں چھوڑی، لیکن ایک مسلمان ہے جو دوسروں کے رنگ میں فوراً رنگ جاتا ہے۔ آج ایک قوم آئے گی تو اس کے رنگ میں رنگ جائے گا اور کل جب دوسری آئے گی تو اس کا رنگ پکڑ لے گا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کا اپنا کوئی لباس نہیں، شعار نہیں، لیکن یاد رکھو مسلمان کو دوسروں کی نقالی سے عزت نہیں ملتی، بلکہ وہ ذلیل ہی ہوتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آیت فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ (الانشراح) تلاوت فرمائی اور اس کے حوالہ سے گفتگو فرماتے ہوئے کہا کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا جارہا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ جب فارغ ہوجائیں تو کھڑے ہوجائیں اور اپنے رب کی جانب راغب ہوجائیں۔ نصب کے معنی مطلق کھڑے ہونے کے نہیں ہیں بلکہ عبادت کیلئے محنت اور مشقت کے ساتھ کھڑے ہونے کے ہیں، اِلٰی ربک کو فارغب پر مقدم کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ آپ راغب ہوں اور یہ رغبت محض اللہ کی جانب ہو، یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس کام سے فارغ ہوں؟ یہ ظاہر بات ہے کہ تجارتی کاروبار میں تو

کوئی ان کی مصروفیت نہ تھی کہ اس فارغ ہونے کا ذکر ہو رہا ہے نہ آپ کسی دوسرے دنیوی کام میں مشغول تھے، آپ کا دن رات کا مشغلہ دعوت وارشاد اور تبلیغ دین ہی تھا، خلق خدا کی خدمت میں مصروف رہتے تھے اور یہ سب امور عین عبادت ہیں، تو عبادت سے فارغ ہو کر ذکر میں لگنے کے لئے کیسے فرمایا؟ بظاہر تو یہ درست نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ جیسے ذکر کرنا عبادت ہے اسی طرح تبلیغ وغیرہ بھی، تو ایک عبادت کو چھوڑ کر دوسری میں مشغول ہونا بظاہر کوئی اضافی فائدہ نہیں رکھتا، لیکن غور کرنے سے اس الجھن کا جواب واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں تو شک نہیں کہ تبلیغ وارشاد کا کام بھی عبادت ہے اور اللہ کا ذکر بھی عبادت ہے، لیکن اس کے باوجود فرق ہے۔ اللہ کا ذکر جو عبادت ہے یہ اصلی اور بالذات عبادت ہے مقصود اصلی تو اللہ کا ذکر ہی ہے اور تبلیغ وغیرہ جو عبادت ہے وہ بالغیر ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ جو چیزیں عبادت بالغیر ہیں ان سے فارغ ہونے کے بعد عبادت بالذات میں مشغول ہو جاؤ اور ظاہر ہے کہ عبادت بالذات کی فضیلت عبادت بالغیر پر زیادہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفع اللہ کا نام لینا تمام دنیا سے بہتر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ شاہی دربار لگایا ہوا تھا جس کی شان وشوکت حیران کن تھی، اس منظر کو دیکھ کر دور سے آنے والے شخص نے تعجب سے کہا "سبحان الله ذا أوتي آل داود" ہوا نے یہ جملہ حضرت سلیمان علیہ السلام تک پہنچا دیا جس پر انہوں نے اس آدمی کو بلایا اور دریافت کیا کہ تو نے کیا کہا؟ اس پر وہ ڈر گیا اور سہم گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسکو تسلی دی اور فرمایا کہ آپ ڈریں نہیں، آپ کو کچھ سزا نہیں دی جائے گی۔ اس پر اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے اس عظیم الشان مجمع کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا تو اس تعجب کی وجہ سے میری زبان سے یہ جملہ نکل گیا۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ تو نے نعمت کی قدر نہیں کی، تو نے جو لفظ "سبحان اللہ" کہا ہے اس ایک دفعہ کی تسبیح کا مقام اس ساری

شان و شوکت اور مال و دولت سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے جو آل داود کو دی گئی ہے۔
غرضیکہ کہ اللہ کا ذکر اہم عبادت ہے بلکہ تمام عبادات کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ذکر کرنے کی توفیق اور اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین

سلسلۂ ہذا کی آخری قسط ماہنامہ البلاغ شوال ۱۴۱۹ھ کے شکریہ کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ مرتب

میری آخری مجلس کے تاثرات اور ارشادات

احقر کے لئے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مجلس آخری اور الوداعی مجلس تھی جس کو اب تقریباً چھبیس سال ہو چکے ہیں، مگر اس مجلس کی حلاوت و شیرینی ہنوز تازہ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ کئی بہاریں گزریں کچھ برس پڑھنے میں اور کچھ تدریس کرنے میں، اس طرح آپ کی شیریں محفلوں میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی، مگر اچانک ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ وطن کشمیر لوٹنا پڑا، اس کا صدمہ تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت محفل سے محروم ہو جاؤنگا، مادر علمی، دارالعلوم، جو میرے لئے دنیا کی جنت تھی اس کو چھوڑنا آسان نہ تھا، جب میں نے حضرت سے مشورہ کرنا چاہا تو فرمایا کہ کل آنا، اگلے دن جب حاضر ہوا تو فرمایا کہ "ہوسکتا ہے تمہارے وجود سے وہاں کوئی دین کا کام ہو اس لئے اللہ کے بھروسے پر چلے جاؤ۔ اگر دل لگ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ تمہاری جگہ خالی ہے واپس آ جانا" اس پر احقر نے بطور رخصت جانے کی تیاری شروع کردی اور اگلے روز حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوا، اس موقع پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جو نصیحتیں کیں وہ میری عملی زندگی میں چراغ راہ ثابت ہوئیں اور قدم بقدم میری راہنمائی کرتی رہیں۔ اس وقت احقر کشمیر میں قضاء کے منصب پر آ رہا تھا اس لئے حضرت نے اسی مناسبت سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالے

سے ایسی پر اثر گفتگو فرمائی جس کا اثر آج تک محسوس ہو رہا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے انداز بیان سے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ ان کی زندگی کا میرے لئے آخری بیان ہے، اس تاثر نے میری جامد آنکھوں کو ایسا متحرک کیا کہ ساون کی جھڑی لگ گئی، پھر بیان کے آخر میں جو جملہ فرمایا اس نے رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اتباع سنت کا عملی نمونہ تھی اور اسی جذبہ کے تحت اس موقعہ پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایات کے آخر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ

> زندگی میں ہو سکتا ہے ملاقات نہ ہو مرنے کے بعد ہو جائے لہٰذا جب کبھی میری قبر پر آنا دعا کرنا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں بھی تمہیں یہی وصیت کر رہا ہوں خیال رکھنا، پھر جب مجلس برخاست ہونے لگی اور میں جانے لگا تو فرمایا کہ

> ''ٹھہرو! ایک بات رہ گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو الوداع کرنے کے لئے کچھ قدم آگے چلے تھے، میں بھی تمہارے ساتھ کچھ قدم آگے چلتا ہوں۔

لیکن اس وقت صورتحال یہ تھی کہ حضرت کے پاؤں میں شدید درد تھا جب مجھے الوداع کرنے کے لئے دروازہ سے باہر تشریف لائے تو پاؤں شدید تکلیف محسوس ہوئی، چنانچہ وہیں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے الوداع کیا۔ سبحان اللہ! اتباع سنت کا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں کس قدر اہتمام تھا، یہ اس کی ایک جھلک ہے، ورنہ یہ جذبہ آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ اس زمانے میں دارالافتاء میں بیٹھنے کا وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہ بجے کا مقرر فرمایا تھا، ایک دن تقریباً دس پندرہ منٹ تاخیر سے تشریف لائے اور سامنے دیوار پر جب گھڑی پر نگاہ پڑی تو فوراً اپنی جیب سے گھڑی نکال کر دیکھی، وقت تاخیر درست معلوم ہوا اس پر ایک سرد آہ بھری اور فرمایا کہ لکھنے میں

مشغول تھا دیر ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ میں کوئی دارالافتاء سے معاوضہ وصول نہیں کرتا مگر اس کے باوجود وقت کی پابندی کرنا ضروری سمجھتا ہوں اس لئے کہ زبانی نہ سہی عملی طور پر میں نے لوگوں سے وعدہ کررکھا ہے کہ میں گیارہ بجے دارالافتاء میں ہوتا ہوں۔اس پر لوگ مسائل پوچھنے آتے ہیں اس لئے پابندی ضروری ہےتو تاخیر پر افسوس کرتے ہوئے، اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون پڑھا۔ہم تدریس کا معاوضہ بھی لیتے ہیں مگراس کے باوجود یہ اہتمام نہیں ہوتا۔اَعاذنا اللہ منہ۔

پھر واقعہ بھی یہی ہوا کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات زندگی میں دوبارہ نصیب نہیں ہوئی البتہ یہ امید ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کا جس طرح پہلا حصہ یعنی یہ کہ ''ہوسکتا ہے کہ زندگی میں ملاقات نہ ہو'' درست ثابت ہوا تو اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات سے امید ہے کہ آپ کے فرمان کا دوسرا حصہ یعنی یہ کہ ''آخرت میں ملاقات ہوجائے'' درست ثابت ہو، اس ضمن میں یہ واقعہ بھی اسی مجلس کا ہے کہ حضرت نے اپنی تصنیف ''مقام صحابہ'' بطور ہدیہ عنایت فرمائی جو انہی ایام میں چھپ کر آئی تھی۔ ساتھ ہی میز پر ایک دوسری کتاب تھی جو عربی زبان میں مسائل حج پر تھی، اس کا ظاہری ورق، بڑا جاذب نظر تھا، میں اس کو اٹھا کر دیکھنے لگا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیا یہ تمہیں اچھی لگتی ہے؟۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں بہت اچھی۔ اس پر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں اس لئے اچھی لگتی ہے کہ اسکا ظاہری ورق سنہرا ہے خوبصورت ہے لیکن تم پڑھوگے نہیں۔ یہ کہہ کہ وہ کتاب مجھے عنایت فرمادی اور واقعہ یہ ہے کہ میں اس کتاب کو بعد میں نہیں پڑھ سکا، وہ چونکہ مسائل حج پر تھی خیال تھا کہ بعد میں کسی وقت پڑھوں گا اس لئے دیگر کتابوں کے ساتھ سامان میں محفوظ رکھی لیکن وہ ایسی محفوظ ہوگئی کہ آج تک کسی جگہ محفوظ ہے اور سرسری تلاش سے نہیں مل سکی، درحقیقت وہ ایک رسالہ تھا جو میں نے کسی بڑی کتاب کے اندر رکھ لیا تھا۔اپنی اس

غفلت پر بہت شرمندہ ہوں، بات یاد آنے پر ندامت سے سر جھک جاتا ہے لیکن اس کوتاہی اور غفلت کے اندر امید کی یہ کرن بھی نظر آتی ہے جو میرے لئے سامان راحت ہے اور وہ یہ کہ یہ تو حضرت والا کی کرامت ہے کہ آپ نے اس مجلس کے آخر میں جو فرمایا اس کی دو باتیں درست ثابت ہوئیں، یعنی ملاقات بھی ان کی زندگی میں دوبارہ نہیں ہوئی اور جس کتاب سے متعلق فرمایا تھا کہ تم نہیں پڑھو گے وہ بھی نہ پڑھ سکا، حالانکہ دوسری کتاب ''مقام صحابہ'' راستہ میں ایک بار مکمل پڑھ لی تھی۔ اب یہ بات باقی ہے کہ ''شاید آخرت میں ملاقات ہو جائے'' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی رحمت کاملہ سے اس ناکارہ کو یہ نعمت بھی عطا فرمائے اور حضرت والا کو بلند درجات پر فائز فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

تقریر
حضرت العلامۃ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان
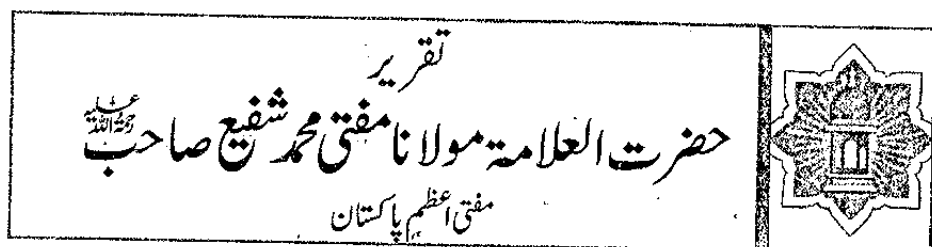
حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی درجِ ذیل تقریر جو ۱۹۶۵ھ کی جہاد کے پس منظر میں ارشاد فرمائی گئی حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم سکھروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند فرمایا، اور پھر ایک عرصہ کے بعد ماہنامہ البلاغ (ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ) میں درجِ ذیل نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی۔ افادۂ عام کی خاطر مجموعۂ ہذا کے ذریعہ بھی ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔ مرتب

''حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر جو ۱۳۸۵ء میں سکھر کی جامع مسجد میں خطاب جمعہ کے دوران حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ اس تقریر کو جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند فرمایا تھا۔ اب حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب بھی دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین۔ (۴ رمضان المبارک ۱۳۸۵ بروز جمعہ)''

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم (خطبۂ ماثورہ) فقال اللہ تبارک وتعالیٰ:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٧٨﴾

(الحج:۷۸)

آج میرے لئے چند خوشیاں جمع ہوگئی ہیں اول یہ کہ تقریباً بارہ سال قبل اس جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا اور اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑی شاندار مسجد کو دیکھ رہا ہوں اور پوری مسجد الحمدللہ نمازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور در اصل مسجد کی آبادی نمازیوں ہی سے ہوتی ہے، مسجد بھی ہو اور نمازی بھی ہوں اصل تعمیر یہی ہے۔ دوسری نعمت یہ ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ کے نقش قدم اور سنت مبارکہ کی جھلک اللہ جل شانہ نے عنایت فرمائی۔ جب رسول کریم ﷺ مکہ معظّمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں تو سب سے پہلا انتظام آپ ﷺ نے مسجد ہی کا فرمایا۔ مسجد تعمیر فرمائی اور دوسرے سال رمضان المبارک کے مہینے میں جہاد کا آغاز فرمایا۔ جسے جنگ بدر کہا جاتا ہے۔ تو پہلے تعمیر مسجد ہوئی اس کے بعد دفاعی جہاد۔ یہی حسن ترتیب اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کو بھی بخشی کہ پہلے یہ مسجد تعمیر ہوئی اس کے بعد مسجد بنانے والوں کو جہاد کی توفیق ہوئی۔ جو ۶ رستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت کے جواب میں ہوا۔

تاریخ اسلام ایسے واقعات سے لبریز ہے کہ جہاں بھی مسلمانوں نے فتوحات کی ہیں، فتح پالینے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جماعت کا انتظام کرنے کے لئے
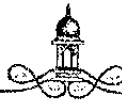
مساجد تعمیر کرائیں۔ اقامت صلوۃ اسلام کی اساس اور بڑا استون ہے۔ جس طرح کوئی تعمیر ستونوں پر قائم ہوتی ہے اسی طرح دین اسلام کا نماز بڑا عظیم الشان ستون ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو ان کی مسجد آج تک وہاں موجود ہے۔ اسی طرح ملک شام فتح ہوا تو وہاں جو فتح کے بعد مسجد تعمیر ہوئی وہ آج بھی موجود ہے۔ غرض جس جگہ لشکر گیا شہر ہو، گاؤں ہو، حتی کہ جنگل میں اگر قیام کرنا پڑا تو وہاں بھی مسجد تعمیر کی۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلا بڑا حملہ سندھ میں دیبل پر کیا۔ عربی مورخین اس کو دیبل ہی لکھتے ہیں لیکن اس کی تعیین میں اختلاف ہے کہ اب وہ کونسی جگہ ہے۔ کسی نے کہا منوہڑہ کا مقام ہے، کسی نے ٹھٹھہ کو کہا۔ لیکن جدید محکمۂ آثار سے معلوم ہوا کہ وہ کراچی سے دور ایک جگہ ہے وہ جگہ دیبل ہے، وہاں راجہ داہر کا ایک دبا ہوا قلعہ بھی نکلا ہے اور ایک جامع مسجد کے آثار بھی نکل رہے ہیں۔ اس دیبل کا حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ محاصرے کے بعد بڑی بہادری سے تین دن کی لڑائی کے بعد وہاں امن قائم ہو گیا تو سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی اور چار ہزار گھر مسلمانوں کے یہاں آباد ہوئے (بلاذری ص ۴۳۷)(۱)

محمد بن قاسم بارہ ہزار کا لشکر لے کر یہاں آئے جس میں چھ ہزار عراقی تھے اور چھ ہزار دیگر مجاہدین تھے۔ محاصرے کے بعد قبیلہ مراد کا ایک سپاہی جو کوفہ کا رہنے والا تھا سب سے پہلے فصیل پر چڑھ کر اس نے اسلامی جھنڈا نصب کر دیا، اور اللہ اکبر کی پر رعب آواز سے مسلمانوں کو اپنی کامیابی کا خیال دلایا پھر تو مسلمان ہر طرف سے پہنچ گئے اور شہر میں داخل ہو گئے۔ یہ اللہ کا نام ایسا ہے کہ جب مسلمان اس کا نام

---

(۱) فتوح البلدان، فتوح السند ص ۴۲۱ (دار مکتبۃ الہلال)۔ مرتب

لے کر اللہ تعالیٰ کے نام کو اونچا کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو کامیابی اس کے قدم چوم لیتی ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر برہمن آباد کے شہر پر حملہ کیا۔ برہمن آباد دوسری صدی میں آکر مٹ گیا اس کا جائے وقوع اب معلوم نہیں، البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ روہڑی اور حیدر آباد کے درمیان میں کسی جگہ تھا۔ بہرحال یہ بھی فتح ہو گیا اور مجاہدین کی تعداد تیس ہزار ہو گئی۔ سوچنا یہ ہے کہ شروع میں بارہ ہزار فوج تھی اب یہ اٹھارہ اور کہاں سے بڑھ گئے، کوئی خاص کمک نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ اسلام کی حقانیت کی دلیل تھی کہ اس قلیل عرصے میں اٹھارہ ہزار افراد مسلمان بلکہ غازی بن گئے۔ حدیث شریف میں ہے:

لن یغلب اثنا عشر الفا من قلة

(مسلمانوں کا لشکر اگر بارہ ہزار ہو تو وہ قلت کی بنا پر کبھی مغلوب نہ ہوگا)

اصل ہتھیار صلاح وتقویٰ وللٰہیت کا ہے، جب افواج میں صلاح وتقویٰ ہوگا تو وہ اتنے ہی کامیاب ہوں گے۔ پہلے افواج میں یہی تبلیغ ہوتی تھی اور ان کو صلاح وتقویٰ کا درس دیا جاتا تھا۔

سلطان شہاب الدین غوری کے بارہ ہزار لشکر میں حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر کبیر تھے۔ فوجیوں کی روحانی غذا اور اُن کی تربیت کے لئے انتخاب کیا گیا کہ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کو رکھا جائے۔ چنانچہ آپ قرآن شریف کا درس دیتے تھے تو یہ بارہ ہزار کا لشکر جیسے فوجی مشق کرتا ہوگا اسی طرح وہ روحانی عشق بھی کرتا ہوگا۔ جب ایسا لشکر اور بارہ ہزار ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی اس کے ساتھ ہوتی ہے، وہاں فلم یا ناچ گانا نہیں ہوتا تھا یہ تو غضب الٰہی کو دعوت دینے والی چیزیں ہیں۔

اس تقویٰ وصلاح کی بات تھی کہ جب مسلمان اس زیور سے مزین تھے تو ان پر

غیر مسلم بھی پورا اعتماد کرتے تھے۔ جس وقت برہمن آباد فتح ہوا تو شہر والوں نے دروازے بند کر لئے تھے، آخر محاصرے سے تنگ آ کر انہوں نے محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا کہ ہم لوگ امن چاہتے ہیں۔ ہم آپ سے نہیں لڑیں گے۔ باقی آپ جانیں، راجہ داہر جانے۔ چنانچہ اس امن کو منظور کر لیا تو صرف خط پر منظوری دیدی۔ پھر ان کافروں کو اتنا اعتبار تھا کہ انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور خود اسی طرح باقاعدہ کاروبار میں مشغول تھے، فوج شہر کے اندر داخل ہو رہی ہے اور دکاندار اپنی دکان پر بیٹھا ہوا ہے، مزدور اپنی مزدوری کر رہا ہے، نہ خوف ہے نہ ہراس ہے، کیونکہ مسلمان کی زبان کا اعتبار تھا۔ ایسی نظیر کوئی دوسری قوم میں دکھا سکتا ہے۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی جگہ آ کر پہلے مسجد تعمیر کی۔

مومن کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ ہونا چاہئے۔ مومن کے پاس یہ عظیم الشان طاقت ہے اتفاق و اتحاد اور خدا پر بھروسہ۔ اگر روحانی طاقت پیدا ہو جائے تو سلامتی کونسل بھی ایک طرف رہے مرد مومن کو کوئی نہیں روک سکتا۔

میں نے یہ آیت تلاوت کی تھی۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ (الحج:۷۸)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرو۔ فی اللہ کی قید بتلا رہی ہے کہ مسلمان کی جنگ اللہ واسطے ہوتی ہے، دنیاوی اغراض سے مومن کی جنگ بالا ہوتی ہے۔ مومن ملک گیری، دولت و حشمت یا وطن کے لئے نہیں لڑتا ہے اس کی تو صرف اللہ واسطے لڑائی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین جاری ہوں۔ اسلام فروغ پائے۔ جہاں اسلام کا جھنڈا سر بلند ہو وہی ہمارا وطن ہے۔ دنیادار وطن کے لئے لڑتے ہیں۔ ہم مادر وطن کے پجاری نہیں۔ جہاد وہی ہے جو اللہ کے لئے ہو اس کی رضا مقصود ہو۔ ورنہ اس لڑائی کا نام فساد و خونریزی ہے جب اعلاء کلمۃ اللہ ہماری نظر

سے اوجھل ہوجائے تو وہ جہاد کی برکتیں بھی نہیں ہوتیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ جو ایک نہایت خوبصورت اور تجارتی شہر تھا اس کے فتح کرنے کے لئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا۔ برابر ایک ڈیڑھ ماہ تک محاصرہ رہا۔ لیکن فتح کی کوئی صورت نہ ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے کہ کیا وجہ ہے کہ اب تک فتح کی خبر نہیں آئی۔ اللہ کے لئے جہاد ہو اور دیر ہوجائے، یہ کیسے ہوا! کوئی نہ کوئی اس کا سبب ضرور پیدا ہوا ہے۔ دنیاوی جنگوں کو برسوں لگ جاتے ہیں لیکن اس لئے کوئی نہ کوئی خامی ایسی ہے کہ دیر ہوگئی ہے۔ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر اتنا یقین ہوتا تھا کہ مومن کامل اور فرمانبردار و مطیع ہو تو اتنی دیر نصرت الٰہی میں نہیں ہوسکتی۔ اس کا وعدہ سچا ہے۔ اس لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھا کہ فتح کے دیر ہونے سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم لوگوں کو شاید وہاں کی دولت وحشمت اور وہاں کے محلات تمہاری نظروں میں آگئے ہیں اور لالچ تمہارے دلوں میں پیدا ہوگیا ہے، اس نے تمہارے دل میں وہن اور سستی پیدا کردی ہے۔ اسی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح میں دیر ہوگئی ہے۔ لہٰذا اب جو جمعہ آرہا ہے اس میں تم سب مل کر اپنی نیتوں اور خیالات کی تجدید کرو۔ اور محض رضائے الٰہی کے لئے جہاد کی نیت خالص کرو۔ اور چند بڑے درجے کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لشکر کے آگے کرو اور یک بارگی حملہ کرو۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وہ خط سب کو سنایا اور پھر سب نے نیتوں کی تجدید کی۔ توبہ کی اور اللہ کا نام لے کر آگے بڑھے تو اسی دن غروب آفتاب نہ ہونے پایا تھا کہ اللہ نے اسکندریہ کو فتح کرادیا۔

اصل طاقت مومن میں صلاح وتقویٰ کی ہے، اگر اس ہتھیار سے مومن پیراستہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے، اس لئے قرآن کریم میں فرمایا ''فی اللہ''۔ اپنے آپ

کو اللہ تعالیٰ کے لئے تیار رکھو۔

اس کے بعد فرمایا ''حق جہادہ'' پوری طرح جہاد کرو۔ جتنی تم میں کسی قسم کی طاقت ہے خرچ کر ڈالو۔ اللہ کے راستے میں ہمت نہ ہارو۔ جہاد کا حق ادا کرو۔

اس کے بعد بعض افکار ہمارے اندر ایسے پھیلائے گئے ہیں جو دراصل بھارت کی طرف سے آئے ہیں اور بھارت ریڈیو سے وہ نشر بھی کئے گئے ہیں۔ خود بھارت کا یہ رویہ رہا کہ پاکستان ریڈیو سننے تک کی ممانعت ہی نہیں بلکہ سننے والے پر چھ ماہ قید کی سزا بھی لگادی۔ وہ یہ جانتا تھا کہ پاکستان میں ہندوؤں کی بات کون سنے گا۔ اس لئے اس نے چند علماء کے نام لے کر بیانات شائع کئے۔ سو اول تو ان علماء کو جن کے نام لئے گئے یہاں کون جانتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ پاکستان کے علماء کا نعرۂ جہاد صحیح نہیں۔ جبکہ چھ کروڑ مسلمان بھارت میں آباد ہیں۔ یہاں لال قلعہ ہے، شاہجہاں کی مسجد ہے۔ کافروں پر جہاد ہوا کرتا ہے۔ صرف دو کروڑ کا فرق ہے، بھارت میں چھ کروڑ مسلمان ہیں اور پاکستان میں آٹھ کروڑ ہیں۔ پھر نائب صدر یہاں مسلمان ہے، اس قسم کے بیانات سب فریب ہیں۔

خوب یاد رکھئے دارالاسلام پر حملہ کرنا حرام ہے۔ خواہ وہاں کافر بھی بستے ہوں اور دارالکفر پر حملہ کرنا واجب ہے[1] خواہ وہاں مسلمان ہی کیوں نہ بستے ہوں۔

دارالاسلام کی تعریف یہ ہے کہ جہاں مسلمان برسر اقتدار ہوں اور اسلام پر عمل کرنے میں آزاد ہوں۔ کوئی رکاوٹ ان کو نہ ہو۔ وہاں خلافت راشدہ کے احکام

---

(۱) یاد رہنا چاہئے کہ حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ نے یہ بات ۱۹۶۵ء کی جہاد کے پس منظر میں فرمائی تھی۔ لہٰذا اس جملے کو حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کے بیان فرمودہ جہاد کے سلسلے میں تفصیلی احکام کے صحیح سیاق میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حضرت مفتیٔ اعظم ؒ کا اس موضوع پر مفصل مقالہ جواہر الفقہ ج ۶ میں موجود ہے۔ شاکر

جاری کرسکیں۔ لیکن اگر بدبختی کی وجہ سے دیر ہوجائے، لیکن تمام مسلمان مل کر اگر چاہیں تو جاری کرسکیں تو وہ دارالاسلام ہی رہے گا، یہ مسلمانوں کی بدبختی کہی جاسکتی ہے کہ مسلمان اپنے اسلام کے قوانین کو ٹالتے رہیں، جس طرح مسجد وہ تو ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، اگر وہاں کوئی نماز نہ پڑھے تو مسلمانوں کے اس میں نماز نہ پڑھنے سے مسجد کے حکم سے وہ نہیں نکل سکتی، یوں کہیں گے کہ مسلمانوں کی بدبختی ہے کہ مسجد میں عبادت نہیں کرتے۔

بھارت میں مسلمان اگرچہ ۶ کروڑ ہیں مگر مغلوب ہیں۔ اپنے مال وآبرو وجان کی حفاظت بھی نہیں کرسکتے آئے دن ہندو حملہ کردیتے ہیں۔ بھارت کو دارالاسلام کیسے کہا جاسکتا ہے، بھارت جھوٹ بولتا ہے، جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے اور اگر ان کی یہ منطق مان بھی لی جائے کہ جہاں ۶ کروڑ مسلمان آباد ہوں وہ بھی دارالکفر نہیں ہوسکتا، دیکھئے جب محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ کو فتح کیا اور اسلام کے قوانین جاری کئے تو اس حصے کو دارالاسلام کہیں گے۔ حالانکہ ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی لیکن اقتدار مسلمانوں کے پاس تھا۔ جہاں تک اقتدار مسلمانوں کا تھا وہ دارالاسلام تھا، باقی تمام ہندوستان دارالکفر ہی رہا۔ تو دار کا تعلق مسلمان یا ہندوؤں کے بسنے پر نہیں ہے بلکہ اقتدار پر ہے۔

مکہ معظّمہ میں بھی ابتدا میں مسلمان آباد تھے۔ لیکن اس وقت وہ دارالاسلام نہیں تھا، ورنہ ہجرت کیوں کرتے اور پھر جہاد کیسے کیا جاسکتا تھا؟ اسی طرح حبشہ میں اگر کچھ مسلمان جاکر بس گئے تھے تو کیا وہ دارالاسلام ہوگیا تھا؟ حالانکہ مکہ معظّمہ میں تو بیت اللہ بھی تھا لیکن پھر بھی فتح مکہ اور جہاد کیا گیا۔

خداوند تعالیٰ ان بھارت کے مسلمانوں کی جان، مال آبرو کی حفاظت فرمائے۔ میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں لیکن وہ ہے دارالکفر ہی۔ مسلمانوں کے بسے رہنے

سے دارالاسلام نہیں ہوسکتا ہے۔

جہاد اس لئے ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کریں۔ عدل قائم کریں۔ ظلم کو مٹائیں۔ اور جور کاوٹیں اس درمیان میں حائل ہوں ان کو دور کریں۔ اور جب کسی جگہ بھی ہمارے مسلمانوں، بھائیوں پر ظلم ہوتا ہو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی امداد کریں۔

جب کافروں کا کوئی سا لشکر ہمارے ملک پر حملہ کر دے تو سب پر جہاد فرض عین ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت جہاد عطا فرمائی ہے۔ مسئلہ کشمیر انہوں نے چھیڑا تھا۔ لہٰذا ان کی امداد کرنا ہمارا فرض ہے۔

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا

(النساء: ۷۵)

کا مضمون سامنے ہے لہٰذا ان ظالموں سے بچانا فرض ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کی امداد کرنا اور دارالاسلام کی حفاظت کے لئے اور کشمیری مظلوموں کو ظلم سے چھڑانا یہ تین باتیں ہیں جن کی بناء پر ہم پر جہاد فرض ہوجاتا ہے۔

پاکستان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ ہے، اوّل تو اس کا بننا ہی عجیب بات ہے پھر اس کا باقی رہنا بھی معجزہ ہی ہے پھر یہ جہاد، یہی ایک معجزہ ہے۔ پہلے اس پاکستان بنانے کے لئے گلی گلی کوچے کوچے چیختے پھرتے تھے کہ پاکستان لیں گے، وہاں قرآن واسلام کا قانون ہوگا۔ لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر، اللہ کا نام لے کر اعلان کرتے تھے۔ جب اللہ کا نام اور لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر بڑھے اللہ پاک نے پاکستان بنا دیا۔ جب بن گیا تو اس کے باقی رہنے کا احتمال نہ تھا۔ دفتروں میں کاغذ، پینسل تک نہ تھیں۔ فوجیں سب ملک سے باہر تھیں۔ نہ خزانہ تھا نہ تنخواہ دینے کی طاقت تھی اور

حوادثات ایسے پیش آئے کہ آنے والا یہی کہتا تھا کہ صرف ایمان اور جان بچ جائے اور پاکستان آئے تھے تو اس طرح کہ کافر سب کچھ چھین لیتے تھے، مال لانے نہ دیتے تھے، سکھوں نے قتل عام کر رکھا تھا۔ مشرقی پاکستان پر حملہ ہو جاتا، وہ بھی اس وقت اس کی ٹکر کا نہ تھا، لیکن یہ اللہ پاک کی کریمی ہے کہ اس نے اسی پاکستان کو ایک مضبوط قلعہ بنا دیا۔

سو پاکستان اللہ کا نام لے کر بنا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کہہ کر اور دارالاسلام کہہ کر بنا ہے اور یہی کہہ کر اس کو لیا گیا ہے۔

لیکن ہم نے اس نعمت کا شکر نہ ادا کیا۔ یہاں آ کر اس اللہ اور لا الٰہ الا اللہ کو بھول گئے، ایسی ظلمتوں میں پھنس گئے۔ اگر ہم اندازہ کریں جو معاصی قوم عاد وثمود اور معذّب قوموں کے تھے ان سے کم نہیں رہیں گے۔ ان پر ان ہی کرتوتوں سے عذاب ہی آیا۔ کسی پر پتھر برسائے گئے، کسی بستی پر آگ برسی اور کسی قوم پر آندھی کا عذاب بھیجا گیا۔ اپنے کرتوتوں پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم مستحق عذاب ہو چکے تھے۔ لیکن عذاب کے رکنے کی وجہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اطہر ہے۔ جس کی وجہ سے عذاب نہیں آیا۔ خدائے پاک نے فرمایا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (الانفال:۳۳)

آپ کا وجود مسعود کہ آپ (مدینہ منورہ) دنیا ہی میں تشریف فرما ہیں۔ آپ ہی کے طفیل سے ہم بچے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ کا بڑا اکرم ہے۔ ہم نے ناشکری کی اور بندہ جب ناشکری کرتا ہے اللہ پاک اس کو عذاب دیتے ہیں، لیکن اس کا کتنا کرم ہے کہ ہم کو کس طرح محفوظ رکھا۔ دشمن کے جو منصوبے تھے وہ دراصل شکل عذاب کی تھی، اللہ پاک نے اس کو ٹال دیا۔ یہ اس کی عنایت ومہربانی ہے، مزید اللہ کا یہ انعام ہوا کہ ہم میں بیداری پیدا کر دی۔ آنکھیں کھل گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، آنکھوں

سے دیکھ لیا۔ سارے پاکستان کے مسلمانوں کے دل میں الفت ڈال دی۔ سب کا رخ ایک ہی طرف پھیر دیا۔ جو پاکستان کے خلاف بھی حزب مخالف تھے وہ بھی باہم مل گئے۔ دلوں کا پھیرنا کسی قانون کا کام نہیں ہے صرف ایک اللہ پاک کا کام ہے۔ گلی کوچوں میں دعائیں ہو رہی ہیں۔ بچوں تک میں جوش جہاد ہے۔ عورتیں دعا کر رہی ہیں۔ یہ کسی تلوار کا کسی سیاست کا کام نہیں ہے۔ ایک سیاسی دلدلوں میں پھنسی ہوئی قوم ساری ایک دھاگے میں بندھ جائے یہ صرف اللہ کی تائید غیبی ہے۔ اور جہاد کی بدولت ہے۔ اعمال درست کر لئے۔ معاصی راگ باجے بند کر دیئے۔ نمازی بڑھ گئے۔ مساجد نمازیوں سے پر ہو گئیں، خوف وہراس بالکل نہ رہا۔ مہنگائی نہ ہوئی۔ ہر شخص اپنی زندگی کو درست کرنے کی فکر میں ہے، یہ اللہ کا بڑا انعام ہے، اس کو اب جانے نہ دینا چاہئے، ہر شخص کو نماز پڑھنی چاہئے، بداعمالیاں چھوڑ دینی چاہئیں اور کبھی اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہئے۔ مغربیت کی لعنت کو اتار پھینکنا چاہئے۔ اگر مسلمان بن کر زندہ رہنا ہے تو اسلام کی پوری تابعداری کریں، ممکن ہے اور کوئی اس قسم کا جھٹکا باقی ہو تو اللہ پاک ہم پر کرم فرمائے۔ ہمیں صرف اللہ پاک پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ تقویٰ اختیار کرنے کا وقت ہے۔ حکومت کو بھی رعایا کو بھی سب کو اس کوشش میں لگ جانا چاہئے کہ دین پر قائم ہو جائیں، اور ہم نے کیا کیا، سب اللہ پاک کا ہی کام ہے۔ دشمن چڑھ آیا۔ جہاد ہم پر مسلط ہوا۔ توجہ الی اللہ ہو گئی۔ پھر اتحاد والفت پیدا کی۔ پھر فرشتوں کی امداد فرمائی۔ اب ان ہی چیزوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۱۲۳﴾ (التوبۃ: ۱۲۳)

اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ صرف رجسٹری مسلمان ہونے پر نہیں۔ حقیقی مسلمان ہونا چاہئے۔

ہمارے سامنے سلطنت مغلیہ کی تاریخ دور نہیں ہے جب وہ عیش وعشرت میں آگئے تو کس طرح برباد ہوگئے، حالانکہ وہ مسلمان تھے، لیکن وہ تاریخ بہت دور نہیں کہ شہزادوں کا سر باپ کے سامنے دسترخوان پر کھانے کے لئے پیش کیا گیا۔ جب اعمال غلط ہوگئے تو تائید نہیں آتی۔ لہٰذا خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ بے حیائی، عریانی، بے پردگی، فحش لٹریچر، مغربی فیشن سے دور رہنا چاہئے ان کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کریں اور اللہ پاک سے بہت ڈرتے رہنا چاہئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مجالس اور ملفوظات مفتی اعظم پاکستان

مخدومنا المکرم الحاج حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی مجالس و ملفوظات ماہنامہ البلاغ (جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ تا صفر ۱۴۳۵ھ) میں اس ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع ہوئے، انہیں یہاں بھی ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔مرتب

''حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ذیل ملفوظات، مولانا مفتی عبد الحکیم صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند فرمائے تھے اور تا حال طبع نہیں ہوئے تھے افادۂ عام کی خاطر یہ ملفوظات شائع کئے جارہے ہیں۔ادارہ''

مجلس مبارک، کوٹھی لسبیلہ چوک (۳؍رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔بسم الرحمن الرحیم

صدقہ کا مفہوم عام ہے

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما أطعمت نفسك فهو صدقة، وما أطعمت خادمك فهو صدقة۔

صدقہ ایسے خرچ کرنے کو کہتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، مال ہو، قول ہو یا کوئی کام ہو، مقصود اس سے اللہ کی رضا ہو، خوہ کسی مسلمان بھائی سے خوش ہوکر ملو، اپنے ڈول سے کسی دوسرے مسلمان کے ڈول میں پانی ڈال دو، کسی مسلمان کو سلام کرنا بھی صدقہ ہے، صدقہ کا مفہوم عام ہے، صرف مال کے ساتھ خاص نہیں ہے، نہ کسی آدمی کے ساتھ مخصوص ہے، اپنے آپ کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے، بیوی بچوں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے، اگر کوئی شخص ہوتے ہوئے پھر کھانا نہ کھائے اور بھوکا مرجائے تو عاصی ہوگا۔

صوفیائے کرام کی اصطلاح ''نفس کشی'' کا مطلب

صوفیائے کرام کے یہاں جو لفظ نفس کشی بولا جاتا ہے وہ ان کی ایک خاص اصطلاح ہے ورنہ ظاہری معنی کیسے مراد لئے جاسکتے ہیں جبکہ حدیث شریف میں مصرح ہے ''وان لنفسک علیک حقا'' صوفیائے کرام کے نزدیک نفس کشی کا مطلب نفس کی ناجائز خواہشات کو مارنے کا نام ہے اور یہی طریق سلوک کا حاصل ہے کہ فنا حاصل ہوجائے۔

اپنے نفس کا بھی حق ہے

یہ وجود انسانی ایک سرکاری مشین ہے جو استعمال کے لئے دے دی ہے، اس مشین میں تیل ڈالنا پڑے گا، اس کا تیل یہی خوراک کھانا ہے، یہ ہمارے پاس ایک امانت ہے اس کی حفاظت کرنا واجب، اگر اس میں تیل نہ ڈالا تو ایسا ہوگا کہ ملازم سرکاری مشین کو تیل نہ دے، اور مشین گھس کر پٹک دے یہ مشین خدا کی بنائی ہوئی

ہے، ہماری ملک نہیں ہے لہٰذا اس پر مالک کا حکم ضرور چلنا چاہئے۔

نیت شرط ہے مگر شرط یہ ہے کہ نیت خالص ہو کہ اس کھانے سے اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا ہے تو یہ کھانا کھانا بھی صدقہ ہو جائے گا اور جب خود کھانا بھی صدقہ ہے تو بیوی بچوں کو کھلانا بھی باعث اجر و صدقہ ہوگا، نابالغ اولاد کو کھلانا تو والد کے ذمہ واجب ہے، ایسے ہی غیر ناشزہ (غیر نافرمان) بیوی کو کھلانا واجب ہے۔ اسی طرح خادم اور نوکر کو کھلانا بھی صدقہ ہے، حالانکہ یہ کام بظاہر دنیوی کام ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی صدقہ بنا دیا بشرطیکہ اطاعت حق کا ارادہ کرے۔

حضرت والا کا ارشاد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط میں لکھا تھا کہ جتنے بھی دن بھر کے کام ہیں اگر ان میں نیت سیدھی ہو جائے تو سب کے سب عبادت ہو جائیں۔

دنیا کے اکثر پیشے عبادت الٰہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں، مثلاً کپڑا بننا ہے تو یہ نیت کرے کہ نماز بغیر کپڑوں کے پہنے نہیں ہو سکتی، ہم نماز اور ستر پوشی اور تجمل فی الناس کے قصد سے بناتے اور خریدتے ہیں، برتن کھانا کھانے اور کھلانے کے کام کے لئے بناتے اور خریدتے ہیں، کھانا کھانا بھی خدا کی عبادت ہے علی ہذا القیاس ہاں اگر صرف پیٹ بھرنا ہی مقصود ہو جائے تو پھر وہ عبادت نہیں۔

دوسری حدیث

قال رسول اللہ ﷺ: خیر الصدقه مایکون عن ظهر غنی

صدقہ دینے کا یہ اصول ہوا کہ اتنا صدقہ دے کہ صدقہ کر دینے کے بعد بھی غنا باقی رہے یعنی مالداری باقی رہے تم خود فقیر نہ بن جاؤ، سارا مال لٹانے والے مجذوب

ہوتے ہیں، ثواب کی بات ضرور ہے مگر طریقہ کار اچھا نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم کا واقعہ

لوگ کہتے ہیں دیکھو حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت کو ترک کر دیا، مال و دولت لٹا دی، تین چیزیں لے کر جنگل کو چل دیئے، تکیہ، ڈول، رسی اور پانی پینے کا ایک پیالہ، راستے میں دیکھا کہ ایک شخص سر کے نیچے ہاتھ رکھے سو رہا ہے تو کہا کہ یہ تکیہ فضول ہے آدمی ہاتھ کا تکیہ بھی لگا سکتا ہے لہٰذا تکیہ پھینک دیا، آگے چلے کسی کو دیکھا کہ ہاتھوں کا چلو بنا کر پانی پی رہا ہے تو کہنے لگے کہ جب ہاتھوں سے پانی پیا جا سکتا ہے تو یہ پیالہ بھی فضول ہے، آگے چلے جب پیاس لگی، ایک کنویں کی طرف چلے وہاں دیکھا کہ بہت سی ہرنیں آئیں، انہوں نے دیکھا کہ پانی کنویں میں نیچے ہے یہ دیکھ کر انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نظر کی، رحمت خداوندی سے پانی میں جوش اٹھا اور کنویں کا پانی منڈیر تک آ گیا، ہرنوں نے پانی پیا اور چلے گئے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ ماجرا دیکھا تو خود بھی پہنچے کہ لاؤ پانی پی لوں، جب یہ کنویں پر پہنچے تو پانی پھر تہہ میں اتر گیا۔ خیال ہوا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا یا اللہ! ابراہیم کی اتنی بھی قیمت نہیں ہے جو ان ہرنوں کی ہے، ندا آئی، اے ابراہیم! ایک واقعہ سے قیمت کا اندازہ نہ لگا، ہمارا معاملہ ہر ایک کے ساتھ الگ الگ ہے، ان ہرنوں کے پاس نہ ڈول تھا نہ رسی نہ ان کو قدرت تھی انہوں نے ہم پر نظر کی ہم ان کو اسی طرح پانی پلاتے ہیں، تمہارے پاس ڈول رسی ہے، طاقت ہے، تم اس ذریعہ سے نکال لو، پھر انہوں نے ڈول رسی بھی ترک کر دی۔

نتیجہ

یہ ایک واقعہ ہے لاکھوں کروڑوں آدمیوں میں سے ایک آدمی نے ایسا کیا تو یہ

شرعی حکم تو نہ ہوا۔ اگر شریعت یہی حکم دیتی جو حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے تو دنیا والے کیسے زندہ رہتے، ہلاک ہوجاتے، انبیاء علیہم السلام تو دنیا کو آباد کرتے ہیں، پھر دعوت پیش کرتے ہیں، اولیاء کرام کے اس قسم کے واقعات صحیح ہیں، لیکن تعلیم نبوی یہ نہیں ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے تشریف نہیں لائے، تعلیم وہی ہے جو حدیث شریف میں ہے کہ وہ صدقہ ناپسند ہے جس سے تم فقیر ہوجاؤ۔ جس اصول پر دنیا چل سکتی ہے وہ یہی ہے کہ دینے دلانے کے بعد کاروبار میں فرق نہ پڑے، مگر لوگوں کا رجحان جتنا اولیاء عظام کے واقعات کی طرف ہوتا ہے اتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف نہیں ہوتا حالانکہ:

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

انبیاء علیہم السلام تو وہی اصول بتاتے ہیں جس پر ساری دنیا عمل کرسکے۔ یہ ایک اصول ہوا۔

اسی حدیث کا دوسرا حصہ

والید العلیا خیر من الید السفلی۔

اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والے کا ہاتھ ہے، نیچے والے ہاتھ سے مراد لینے والے کا ہاتھ ہے کیونکہ عادۃً دینے والے کا ہاتھ اوپر اور لینے والے کا ہاتھ نیچے ہوتا ہے، کیا عجیب تلقین ہے کہ تم دینے والے بنو، لینے والے نہ بنو، مجبوری ہی ہوجائے تو لینے میں عیب نہیں لیکن کوشش اس کی کرو کہ دینے والے بنو، لوگوں سے مانگ کر کھانے کی خصلت نہ اپناؤ، ہر ایک کو یہی حوصلہ رکھنا چاہئے کہ دوسروں کو دیں نہ کہ لیں۔

تجربہ شاہد ہے کہ جن کی لینے کی عادت ہوتی ہے، وہ مانگنے کا پیشہ اختیار کرلیتے ہیں،

کتنا بھی ہو جائے وہ دوسروں پر خرچ کر ہی نہیں سکتے، جذبہ ہو فکر ہو تو ہر ایک کے اندر یہ طاقت واستعداد موجود ہے، خواہ دس روپے میں سے ایک پیسہ خرچ کرے، مگر کرے، لینے والوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ یہی کہتے ہیں کہ تم ہمارے پاس آؤ گے تو کیا لاؤ گے اور ہم تمہارے پاس آئیں گے تو کیا دو گے؟ آج کے پیروں نے اس حدیث کو دیکھ کر یہ صورت اختیار کی ہے کہ پیر صاحب کے سامنے ہتھیلی پر ہتھیلی رکھو اس پر روپیہ رکھو اور پیر صاحب کے سامنے کرو تا کہ پیر صاحب کا ہاتھ اوپر رہے اور دینے والے کا نیچے رہے۔ نذرانہ لینے میں بھی ہاتھ اوپر رہے تا کہ پیر صاحب کا ہاتھ بہتر ہی رہے، یہ سب لغو ہے۔

حدیث شریف کا تیسرا ٹکڑا

وابدأ بمن تعول: جب صدقہ نکالو تو اس سے شروع کرو جو تمہاری عیالداری میں ہیں، بیوی کو، بچوں کو جس کو بھی ضرورت ہو اس کی ضرورت پوری کرو یہ ضرورت پوری کرنا صدقہ ہے، اور بقدر ضرورت دینا تو ویسے بھی واجب ہے، واجب کی ادائیگی کے بعد نفلی صدقہ دینا ہو تو پہلے ان پر صرف کرو، یعنی واجب اخراجات کے علاوہ نوافل بھی پہلے ان پر خرچ کرو پھر ملازموں کو دیکھو، ان کی تنخواہ کم ہوتی ہے تو ان کو بطور انعام دیتے رہو، تنخواہ بھی دیتے رہو، زکوۃ کو اس تنخواہ میں محسوب نہ کرو، اس طرح زکوۃ ادا نہ ہوگی، ہاں تنخواہ کے علاوہ زکوۃ کی رقم ملازمین کو دی جا سکتی ہے بعض لوگ باوجود ملازم کے مستحق ہونے کے ان کو زکوۃ نہیں دیتے کہ کہیں زکوۃ ادا نہ ہو، سو اگر اس دینے سے کام پر کوئی اثر نہ پڑے یعنی زکوۃ دے کر اس سے زیادہ کام نہ کرائے تو جائز بلکہ ثواب ہے۔

غلط رواج

بعض لوگ گھر والوں کو تنگ رکھتے ہیں اور دوستوں کو کھلاتے پلاتے رہتے ہیں،
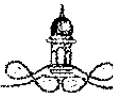
ہوٹلوں پر بیٹھ کر بچوں کا حق بھی خرچ کر ڈالتے ہیں، وہ احمق ہیں اور بڑے احمق ہیں ہاں اگر ایک آدمی بھوکا مر رہا ہے تو وہ مقدم ہے ہمارے پاس اتنا ہے کہ واجب نفل دونوں ادا ہو سکتے ہیں تو اس کی بھی رعایت کی جا سکتی ہے۔

تیسری حدیث

ایک مجلس میں آنحضرت ﷺ نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے کہاں صدقہ کروں؟ مقصد یہ ہے کہ کس کو دوں؟ فرمایا: أنفقه علی نفسک۔ اپنے نفس پر خرچ کر یہ بھی صدقہ ہے ایک دینار کوئی بڑی رقم نہیں ہے جس کو دوسروں پر صدقہ کرے، ایک دینار چار ماشہ چونی سے کچھ زائد سونے کا سکہ ہوتا تھا اس لئے فرمایا کہ اپنے اوپر خرچ کرو۔ قال عندی آخر: اس نے کہا میرے پاس ایک دینار اور ہے۔ قال أنفقه علی زوجتک۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی بیوی پر خرچ کر یہ سن لیا تو اس نے کہا عندی آخر میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے، قال أنفقه علی خادمک، اپنے خادم و ملازم پر خرچ کر، معلوم ہوتا ہے اس سائل کی اولاد نہ تھی، اگر اولاد ہو تو ملازم سے پہلے اولاد کا حق ہے بلکہ اولاد تو بیوی سے بھی مقدم ہے کیوں کہ اولاد کا نفقہ کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا اور بیوی ناشزہ یعنی نافرمان ہو جائے تو اس کا نان نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، تین درجہ بترتیب ارشاد ہوئے، اپنا نفس، بیوی، خادم۔ اولاد کا اس حدیث میں بیان نہیں آیا۔ اس شخص نے کہا عندی آخر میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے قال ثم أنت أبصر یعنی پھر تم جانو۔ کوئی عزیز ہو ہمسایہ ہو، اور محتاج ہو، جس کو جانتے ہو اس کے حال سے واقف اسے دے دو لفظ أبصر سے معلوم ہوا کہ بصیرت سے کام لینا چاہئے کہ کہاں خرچ کرنا بہتر ہے ہاں اس سے اشارہ ہے کہ اس معاملے میں لاپرواہی نہ کرے۔

زکوٰۃ میں ادائیگی ضروری ہے

قرآن کریم میں اتوا الزکوۃ فرمایا ہے یعنی زکوٰۃ مستحق کو ادا کرو تو مقصود مستحق کو دینا ہے نہ کہ زکوٰۃ نکالنا، اگر زکوٰۃ کا صرف نکالنا ہی مقصود ہوتا تو نکال کے کہیں ڈال دیتے فرض ادا ہوجاتا مگر ایسا نہیں ہے ورنہ یوں فرمایا جاتا واُخرجوا الزکوۃ زکوٰۃ نکالو۔ سو مقصود زکوٰۃ نکالنا نہیں بلکہ مصرف صحیح میں خرچ کرنا مقصود ہے، ادا کرنا یہ ہے کہ مستحق کو پہچان کر دو، پہلے صحیح مصرف پہچانو پھر اس کو دو، آج بہت سے ایسے سیٹھ بھی ہیں کہ ان کے یہاں زکوۃ کا مہینہ ہی نہیں آتا، اور جو نکالتے ہیں وہ مصرف نہیں دیکھتے، معلوم کرتا رہے فکر رکھے، جب وقت آئے ادا کردے۔

بے فکری

ایک شخص برنس روڈ سے آئے کہنے لگے کہ زکوۃ کے کپڑے بنے رکھے ہیں کس کو دوں؟ میں نے کہا کہ ہماری زکوٰۃ تو پیشگی خرچ ہوجاتی ہے، کیونکہ فکر رہتی ہے اس لئے پوچھ پاچھ کرتے رہتے ہیں، بہت ضرورت مند ہیں اپنی قوم اور برادری میں بہت مل جائیں گے، جب فکر نہیں تو پڑوس کا بھی حال معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں، لفظ اُبصر میں ہدایت کی گئی ہے کہ اعزاء واقرباء اور ماحول میں دیکھ بھال رکھا کرو کہ کون احق ہے کون مقدم ہے محض زکوۃ نکال کر جس کو چاہے دے دینا کافی نہیں ہے۔

حدیث

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو خادم تمہارا کھانا پکاتا ہے جب وہ تم کو کھانا کھلانے کے لئے لائے تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اس کو بھی ساتھ کھلاؤ اور اگر اپنے ساتھ کھلانا کسی وجہ سے مناسب معلوم نہیں ہوتا تو دو چار لقمہ اس کو دے دیا

کرو۔ گویا اس کا یہ حق ہے اس نے محنت کی ہے اس کو کھانے کی خوشبو آئی ہے، اس کا بھی دل چاہتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ تو غلاموں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آخری لمحات میں جب اس دنیا سے تشریف لے جارہے تھے یہ فرماتے تھے

"الصلوۃ وماملکت أیمانکم"

کہ نماز کا خیال رکھنا اور غلام باندیوں کے ساتھ سلوک سے پیش آنا۔

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ جس وقت وصال ہوا ہے آپ کا سر مبارک میرے سینے اور گود میں تھا میں نے کان لگا کر سنا تو آپ یہی نماز اور غلاموں کے متعلق فرما رہے تھے۔

قابل غور بات

آپ غور کریں کہ نماز کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً پانچ سو جگہ آیا ہے پھر آخری سانسوں میں اس کی تلقین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دین کا خلاصہ ہے۔ کیونکہ "الصلوۃ" تو حقوق اللہ ہوئے اور "ماملکت أیمانکم" حقوق العباد ہوئے اور سارا قرآن وسنت اسی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تفسیر ہیں۔ نماز حقوق اللہ میں اعظم حق ہے اور عبادتیں تو ایک وقت ہوتی ہیں ایک وقت نہیں ہوتیں مگر نماز ایک دائمی روزانہ کا فریضہ ہے اور غلام باندیوں کے حقوق میں لوگ کوتاہی کرتے ہیں، سمجھتے ہیں یہ ہماری غلام باندی ہیں یہ کیا کہہ سکتے ہیں، ہماری ملک ہیں اور کہے بھی کسے؟ اور کسی کو کہے تو سنتا کون ہے؟ نہ لڑ سکتے ہیں نہ جھگڑا کر سکتے ہیں، اس لئے حقوق العباد میں ان کا نام لیا۔ یہ آخری لمحہ حیات کی وصیت ہے۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس لفظ سے مراد صرف غلام و باندی ہی نہیں ہیں بلکہ ہر وہ شخص مراد ہوگا جو دوسرے سے اپنی دادرسی نہ کرسکے، اس کا کوئی حمایتی اور سننے والا نہ ہو۔ اگر تم اپنی چھوٹی اولاد یا بیوی کو تکلیف دو تو وہ کس سے کہیں، باپ یا خاوند ہی ظلم کرے تو کس سے کہیں، اس سے تو خدا ہی کا خوف باز رکھ سکتا ہے، ورنہ دنیوی قانونی راستہ بالکل ناکافی ہے، اگر راحت وسکون مل سکتا ہے تو قرآن اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم میں مل سکتا ہے۔ خدا کا خوف اور تقوی جب تک قلب میں نہ ہو ظاہری قوانین سے کیا بنتا ہے؟

نکاح کی تین آیات

نکاح کے خطبہ میں جن تین آیتوں کا پڑھنا مسنون ہے وہ تینوں آیتیں ''اتقوا اللہ'' سے شروع ہوتی ہیں، آخر ان تینوں آیات کا کیوں انتخاب کیا اسی لئے کہ ازدواجی زندگی خوف خدا کے بغیر درست نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی مار مار کر درست کرسکتا ہے، زوجین کی زندگی کے حسین بنانے کے لئے صرف تقویٰ درکار ہے، اگر تقویٰ نہ ہو تو کوئی طاقت سنوار نہیں سکتی، مثلاً خاوند اچھی بات کرتا ہے اور آخر میں ایک جملہ ایسا کہہ دے جس سے تن بدن میں آگ لگ جائے تو دنیا کا کون سا قانون اس کو روکے گا، ایک شخص تھے ان کے یہاں کھانے پینے کو سب ہی راحت کا گھر میں سامان تھا مگر وہ منہ بنا کر چڑا دیتے تھے، اب اس پر قانون کیا حکم لگائے گا اور کیا انتظام کرے گا، بیوی کی زندگی تلخ ہورہی ہے خاوند کہتا ہے ہ میں نے مارا نہ گالی دی ہے، اور بیوی شکایت بھی کرے تو والدین کیا روزانہ ان باتون کا فیصلہ کرنے آسکتے ہیں۔

خوف خدا ہی اس رشتہ کو جوڑ سکتا ہے، لہٰذا آخری لمحات میں اسی طرف توجہ دلائی ہے کہ تم سربراہ ہو تو تمہارے ماتحت غلام ہوں یا بیوی بچے ہوں ان کا خیال رکھنا۔

اسلام کے اندر قرون اولیٰ میں غلاموں کا بھی وہ حال نہ تھا جو آج ماتحتوں کے ساتھ ہو رہا ہے، جانوروں کے ساتھ وہ سلوک نہیں تھا جو انسانوں کے ساتھ کر گزرتے ہیں، افسروں کی یہ حالت ہے کہ:

دفتر کا ایک واقعہ

کسی کلرک نے درخواست دی جس کا تبادلہ ہو گیا تھا کہ میری بیوی سخت بیمار ہو گئی ہے اور میں اکیلا ہوں آپ تبادلہ نہ کریں مجھے یہیں رہنے دیں تو یہ سن کر وہ افسر ہنسنے لگے دعا کرو اس کی بیوی ختم ہو جائے تو فرصت سے یہ دفتر کا کام کریں گے، یہ قساوت قلبی ہے، بے رحمی ہے، اور ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں، رحم آتا ہی نہیں، کوئی رشوت دینے والا ہو تو جو چاہے کرالو۔ اب تو عوام، افسروں اور کلرکوں سب آوہ کا آوہ ہی بگڑ رہا ہے، درخواست دیکھی پھینک دی، کبھی گم کر دی، جو سلوک برے سے برے غلاموں کے ساتھ نہ ہوا وہ آج رعایا کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

حدیث کا حاصل

حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ بے چارگی سے لاچار ہوں ان کے حقوق کی بھی نگرانی کرو، ورنہ لاچار کا انتقام پھر اللہ تعالیٰ ہی لیتے ہیں۔

حدیث کی وضاحت

حدیث شریف میں یہ جو فرمایا جو تم کھاؤ ان کو کھلاؤ جو تم پہنو ان کو پہناؤ اس سے بعینہ وہی کھانا نہیں ہے جو تم کھاتے ہو وہی لباس نہیں ہے جو تم پہنتے ہو بلکہ اس قسم کا لباس ہو جس کے ذریعہ سردی گرمی سے حفاظت ہو سکے "ولا تعذبوا خلق اللہ" اللہ کی مخلوق کو تکلیف میں نہ ڈالو۔ مخلوق عام ہے غلام ہو بیوی ہو اور کوئی بھی ہو۔

آنحضرت ﷺ تو یہ فرما رہے ہیں کہ اس کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاؤ۔ فلیجلسه۔ آج یہ حال ہے کہ غلام تو غلام نوکر کو بھی ساتھ بٹھلا کر کھانا نہیں کھلاتے۔ ہاں بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ تم کو اپنی حیثیت برقرار رکھنی ہے تو خیر اس کو الگ ہی دے دو۔

حدیث

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ابو محذورہ آنحضرت ﷺ کے مؤذن تھے۔ ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ دوسرے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ایک اور صحابی ہیں اس طرح یہ چار مؤذن آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں تھے۔ قال کنت جالسا عند عمر إذ جاء صفوان بن أمية بجفنة کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھا تھا اتنے میں حضرت صفوان بن امیہ جفنہ لے کر آئے۔ جفنہ کے معنی تھال۔ تسلہ جس میں کھانا کھاتے تھے اور یہ صفوان اخیر میں مسلمان ہوئے ہیں۔ فتح مکہ میں بھی بھاگ نکلے تھے پھر ان کے کسی عزیز نے ان کے لئے پناہ طلب کی تھی، پناہ ملنے پر یہ واپس مکہ آگئے تھے، آنے کے بعد بھی کفر پر قائم رہے جب غزوۂ حنین ہوا اس وقت یہ مسلمان ہوئے، یہ جاہلیت کے رئیسوں میں سے ہیں جاہلیت کے زمانے کے دس رئیس مشہور تھے ان میں سے یہ ایک ہیں، وہ جفنہ کافی بڑا تھا اس لئے دیگ کی طرح اس کو پکڑ کر لائے فوضعوها بین یدی عمر انہوں نے لاکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا فدعا عمر مساكين الناس وأرقاء من أرقاء الناس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مساکین اور غلاموں کو بلالیا فأکلوا منہ انہوں نے سب نے مل کر اس جفنہ میں سے کھایا اور یہ فرمایا جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھلا کر کھانا کھانے سے عار کرتے ہیں وہ ہلاک ہو جائیں دراصل یہ صفوان رضی اللہ عنہ کو تعلیم دینی تھی اور صفوان رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا تھا کہ کھانا تھوڑا رہے گا اس لئے غلاموں کو نہیں بلایا

تھا۔ چونکہ حضرت صفوان بھی صحابی ہیں ان کا فعل نہ بلانا ہے اس لئے کھانا مقدار میں کم ہو یا اور کوئی عذر ہو تو ساتھ بٹھلا کر نہ کھلانا جائز ہے لیکن جس سے پکوایا ہے اس نے کھانے کی خوشبو سونگھی ہے اس کا حق ہے کہ اس کو ضرور کچھ نہ کچھ دے دیا جائے اور اگر نفس کو ساتھ مل کر کھانے میں عار آتی ہو تو اس میں عجب کا علاج بھی ہے کہ ضرور ساتھ کھلائے اور اس میں نوکر کی تربیت بھی ہے کہ اگر خیال ہو یا قرینہ سے معلوم ہو کہ نوکر سر پر چڑھ جائے گا، کام نہ کرے گا تو اس کو الگ دے دیا جائے۔ صحابہ کرام میں حقوق سب کے برابر سمجھے جاتے تھے، اب ان حقوق کی رعایت نہیں کی جاتی ہے۔ اس لئے دونوں جانب کی مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ہے کہ ساتھ کھلانا حق واجب نہیں ہے۔ مگر ساتھ کھلانے کو اپنی توہین بھی نہ سمجھنی چاہئے۔

ملفوظات

فرمایا ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کٹوانا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہے، لمبی ڈاڑھی رکھنا سنت نہیں ہے۔

۲۔ مرد عورت کا اور عورت مرد کا حج بدل کر سکتے ہیں۔

۳۔ چراغ نور کے نام سے قرآن مجید کا ترجمہ بغیر متن کے طبع ہوا ہے۔ اس طرح سے ترجمہ ہی ترجمہ چھاپنا ناجائز ہے۔

۴۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب نے حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا ایک ملفوظ نقل کیا کہ میں لوگوں کو شرعی باتیں پہنچا دیتا ہوں۔ عمل پر کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ خلاف شرع عمل کرتے ہوئے دیکھ کر شکایت ہوتی ہے اور کسی کو ایذا پہنچاتے ہوئے دیکھ کر صدمہ ہوتا ہے۔

۵۔ مجھے عاصی سے اتنی نفرت نہیں جتنی مدعی تقدس سے ہوتی ہے۔

۶۔ ختم خواجگان ہمیشہ بھی پڑھ سکتے ہو، کسی خاص وقت دعا کرنی ہو تو بھی پڑھ لیا کرو۔

حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال

حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ جو اکبر تابعین میں سے ہیں ان سے کسی شخص نے کہا کیا ایسا حدیث میں آیا ہے کہ اپنی باندی آزاد کرے پھر اس سے نکاح کرے۔ بظاہر تو یہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی قربانی کے جانور پر سوار ہو کر چلے۔ یہ اچھا نہیں سمجھا جاتا اس کا جواب حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ سنی سنائی بات کی پوری تحقیق کر لینا چاہئے۔ آج کل سنی سنائی بات پر عمل کر گزرنا عام ہو رہا ہے، اور یہ خرابی کی بات ہے پھر اس پر یہ طرہ ہے کہ کوئی ٹھیک بات بتائے تو مانتے بھی نہیں۔

جواب

حدیث: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ثلاثة لهم أجران"

تین آدمی اس قسم کے ہیں کہ ان کو ان کے عمل کا دوہرا اجر ملتا ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا له أجران۔ اس شخص کے دو ایمان ہوئے، یہ دو پیغمبروں پر ایمان لایا لہذا اجر بھی اس کو دگنا ملے گا۔ دوسرے وہ عبد مملوک ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا اور اپنے آقا کا حق بھی ادا کیا۔ یعنی نماز روزے کا بھی پابند ہے اور اپنے آقا کی خدمت میں بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس میں نوکر بھی داخل، جو نوکر حق اللہ یعنی احکام الٰہی کی پابندی کرتا ہے اور جس کے یہاں ملازم ہے اس کا حق بھی پورا ادا کرتا ہے اس کے لئے بھی دو اجر ہیں۔ تیسرا وہ شخص ہے جس کے پاس باندی تھی، اس نے اس کو آزاد کر دیا پھر اس سے نکاح کیا اس کو تعلیم دی اور تادیب کی فله أجران اس کے بھی دو اجر ہیں یہ شخص اگر چہ بغیر نکاح کے زن و شوہر کے تعلقات رکھ سکتا

تھا، کیوں کہ ملکیت قائم مقام نکاح کے ہے۔ بیع میں ایجاب وقبول ہوتا ہے اور قیمت طے ہوتی ہے جس طرح نکاح میں ایجاب وقبول ہوتا ہے اور مہر طے ہوتا ہے نکاح کے ایجاب وقبول سے تو صرف تمتع وانتفاع کا مالک ہوتا ہے بیع میں تو اس کی رقبہ کا مالک ہوجاتا ہے تو جب نکاح سے وطی کرنا درست ہے تو بیع جاریہ ہوجانے سے تو بدرجہ اولی وطی کا مالک ہوجانا چاہیے، اور ہر طرح کی خدمت لینا اس سے درست ہے۔

تین آدمی تو حدیث کی رو سے یہ ہوئے جن کو دوہرا اجر ملتا ہے ایک کا قرآن کریم میں ذکر ہے:

وتعمل صالحا نؤتها أجرها مرتين

یہ ازواج مطہرات کے بارے میں آیت ہے، ان کے عمل کا اجر دوہرا ہے اسی طرح گناہ کی سزا بھی دگنی ہے

یضاعف لها العذاب ضعفين۔

شبہ

ان لوگوں کو دو اجران کے دو عملوں کی وجہ سے دیئے گئے تو اس میں ان ہی کی کیا تخصیص ہوئی، جو بھی دو کام کرے گا اس کو دو ثواب ملیں گے، کوئی دس کام کرے گا تو اس کو دس ثواب ملیں گے۔

جواب

تخصیص کا منشا یہ ہے کہ ان کو ہر عمل میں دگنا ثواب ملے گا نماز پڑھنے کا دگنا ثواب، روزے کا اوروں سے دگنا ثواب ملے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بقدر مشقت ثواب دیتے ہیں، ان امور میں بہت مشقت ہے دیکھئے ایک نبی پر ایمان لانے کے بعد دوسرے نبی پر ایمان لانا بہت مشکل ہے، آج کل دیکھئے اگر کسی فاسق

وفاجر کو پیر بنالیا تو اسے نبھاتے ہیں حتی کہ خاندانی پیر جسے الف سے بے نہیں آتا اسے نبھاتے ہیں، جانتے ہیں پھر نہیں چھوڑتے، تو جب پیر بنا کر اسے نہیں چھوڑ سکتے تو جو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا ہو پھر اسے کہا جائے کہ تم خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی ایمان لاؤ تو بڑی مشقت اور دشوار کام لگتا ہے، پہلے نبی کی پیروی چھوڑ کر آخری پیغمبر کی اتباع کرنا مشکل ہوتا ہے اور جب کہ تمام آنے والے پیغمبر اپنے سابقہ پیغمبروں کو سچا بتاتے اور ان کی تصدیق کرتے ہوں تو ان کے چھوڑنے میں بڑا وزن پڑتا ہے۔ عقل پر بھی ذہن پر بھی اس لئے ان کو دوہرا اجر دیا جائے گا۔

دوسرے غلام یا نوکر اسے بھی مشقت کا سامنا ہوتا ہے ایک طرف آقا نے کام بتایا ادھر اذان ہوگئی حی علی الصلوۃ نماز کے لئے آؤ اب فکر میں پڑتا ہے کہ کونسا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ دونوں حق پامال نہ ہوں۔ کس قدر مشقت ہے لیکن اگر کسی وقت تضاد رفع نہ ہو تو حق اللہ مقدم ہوگا جو فرض و واجب ہو۔ ایسے ملازم کو بھی ہر عمل کا دوہرا ثواب ملے گا۔ تیسرے آقا اپنی باندی سے ویسے ہی صحبت کر سکتا تھا اس سے نفع حاصل کرتا اور خدمت لے سکتا تھا لیکن اس نے آزاد کیا پھر اپنے اوپر مزید ذمہ داری بڑھائی نان ونفقہ اور مہر کا بار اپنے اوپر بڑھایا اس لئے دو اجر ملیں گے۔

ایک اشکال

اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوا کہ جو صحابہ اہل کتاب تھے جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یہ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کو دہرا اجر ملے گا اور خلفاء راشدین حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو اکہرا اجر ملے گا تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین سے بڑھ گئے حالانکہ تمام امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء

رشدین رضی اللہ عنہم سب سے افضل ہیں، بالترتیب ان چاروں سے کوئی افضل نہیں ہے۔ پھر ان چاروں کے بعد عشرہ مبشرہ ہیں۔ ان دونوں فضیلتوں میں بظاہر تعارض ہو گیا۔

جواب

دہرا یا اکہرا ہونے کا اثر اس وقت پڑتا ہے جب دونوں کی ایک جنس ہو مثلا روپیہ ہے ایک آدمی کو دو روپے دیئے ایک کو ایک روپیہ دیا اس میں دو روپے والے کا فضیلت ہے لیکن اگر کسی کو ایک اشرفی دی اور دوسرے کو دو روپے دیئے تو ایک اشرفی اگرچہ عدد میں اکہری ہے مگر دو روپے جو دہرے ہیں سے بڑھ جائے گی۔ سو سنار کی ایک لوہار کی والا معاملہ ہے۔ حضرات شیخین نے عمل کیا تو ایک موتی ملا اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کیا تو دو روپے ملے۔ لہذ فضیلت تو خلفاء اربعہ ہی کو ہوگی۔

عامر شعبی نے یہ حدیث بیان کر کے کہا کہ جاؤ تم کو ایک نعمت دے دی ہے یہ احسان جتلانا نہیں ہے بلکہ رغبت دلانے کی نیت سے کہا ہے۔ چونکہ اس زمانے میں ایک حدیث کے حاصل کرنے کے لئے بڑے سفر کیا کرتے تھے۔ اور ان کو قدر بھی ہوتی تھی۔ آج اس علم شریعت کی قدر نہیں رہی۔ اس لئے بُلا بُلا کر مسائل بتاتے ہیں ان کو چھپواتے ہیں کسی طرح یہ حلق میں اتر جائیں لیکن لوگ اس کو فضول سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا تو شکر کرنا چاہئے کہ جو بلا طلب دین پیش کرتے ہیں۔

دوسری حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ۔ تم میں سے ہر ایک راعی اور امیر ہے۔ ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا اور جتنی اس کی رعیت اور اس کے ماتحت ہیں اتنا ہی اس سے سوال زیادہ ہوگا۔ ایک ملک کا بادشاہ ہے۔ ایک شہر کا حاکم ہے۔ ایک

گاؤں کا نمبر دار ہے۔ ایک آدمی گھر کا بڑا ہے وہی ان بیوی بچوں کا بڑا اور امیر ہے۔

ایک واقعہ

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دیہاتی آدمی ہارون رشید کے دربار میں پہنچ گیا۔ اسے تو پہلے معلوم ہی نہ تھا کہ دربار کیسا ہوتا ہے۔ اس نے خلیفہ ہاروں رشید کی تعظیم ملاحظہ کی۔ وہ تخت پر بیٹھ جاتا ہے اور تمام درباری بڑی تعظیم سے کھڑے ہوتے اور بات کرتے ہیں۔ خیر وہ جب اپنے گھر آیا تو سوچا کہ لوگوں کو یہ کیسے پتہ چلے کہ یہ بغداد ہو کر آیا ہے۔ وہاں کا نمونہ دکھاؤں لوگ پوچھیں تب میں کہوں گا کہ بغداد میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اب اس کی رعیت تو بیوی بچے ہی تھے اس لئے اس نے چوک میں ایک تخت بچھایا اس پر خود بیٹھ گیا اور بیوی سے کہا جاؤ حقہ بھر کر لاؤ اور ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے پیش کرو اور یہ کہو امیر المومنین یہ حقہ حاضر ہے۔ تو اس کی رعیت اس کی یہی بیوی تھی۔ اس سے یہ کام لیا۔

بہرحال ہر ایک امیر ہے اور اس کی کوئی نہ کوئی رعیت ہے۔ اس امیر سے رعایا کے متعلق سوال ہوگا کہ تم نے ان کے نام اچھے کیوں نہ رکھے ان کو دینی تعلیم و ادب کیوں نہ سکھلایا۔ نیکی کی عادات کیوں نہیں ڈالیں۔ گناہوں سے نفرت کیوں نہیں دلائی؟ اب جیسے بیوی اور اولاد کو عمل نہ کرنے سے عذاب ہوگا والدین کو بھی نہ سکھانے کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ بے دین، بے نماز ہونے کا لڑکے کو گناہ ہوگا باپ کو نہ بتانے کا گناہ ہوگا۔ بیوی پردہ نہیں کرتی اور خاوند اس کو تنبیہ نہیں کرتا تو وہ بھی گنہگار رہوگا۔ ملازم تمہارے ماتحت تھے ان کو نہ دین سے آگاہ کیا نہ ان کو حکم کیا تو عاصی ہوگا اگر ان کو آگاہ کر دیا اور بار بار ٹوکتے رہے اپنی طرف سے پوری کوشش کر لی پھر اولاد بے دین رہی، دین پر نہ آئے تو پھر سوال نہ ہوگا ورنہ دونوں سے ہوگا۔
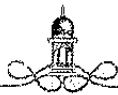
وعبد الرجل راع علی مال مالکہ۔ غلام اور نوکر اپنے آقا کے مال کا نگران ہے۔ اگر نوکر نے مال چرایا تو نہیں مگر حفاظت میں کوتاہی کی۔ اس کی جو ذمہ داری تھی اس کو پورا نہ کیا تو سوال نوکر سے بھی ہوگا کہ تم نے غفلت کیوں کی، حفاظت کیوں نہیں کی؟ بادشاہ ساری مملکت کا راعی ہے اس سے ہر ایک فرد رعیت کے متعلق سوال ہوگا ان پر مصیبت آئی اور بادشاہ نے خبر گیری نہ کی تب بھی سوال ہوگا۔

بڑھیا کا واقعہ

ایک بڑھیا کچھ بکریوں کی مالک تھی۔ ایک بھیڑیا آیا اور اس کی ایک بکری کو اٹھا کر لے گیا۔ بڑھیا نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو بد دعا دینی شروع کی کہ عمر کا یہ ہو جائے وہ ہو جائے۔ امیر المومنین کیا لاٹھی لئے پھرتے ہیں کہ بھیڑیا کسی کی بکریاں نہ کھا جائے اس لئے جنگلوں میں مارے مارے پھریں۔ مگر اتفاق کی بات جب وہ بڑھیا بد دعا دے رہی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے وہ بڑھیا ان کو پہچانتی نہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑھیا سے پوچھا کہ عمر نے کیا قصور کیا ہے جو تو یہ کہہ رہی ہے کہ امیر المومنین بنا بیٹھا ہے رعیت کی خبر نہیں لیتا تو کیا عمر ہر وقت تیری بکریوں کی دیکھ بھال کے لئے یہاں بیٹھا رہے۔ بڑھیا بولی کہ اس سے رعیت کی خبر گیری نہیں ہوتی تو استعفاء دے دے وہ خلافت کا اہل نہیں ہے۔ سپاہی مقرر کرے۔ ہماری چراگاہ میں پہرہ لگائے، پہرہ دار بٹھائے تاکہ بھیڑیا بکریوں کے پاس نہ آئے۔ علم غیب کی کون کہتا ہے۔ بے شک عمر کو علم غیب نہیں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے کہ مجھ سے تو یہ بڑھیا ہی زیادہ سمجھدار ہے۔ علم غیب کی نفی کر رہی ہے اور انتظام کی بات بتلا رہی ہے۔ میری غلطی ہے سو اس بڑھیا سے معافی مانگی۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

امیر تو راعی ہے لوگوں نے سلطنت کرنے کو راحت سمجھا ہے وہ تکلیف و مضرت کا

پیش خیمہ ہے سارے جہاں کا غم مول لینا ہے۔

ماغم نان داریم وتو غم جہاں داری

(ہمیں تو صرف ایک روٹی کی فکر ہے اور تمہیں پورے جہان کی فکر ہے)

بلکہ جو جتنا بڑا امیر ہے اتنا ہی قابل رحم ہے۔

آدمی اپنے گھر والوں پر نگران ہے

الرجل راع علی أہل بیتہ۔ مرد اپنے گھر والوں پر نگران ہے۔ اس میں بیوی بچے، بھتیجے، بھانجے اور نوکر چاکر سب داخل ہیں ان سب کی گھر والے پر ذمہ داری ہے۔ ادا نہ کی تو تم بھی بھگتو گے وہ بھی بھگتیں گے۔ سمجھانے میں کوتاہی نہ کرو۔ ألا کلکم راع وکل راع مسئول عن رعیتہ آپ نے اس کلمہ کا پھر اعادہ کیا۔

تعلیم کمیٹی

اس پر یاد آیا کہ لاہور میں تعلیم کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ میں نے اس کے لئے اسی حدیث کو بنیاد بنایا تھا۔ اسلامی تعلیم یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ مگر آپ کے یہاں تو بچوں کی تعلیم پرائمری سے شروع ہوتی ہے۔ پانچ سال کی عمر میں اسکول میں داخل کیا جائے، تو پانچ سال تک آپ کے یہاں بچہ تعلیم سے خارج رہتا ہے۔ اور اسلام کی تعلیم فطری تعلیم ہے وہ پیدا ہوتے ہی شروع ہوجاتی ہے۔ ذمہ داری شروع ہی سے ڈال دی جاتی ہے۔

نصاب تعلیم ونظام تعلیم

دراصل یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں ایک نصاب تعلیم ہے اور ایک نظام تعلیم ہے پرندے کے یہ دو بازو ہیں دونوں ضروری ہیں۔ گاڑی کے دونوں پہیے ہیں آج

کل یہ دونوں خراب کر دیئے گئے ہیں اور اسلامی نصاب تعلیم کی قدر نہیں رہی وجہ یہ ہے کہ وہ ہم کو مفت مل گیا ہے اگر محنت و مشقت کے بعد حاصل ہوتا تو قدر ہوتی۔ جو ماں باپ نے بتلایا وہ سیکھ لیا اور جو کچھ کلمہ و نماز سیکھ لیا اس کی قدر نہ کی۔

سو نصاب تعلیم کلکم راع سے شروع ہوگا۔ بچے پر گناہ و ثواب تو نہیں مگر والد پر ذمہ داری ضروری ہے۔ بچے کو بھی اگر ریشمی کپڑا پہنایا تو والد پر گناہ ہوگا۔ سونے چاندی کا استعمال مرد کو حرام ہے۔ عورت کے لئے زیور پہننا جائز ہے لیکن مرد کی طرح نابالغ بچوں کو بھی چاندی سونے کا استعمال ناجائز ہے ہاں انگوٹھی چاندی کی ہو ساڑھے تین ماشہ تک مستثنیٰ ہے سونے کی بالکل جائز نہیں ہے اور سونے چاندی کے بٹن، تو جو بٹن زنجیر والے آتے ہیں وہ تو مرد کو حرام ہیں وہ باقاعدہ زیور ہے ہاں کپڑے کی گھنڈیاں تار سے گانٹھ لیجائیں اس کو فقہاء نے جائز لکھا ہے۔ کیونکہ اہل عرب ان گھنڈیوں کو کپڑے میں سی لیتے تھے اس لئے ان کو کپڑوں کے تابع رکھ کر جائز کہا ہے۔ بٹن کپڑوں سے الگ ہوتے ہیں وہ جائز نہیں۔ اس طرح سونے کی گھڑی جس میں اکثر حصہ سونے کا ہو مرد کو حرام ہے ہاں رولڈ گولڈ جائز ہے وہ سونا نہیں ہے۔ گھڑی کا کیس غالب یا کل سونے کا ہو اس کا استعمال بھی حرام ہے اگر دوسری دھات اور سونا برابر کا ہو تو بعض فقہاء نے اس کو بھی حرام کہا ہے کیونکہ بہر حال اس میں سونا موجود ہے اور زیور کے طور پر پہننا ناجائز ہے۔ البتہ مجبوری ہو تو بناء بر اختلاف کے گنجائش نکل آئے گی البتہ نہ پہننا ہی اولیٰ ہے۔ باقی اس زیور کے علاوہ استعمالی چیزیں مثلاً آئینہ کا گھر، گلاس، چمچہ سب کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہے۔ فاؤنٹین پین کی نب نہ وہ زیور ہے اور نہ ظرف ہے وہاں ضرورت ہے اس لئے یہ جائز ہے اور نب خالص سونے کا ہوتا ہی نہیں ورنہ گھس جاتا۔
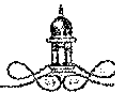
ماں کی گود اسکول ہے

ماں کی گود اسکول ہے، والدین معلم و ماسٹر ہیں، یہ گھر یونیورسٹی ہے، تعلیم جبری ہے۔ جب بچہ بولنے لگے تو سب سے پہلے اللہ کا نام یا لا الہ الا اللہ سکھلاؤ۔ تعلیم کمیٹی کے سپرد نہیں کیا مگر گھر کا نصابِ تعلیم اللہ کے نام سے شروع ہوتا ہے۔ اس سلیبس کا پہلا سبق کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ ہے اس کے بعد سبحان للہ پھر کوئی آیت سکھلاؤ، اسی طرح آہستہ آہستہ سکھلاتے رہو یہی اصل پرائمری ہے۔ جھوٹ بولے، غیبت کرے تو روکو۔ اس کو بتاؤ۔ بچے کا ذہن کورا کاغذ ہے۔ جو نقش چاہو لگا دو، جھوٹ نہ بولو۔ گالی نہ دو اس طرح کی تہذیب شروع ہی سے سکھائی جاتی ہے یہ اسکول کی تعلیم نہیں ہے۔ گھریلو والدین کی ذمہ داری والی تعلیم ہے، اس وقت بچہ بلا تکلف کے اسلامی تہذیب وتمدن کا عادی ہو جائے گا جب بالغ ہو گیا اس وقت بری عادتیں چھڑوانا تو ماں کا دودھ چھڑوانا ہے۔

یورپ کے خاص خاص اخلاق کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ سب اسلام ہی سے لئے ہیں اور جہاں اخلاق کچھ اچھے ہیں وہ کالج کی تعلیم سے نہیں بلکہ گھریلو اور ماحول کا اثر ہے۔

جب بچہ آنکھ کھولے گا اس کے سوا اور کون سامنے آئے گا۔ ماں، باپ، بھائی، بہن اس کے سوا کس سے وہ سیکھے گا اسکول ہر جگہ نہیں ہیں۔ جہاں اسکول نہیں وہاں کس طرح سیکھے گا، جن قوموں نے قرآنی تعلیمات کو اپنا لیا خواہ وہ مسلمان نہ ہوں انہوں نے گھر کا سارا ماحول سدھار لیا۔ انہوں نے نصاب ونظام دونوں اسلام سے سیکھ لئے ہیں۔ دیکھو لوگ کیسی تعریف کرتے ہیں۔ حقیقت میں تعلیم تو پانچ سال سے پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اس عمر میں بھی بچے کے سامنے کوئی ایسا کام نہ کرو جو ناجائز اور

غلط ہوا گر بچہ غلطی، گالی دے اور ماں باپ قہقہہ لگائیں گے تو بری عادت پڑ جائے گی پھر عمر بھر نہ جائے گی۔

ایک ماسٹر صاحب کہتے تھے کہ میں تصویر بنا کر یاد کراتا ہوں کہ یہ کتا ہے، بلی ہے، چوہا ہے۔ تصویر سے ذہن جلدی قبول کر لیتا ہے۔ کتابوں میں بھی فوٹو اسی لئے بنائے جاتے ہیں۔

میں نے کہا آپ لوگ، کتا، بھیڑیا، چوہے، ان بچوں کو سمجھاتے رہیں۔ اور گھر والے اٹھنا بیٹھنا، بات کرنا گھر میں سکھایا کریں ہم تو والدین کو کہیں گے کہ دین سکھانا تو تمہارا کام ہے، جب گھر کی پرائمری درست ہوگی تو آخر تک کام ٹھیک رہے گا، اسی طرح اگر مسجد کا نظام صحیح ہو جائے کہ امام جو داعی ہے وہ ہدایات صحیح دیتا رہے۔ تو ماہر عالم کی ضرورت نہیں رہتی۔ جتنی یونیورسٹی میں تعلیم ہوتی ہے اس کے مقابلے میں مسجد میں عملی تعلیم ہو سکتی ہے۔

ملفوظات

فرمایا: مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی مرحوم سے کسی شاہ صاحب نے کہا کہ تم لوگ گناہ تو بے گنتی کے کرتے ہو اور ذکر الٰہی گنتی کے ساتھ کرتے ہو۔ بات آپ نے ڈھنگ کی کہی لیکن مولوی عبدالکریم صاحب بہت سمجھدار تھے انہوں نے فرمایا کہ ذکر کی گنتی اپنے نفس کے لئے کرتے ہیں تاکہ یہ پابند رہے۔ حیلے بہانے نہ کرے۔ اگر کم کرے تو پورا کرنے کا مطالبہ رہے۔ اسی لئے اپنے معمول کے ناغہ ہونے کو پورا کرنا چاہئے۔

ایک صاحب نے کہا کہ قرآن کریم کو سلسلہ وار تلاوت کرنے کو جی چاہتا ہے یہ کیسا ہے؟

فرمایا سلسلہ وار کرنا ہی بہتر ہے۔ دیکھئے میں نے یہ قرآن شریف کھلا ہوا رکھا ہوا ہے اور ان دوسرے کام میں مصروف ہوں۔ قرآن شریف جب تک کھلا ہوا رہے گا دل میں یہ تقاضہ رہے گا کہ اس کو پڑھنا ہے۔ اس طرح سلسلہ وار پڑھنے میں تقاضہ رہتا ہے۔ بلا سلسلہ پڑھنے میں یہ تقاضہ ختم ہوجاتا ہے ان ہی صاحب نے پوچھا کہ رمضان شریف میں کون سی عبادت افضل ہے؟

فرمایا۔ تلاوت قرآن کریم۔ اور اس کو پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ جتنا زیادہ ہوسکے پڑھا کرے دوسرا وقت ایسا نکالے کہ اس میں سمجھ کر پڑھے اگرچہ ایک رکوع ہی کیوں نہ ہو۔

ارشاد

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ضیّعہ اُصحابہ ان کے اصحاب نے ان کو ضائع کردیا۔ یعنی ان کے حالات اور ملفوظات قلمبند نہیں کئے۔

ایک صاحب نے ختم خواجگان کے متعلق پوچھا کس طرح پڑھا کرتے ہیں فرمایا

اول دس مرتبہ درود شریف پھر (۳۶۰) مرتبہ

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيْهِ

اس کے بعد (۳۶۰) مرتبہ (الم نشرح)

اس کے بعد اوپر والا

لاحول ولا قوة

آخر تک پھر دس مرتبہ درود شریف۔

اس کے بعد مولوی بشیر صاحب کی بیمار پرسی فرمائی اور فرمایا کہ رمضان شریف میں ظہر کے بعد تین بجے سے پانچ بجے تک مجلس ہوا کرے گی۔

ارشاد

فرمایا کہ اگرچہ ہماری مسجد کے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہتا لیکن ان کے پیچھے پڑھ لیتا ہوں کہ نفس گھر پڑھنے کا خوگر ہو جائے گا۔ (۱)

فرمایا رقم سے پہلے مبلغ لکھنے کو ہم پہلے فضول سمجھا کرتے تھے لیکن اب معلوم ہوا کہ اس کا بڑا فائدہ ہے کہ اس سے قبل کوئی رقم نہیں بڑھا سکتا، ایک ہزار سے پہلے ایک

---

(۱) حضرت قدس سرہ کے اس ملفوظ سے متعلق حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل وضاحت ماہنامہ البلاغ محرم ۱۴۳۵ھ میں شائع ہوئی تھی:

''ماہنامہ البلاغ'' ماہِ ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ میں ''مجالس اور ملفوظات مفتی اعظم پاکستان'' کے عنوان سے ایک مضمون احقر کے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا شائع ہوا ہے، اس میں صفحہ ۴۳ / پر حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد نقل کیا گیا ہے:

''فرمایا کہ اگرچہ ہماری مسجد کے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہتا، لیکن ان کے پیچھے پڑھ لیتا ہوں کہ نفس گھر پر پڑھنے کا خوگر ہو جائے گا''۔

اس ارشاد میں ''ہماری مسجد'' سے جامعہ دارالعلوم کراچی کی مسجد مراد نہیں ہے، اور جامعہ کی مسجد کے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہتا، کا تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ ارشاد لسبیلہ چوک کی مسجد کے امام کے متعلق ہے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی حیات میں لسبیلہ میں مسقط روڈ پر مقیم تھے تو اس مسجد کے امام صاحب بہت بوڑھے اور از خود رفتہ تھے جن کے وضو اور استنجاء میں بھی شک ہوتا تھا، ان کو بار بار امامت چھوڑنے کے لئے کہا گیا لیکن مسجد کے نمازیوں میں ایک بڑی تعداد ان کو نکالنے میں رکاوٹ تھی بہر حال بمشکل وہ امامت سے دست بردار ہوئے، قریب میں کوئی اور مسجد نہیں تھی اس لئے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی مسجد میں نماز پڑھنے پر مجبور تھے۔

اس وضاحت کی ضرورت پر مولانا اعجاز احمد سنگھانوی مدظلہم نے متوجہ فرمایا، بندہ تہِ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

بندہ عبدالرؤف سکھروی

۲ / ۱۲ / ۱۴۳۴ھ

لاکھ کردے بندیاں بڑھادے تو بڑھا سکتا ہے مگر مبلغ لکھنے کے بعد جگہ نہیں رہتی اس لئے اب نہیں بڑھا سکتا۔ فرمایا۔ فالتو کاغذ جمع کرتا رہتا ہوں اور ان کو مختلف کاموں میں لاتا رہتا ہوں۔

مجلس مبارک ۵ ررمضان المبارک ۱۳۸۵ھ

یہ آیت تلاوت کی

اِذۡ قَالُوۡا لَیُوۡسُفُ وَاَخُوۡهُ اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیۡنَا مِنَّا وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِۣ ۚ﴿۸﴾ (یوسف:۸)

بھائیوں کا باہم مشورہ

لَیُوۡسُفُ میں لام مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہے جس کا ترجمہ ہوگا بے شک۔ لام لانے میں یہ اشارہ ہے کہ اس بارے میں رائے مشورے کی ضرورت نہیں کہ والد صاحب کو یوسف سے زیادہ محبت ہے یہ تو تحقیقی بات ہے۔ ورنہ مشورہ یہاں سے شروع ہوتا کہ پہلے محبت کا زیادہ ہونا ثابت کرو۔ پھر یوسف کا نام لیا اگر مبہم لفظ بھائی کہہ دیتے تو مشورہ بھی مبہم ہی رہتا اور ایک دوسرے کو مشورہ دینے میں دقت رہتی۔ اس لئے یہاں نام لینا عین فصاحت ہے کہ اب دوسرے بھائی کا احتمال ہی نہیں رہا۔ اس کے بعد وَاَخُوۡهُ میں بنیامین کا نام نہیں لیا کیونکہ بلاضرورت حسد کے وقت نام لینا گوارا نہیں ہوتا اسی لئے ہمارا بھائی نہیں کہا اَخوہ اس کا بھائی کہا۔ پھر ضمیر لائے کیوں کہ اس سے قبل یوسف کا ذکر آچکا ہے دوبارہ لانا ان کو ناگوار تھا۔ اور جب دو ماں ہو جائیں تو ایسا حسد ہو جانا بعید بات نہیں کہ دوسری ماں کے بھائی کو بھائی کہتے ہوئے بھی جھجک ہوتی ہے اور حقیقی بھائی ایک جانب ہو جایا کرتے ہیں۔ اَحَبُّ اِلٰی اَبِیۡنَا ہمارے والد کو اس سے محبت زیادہ ہے، یہ نہیں کہا کہ ہم سے بالکل محبت نہیں ہے اس کا
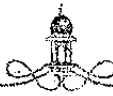
تو اقرار ہے کہ ہم سے محبت ہے مگر ان سے زیادہ محبت کرتے ہیں ازدیاد محبت کی نفی کی ہے آخر کو تو پیغمبر تھے اور اس کے تو بھائی بھی مقر ہیں کہ اختیاری حقوق واجبہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ کھانے، پینے، روٹی، کپڑے میں سب کو برابر رکھتے تھے ورنہ یوں ہی کہتے کہ ان کو کھلاتے پلاتے زیادہ ہیں۔ یہ نہیں کہا۔ محبت زیادہ ہونے کی شکایت کی اور ازدیاد محبت غیر اختیاری فطری امر ہے اس پر کوئی مواخذہ عند اللہ نہیں ہے۔ چوں کہ حسد ہو گیا تھا اور محسود کی بھلائیاں حاسد کے ذہن سے نکل جایا کرتی ہیں ورنہ ان کے احب ہونے کا خیال کرتے کہ سب سے چھوٹے ہیں، ان کی والدہ گزر گئی ہیں، والد صاحب ان کو ہونہار سمجھتے ہیں، ان کو صرف اپنا استحقاق ہی یاد رہا وہ یہ کہ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ہم قوی ہیں۔ عصابہ کے معنے پٹی کے آتے ہیں گویا ہم پٹی کی طرح مل کر جماعت کی صورت میں مضبوط ہیں سب کام انجام دے سکتے ہیں، لہٰذا ہم ہی احق الی المحبت ہوئے۔ بھائیوں نے اپنا احق ہونا اپنے ذہن میں سمجھ لیا تھا کہ آخر یہ ہمارے بھی والد ہیں پھر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔

کچھ پسری پدری تعلقات ایسے ہوتے ہیں کہ اولاد کی طرف چنداں ایسی باتوں کی طرف التفات کم ہوتا ہے کہ پھر سمجھ جائیں گے دوسری کو جلدی سمجھا دیا کرتے ہیں اس لئے خفیہ انہوں نے مشورہ کیا اور یکطرفہ فیصلہ کر لیا کہ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ہمارے والد صاحب کھلی ہوئی غلطی پر ہیں۔ ضلال کے معنی خطا کے ہیں۔ والد کو اجتہادی غلطی لگ گئی ہے کیونکہ اگر ضلال کے معنی گمراہ کے لئے جائیں تو کفر لازم آتا ہے اس قرینہ سے یہ معنی کریں گے کہ وہ خطا اجتہادی کر رہے ہیں۔ اس میں اِنَّ لائے گویا ان کے نزدیک یہ بات قطعی اور یقینی تھی۔ اپنے نزدیک بے شبہ بات کہہ رہے تھے پھر اَبانا کہا۔ معلوم ہوا کہ ان کو والد کے ساتھ دشمنی نہیں تھی ورنہ ہمارے نہ بولتے پھر لفی میں لام لائے گویا ان کو ذرا بھی شبہ نہ تھا تاکید کے ساتھ کہتے ہیں کہ

ہمارے والد سے خطا ہو رہی ہے پھر مبین کہا کہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں جو معلوم نہ ہو بلکہ ظاہر باہر بات ہے گویا انہوں آپس میں بالکل پختہ طے کرلیا جو ہمارا خیال ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

سوال: حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب معلوم تھا کہ ان میں کش مکش ہے پھر اس کی وجہ یوسف سے ازدیاد محبت ہے تو اس کا بندوبست کیوں نہیں کیا؟

جواب: بھائیوں کی ایک طرف نگاہ تھی یہ ان کی خود غلطی تھی یعقوب علیہ السلام دونوں جانب نگاہ رکھتے تھے یوسف علیہ السلام احبیت کے مستحق تھے۔ پھر یہ ایک فطری غیر اختیاری امر ہے اس پر ملامت نہیں ہوسکتی۔

سوال: ان بھائیوں نے والد کو خطا کی طرف کیوں منسوب کیا؟

جواب: خطا سے مراد خطا اجتہادی ہے۔ حالانکہ خود ہی خطا میں مبتلا تھے ان کی والدہ فوت ہوگئی تھی، کمزور تھے۔ سب سے چھوٹے تھے، سب سے خوبصورت تھے، ہونہار تھے یہ باتیں بھائیوں سے اوجھل رہیں اس لئے وہ حسد کر بیٹھے۔

ایک اسکول کے طلبا سے خطاب

خطبہ ماثورہ

میرے عزیزو!

میرے لئے یہ بڑا مسرت کا مقام ہے کہ میں اپنے نونہال بچوں کے سامنے تقریر کررہا ہوں۔ تم قوم کی بنیاد ہو۔ آئندہ تم ہی اس عمارت کے اونچا لے جانے والے اور اس میں بسنے والے ہو۔ وقت مختصر ہے اور دیکھا جائے تو ہر ایک کا وقت ہی مختصر ہے۔ کچھ وقت گزر گیا اور جو کچھ باقی ہے معلوم نہیں کب پورا ہوجائے، حقیقت شناسی سے کام لیا جائے تو ہر انسان کا وقت تھوڑا ہے۔ زندگی محدود ہے، اس زندگی

میں جو مختصر ہے سب سے زیادہ ضروری تعلیم کا مسئلہ ہے۔ عمر کو ضائع نہیں کرنا اس کو ٹھکانے لگانا ہے۔

دو دن کی زیست میں کیا کیا کرے کوئی

کام زیادہ ہے، وقت کم ہے، یہ اتنا وسیع میدان ہے کہ ہر ایک کی پرواز ختم ہو جاتی ہے مگر علمی پیاس ختم نہیں ہوتی، مجھے اس وقت علمی نکات میں سے ایک سیرت کا نکتہ بیان کرنا ہے۔

جس وقت مکہ کے سرداروں اور خواجہ ابُوطالب نے نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ بات رکھی کہ آپ بت پرستی کے متعلق کچھ نہ کہا کریں۔ اس کے علاوہ اور سب باتوں میں ہم صلح کرلیں گے۔ اگر آپ کو مال و دولت چاہئے، حسن و جمال والی عورت چاہئے یا بادشاہت یا سرداری کی خواہش ہو تو ہم سب باتیں آپ کی پوری کریں گے، مگر آپ ان بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا! تم میرے بزرگ ہو، تم یقین کرو کہ جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اور تم کو پیش کرتا ہوں، ایسا تحفہ، نعمت و دولت کسی نے تم کو نہیں دی ہے اور نہ دے سکتا ہے۔ سوچو اگر میں کوئی فریب کرتا تو کیا اپنے گھر والوں کے ساتھ کرتا، اپنے ہی بھائی، بھتیجوں پر ظلم کرتا، اگر جھوٹ بولنا ہی مقصود ہوتا تو کیا اپنے بڑوں کے سامنے بولتا اور ان ہی سے دغا کرتا، سوچو میں کیا کہتا ہوں میں وہ چیز لے کر آیا ہوں کہ تم کو کسی نے آج تک نہیں دی ہے۔ اور یہی تعلیم و احکام واسطہ در واسطہ ہم تک پہنچتے ہیں اور ہم نے ان کو تسلیم کرلیا ہے۔

اس دنیا میں جو کچھ ہوا ہے سب ہی دیکھ رہے ہیں، سورج، چاند، باران، ہوا، پیداوار، نکاح، توالد۔ سب مل کر ایک کارواں ہے جو چل رہا ہے اب سوچنا یہ ہے کہ اس کارخانے کو چلا کون رہا ہے؟ وہ نظروں سے اوجھل ہے اس کو میں واضح کرنا چاہتا

ہوں۔ مثال کے طور پر یہ لاؤڈ اسپیکر میری آواز دور تک پھینک رہا ہے، یہ قمقمے جل رہے ہیں، پنکھے چل رہے ہیں سب دیکھ رہے ہیں، ان کے چلانے والا کون ہے تو عقل نے کہا بجلی چلا رہی ہے۔ بجلی کہاں سے بنی؟ انجن سے، انجن میں کہاں سے آئی؟ بھاپ سے۔ بھاپ کس طرح بنی؟ پانی اور تیل سے۔ پانی اور تیل کہاں کس نے بنایا؟ عقل لاجواب ہے کہیں گے اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ یہ کپڑے کا کارخانہ چل رہا ہے، بجلی دکھائی نہیں دیتی مگر مانتے ہیں پاور ہاؤس سے بجلی آرہی ہے۔ اگر بجلی نہ آئے تو سب سامان اکارت ہوجائے، بےکار ہوجائے، پاور نہیں تو کھمبا بھی بےکار ہے۔ بجلی کا پاور دکھائی نہیں دیتا مگر مانتے سب ہیں کہ یہ اسی کی کارفرمائی ہے۔ یہاں تو سائنس کام کرتی ہے آگے پوچھئے کہ یہ پاور کہاں سے آیا۔ یہ طاقت کس نے پیدا کی، پانی کی قوت سے ہوئی، پر سوال ہے کہ یہ پانی کس نے پیدا کیا اور اس کے پانی کے ٹکراؤ میں اتنی قوت کس نے رکھی ہے؟ یہ کسی انسان کے بس کا نہیں ہے۔ جس طرح ایک گنوار قمقمہ کے نور کو اسی کا نور سمجھتا ہے لیکن سمجھدار آدمی کہہ سکتا ہے کہ قمقمہ کا خانہ زاد نور نہیں ہے، یہ پاور ہاؤس کی مہربانی ہے، اگرچہ پاور ہاؤس دکھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کہتے ہیں جو حکماء ہیں کہ اس مخلوق کی طاقت سے آگے بڑھ کر یہ تمام اشیاء پیدا کس نے کی ہیں، ہوا، پانی، کس طرح بنا اور کس نے بنایا، یہ کہاں سے آیا جب اس جگہ پہنچو گے تب حقیقت کھلے گی اور معلوم ہوگا کہ یہ سارا دھندا ایک مخفی طاقت سے ہوتا ہے اس طاقت وقدرت والے کو بتانے کے لئے نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ اس مخفی طاقت کا نام اللہ ہے اس کے حکم سے یہ سارا جہاں چل رہا ہے۔ عقل کی پرواز وہاں تک نہیں ہے۔ سائنس وعقلیات کا صرف اتنا ہی کام ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو ایک جگہ جمع کر کے صحیح طریقے سے جوڑے باقی ان اشیاء کا پیدا کرنا، عناصر اربعہ کا پیدا کرنا سائنس کا کام نہیں ہے۔ جہاں تک عقل کی

طاقت ختم ہو جاتی ہے اس سے آگے چلو۔ آخر ماننا پڑے گا کہ خدا کی طاقت موجود ہے وہی کارساز ہے۔

میں نے تو یہ آیت پڑھی ہے:

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط (آل عمران:۱۰۹)

یہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اللہ ہی کی ملک ہے۔ اس کارخانہ دنیا میں اس کے مالک کا ایک ایسا مستحکم نظام چل رہا ہے جو سوائے اس کے اور کوئی توڑ نہیں سکتا۔ انسان سمجھتا ہے کہ میں ہی سب کچھ کر رہا ہوں۔ یہ سورج بھی ایک مشین ہے، مشین انسان کی بنائی ہوئی گھس جاتی ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مشین ہے مجال ہے جو ایک سیکنڈ کا بھی فرق ہو جائے۔ ابتدائے آفرینش سے اب تک کوئی فرق نہیں آیا اگر انسان بناتا تو اس میں مرمت ہوا کرتی کہ کل آٹھ دن کے لئے سورج مرمت کے لئے جائے گا یہ بھی ایک پردہ ہے کہ سوچوں یہ آفتاب خود نہیں چل رہا ہے بلکہ اس کو کوئی چلا رہا ہے اس محکوم پر تیری نگاہ ٹکی اور اس کے حاکم سے غافل ہو گیا۔

ہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے اس نظام کو توڑ کر رکھ دیا جاتا ہے وہ اس نظام کو ختم کر دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ نظام ان کا خانہ زاد نہیں ہے۔ ان کی خود کچھ حقیقت نہیں ہے، یہ محکوم ہیں۔ کسی اور کے ہاتھ اور طاقت کے زیر فرمان ہیں، چاند کے دو ٹکڑے کئے، سورج چھپ کر واپس گیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو حکم دیا کہ

يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ (الانبیاء:۶۹)

نظام یہ ہے کہ آگ جلایا کرتی ہے، مگر یہ نظام یہاں توڑ دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان پر اور کوئی قادر ہے، پانی نے فرعون کو ڈبو دیا

اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ (نوح:۲۵)

یہ اس کا نظام تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے اسی پانی نے راستہ دے دیا، معلوم ہوا کہ پانی پر ایک حاکم ضرور موجود ہے حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

ہم اندر زمین ترا زینت
کہ تو طفلی وخانہ رنگین است

یہ سارا کارخانہ اور کاروبار چل رہے ہیں تو کون چلا رہا ہے اس بات کو انبیاء بتلاتے ہیں آج کل کے بڑے بڑے عقلمند اس سے آگے نہیں بڑھتے کہ رنگین قمقموں میں الجھے ہوئے ہیں۔

خلق ہمہ اطفا اند جز مرد خدا۔۔۔۔۔۔۔۔

نبی کریم علیہ السلام کی زندگی کا اصل مشن یہی ہے کہ آپ کو اس جہان کے چلانے والے سے روشناس کرائیں، بے شک دنیا ترقی کر رہی ہے، کرے گی اور ہر دور میں ترقیاں ہوتی رہی ہیں، مادی ترقی کا اس وقت انتہائی عروج ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ہے کہ مادیات ہی میں نہ رہ جاؤ، آگے بڑھو اس مادہ کو کون پیدا کرتا ہے؟ اس میں پانی اور آگ میں رطوبت کون پیدا کرتا ہے؟

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے روح اور جسم، اگر انسان میں روح نہ رہے تو یہ ڈھانچہ ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں، زمین میں گاڑ دینے کے لائق ہے دنیا اس مادہ میں سارا زور لگا رہی ہے جو فانی ہے اور مادہ و جسم کے خالق سے الگ ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر اصل حقیقت کو بتایا ہے کہ یہ برق، بھاپ جو آپ کے سامنے ہے یہ ان کے پیدا کرنے والے کے پیدا کرنے سے وجود میں آیا ہے۔

رہا کھانا، پینا، سونا، جاگنا یہ تو جانور بھی کرتے ہیں، مادی جتنی بھی ترقی کریں گے اتنے ہی ہوشیار جانور ہو جائیں گے۔

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست
آدمیت جز رضائے دوست نیست

روٹی کپڑا جائے رہائش یہی مقصد زندگی ہے تو گائے، بھینس، بیل ہم سے زیادہ ادھر مائل ہیں۔ مادہ اور مادی ترقیات جس کا حاصل اس جسم کو آرام دینا ہے، اس کا خلاصہ بدن کو آرام دینا، بدنی خواہشات پورا کرنا کہ وہ بآسانی پوری ہو سکیں یہ تو ایک جانور بکری، گھوڑا بھی کرتا اور چاہتا ہے۔

انسان کیا ہے اس کو نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے، انہوں نے واقعی ایسا تحفہ دیا ہے جو کسی نے نہیں دیا، آج کی ترقی انسانی ترقی نہیں حیوانی ترقی ہے انسان کی ترقی یہ ہے کہ اس مادے کو پیدا کرنے اس کو چلانے والے کو پہچانے، جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے انہوں نے انسانیت جتلائی دنیا کو دعوت دی، انسان کو واقعی انسان بنایا۔

مادیت کی بہت بڑی دوڑ یہ ہے کہ چاند میں چلا جائے لیکن اس سے اپنا انجام تو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ میرا آخر انجام کیا ہے؟ میں یہاں کیوں آیا؟ کہاں سے آیا اور کہاں جانا ہے؟ کھانا پینا ہی مقصد ہے یہ تو جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ آپ کو کارخانوں پر ناز ہے مگر ان جانوروں میں سے ایسے جانور بھی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے سو سو روپے کی کھال دے رکھی ہے اس سے تم ٹوپی بناتے اور سر پر اوڑھتے ہو۔ جانوروں کو مفت دے دی اور تم مشکل سے ملتی ہے، اگر آپ کی زندگی کا مقصد کھانا پینا ہی ہے تو جنگل میں جائے آپ سے ان مقاصد میں جانور اچھے ہیں، کیوں کہ ان جانوروں کے مکان دیکھ کر آپ مکان بناتے ہیں ان کی ساخت دیکھ کر آپ ایجادات کرتے ہیں۔

شہد کی مکھی چھتہ بناتی ہے اس کو پیمائش کر کے دیکھا مسدس و مخمس خانے کیسے

ہموار اور یکساں ہوتے ہیں، بڑے بڑے انجینئروں کی تعمیر میں فرق آجاتا ہے مگر مکھی کے مخمس کتنے صحیح ہوتے ہیں، سو اٹھنا، بیٹھنا، مکان بنانا یہ تو حیوانات کا کام ہے یہ انسان کی نہیں جانوروں کی ترقی ہوگی، مادی تعلیم حیوانی تعلیم ہے اصل تعلیم تو وہی ہے جسے رسول کریم ﷺ لے کر آئے۔

تو انسان ہے، ہاتھی، بیل، بکری نہیں ہے اور ان کی ہیئت شکل وصورت تجھ سے بالکل مختلف ہے تو مخدوم کائنات ہے تو ان سے اوپر دوسری ہستی خالق کائنات کا خادم ہے اسی نکتہ کو تمام کلام پاک میں بیان کیا ہے۔

یہ دنیا کے عام رفامروں کا طریقہ نہیں ہے جو معمولی جزئی بہبودی کو سامنے رکھ کر کام کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ وہ طریقہ لے کر آئے کہ اس کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ آج دنیا بے چین ہے جرائم بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ روکنا چاہتے ہیں دنیوی قوانین ٹوٹ جاتے ہیں اور جرائم باہر نکل جاتے ہیں جتنی قانون سازی ترقی پر ہے اتنی ہی جرائم کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ قانون دراصل قانون ہی نہیں ہیں۔ ان جرائم کے انسداد کا صرف ایک ہی قانون ہے جسے اسلام کہتے ہیں ورنہ غیر اسلام کا حال سامنے ہے (مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی) رسول کریم ﷺ یہ لے کر آئے کہ خدا کو پہچانو اس کی مانو اس کو مان کر اس کے بھیجے ہوئے احکام سے فائدہ اٹھاؤ۔

یہ نہ سمجھو کہ یورپ دھریہ پن اختیار کر کے ترقی کر رہا ہے وہ ترقی کیا ترقی ہے کہ دل کو چین نصیب نہ۔ ترقی کا ماحول تو یہ ہے کہ دل کو سکون واطمینان ملے اور وہی نہ ملا تو یہ کیا ترقی ہوئی۔ زحمت ومشقت ہے اور کچھ نہیں دیکھ لو کسی مَلِک کو چین نہیں خروشیف ہو یا کنیڈی ہو۔ راحت چین اگر ہے تو وہ صرف اسلام میں ہے۔ چاہے چاند چھوڑ کر آسمان میں چلے جائیں راحت وسکون حضور اکرم ﷺ کی تابعداری میں

ملے گا۔ تمام حوادثات دھر کے نظام کے لئے رسول کریم ﷺ کا پیغام کافی ہے، ان ترقیوں میں کبھی بھی چین وسکون نہیں ملے گا۔ دیکھ لو جب بھی رسول اکرم ﷺ کے اصولوں کو لوگوں نے اپنایا ہے سکون وراحت میں رہے جب چھوڑا سکون سے محروم کر دیا گیا۔ انسان ہی نہیں درندوں اور مویشیوں کو اطمینان ملا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بھیڑ اور بکریاں ایک جگہ بیٹھی رہتی تھیں اور ایک دوسرے سے بالکل مطمئن تھے چین اسی کا نام ہے کہ ایک دوسرے سے کسی کو ایذا نہ پہنچے یہ تعلیم نبوی میں ہے۔

اہل اسلام کی نگاہ میں مادیات کی قدر نہیں اخلاقیات کی قدر ہے، دیکھو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کے پاس مال غنیمت آیا، سونا چاندی، جواہرات کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ مسجد نبوی کا صحن پورا بھرا ہوا تھا وہیں بیٹھے بیٹھے سارا کا سارا تقسیم کر دیا۔ اگر جمع کرتے تو سونے کی دیوار کھڑی کر لیتے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں سمجھی۔ اس لئے تقریر کی اور کہا کہ اے لوگو! یہ اللہ کا مال ہے اس کا وہی مالک ہے حسب ضرورت تم لے جاؤ، نقد ہے، آج کل کی طرح وعدہ کر کے چیک نہیں دیا گیا۔

آج کی دنیا جو ہیرے جواہرات میں کھیلتی ہے اس ملک میں جا کر دیکھو وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ضرورتمندو! جتنی ضرورت ہے لے جاؤ۔ ہر ملک والوں کا یہ حال ہوگا کہ کٹ مریں گے۔ یہ مہذب دنیا قتل ہو جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اعلان کرتے ہیں اور لوگوں میں سناٹا ہے، غرباء اور حاجت مند بھی ہیں مگر لینے کے لئے کوئی آگے نہیں بڑھتا دوبارہ اعلان کیا، تیسری بار اعلان کیا اور ایک نوجوان کہتا ہے اے عمر! آپ نے کہہ دیا کہ لے لو تمہارا حق ہے، تو کیا ہم سب کے سامنے بے غیرت بن کر اٹھانے آجائیں۔ آپ امین ہیں، آپ کا کام ہے کہ آپ خود پہنچائیں آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری کیا حاجات ہیں، آپ امیر

المؤمنین ہیں، آج کا بادشاہ ہوتا تو ایسے شخص کو حکم عدولی کے الزام میں پھانسی دے دیتا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساری رعیت کا جائزہ لیا اور حاجت مندوں کے گھر پہنچایا آخر یہ تہذیب کہاں سے آئی۔ آپ سمجھے پورے مجمع اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس تعلیم نبوی کا اثر ہے۔

بے شک مادے کی جتنی ضرورت ہے اسے ضرورت کے مطابق کام میں لاؤ کون روکتا ہے؟ میں اس سے غافل نہیں کرتا، مدافعت کرنا ضروری ہے، اتنا کام کرو۔

مسٹر گاندھی نے لکھا تھا کہ کانگریس کو چاہئے کہ ابو بکر وعمر کی سی حکومت کرے ایک ہندو ہو کر کہا کہ اس سے بہتر حکومت نہیں ہوسکتی۔ نہ ان کے پاس بم تھے نہ اتنی آبادی تھی۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ فلاح ونیکی کی طرف آؤ۔ اخلاق حاصل کرو۔ آخرت کی پکڑ اور آخرت کی جوابدہی سے ڈرو۔

انسان تو درندے بن گئے۔ تم قانون بناؤ مگر چلانے والے درندے ہوں تو وہ قانون کیسے چل سکتا ہے۔ جب دل میں خوف خدا نہ ہوگا قانون کیا کرے گا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر زور دیا کہ انسان انسان بنے جب یہ انسان بن جائے گا امن وچین خود آجائے گا انسان ہوتا وہی ہے جو دوسرے کو ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہ پہنچائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جن کو حجۃ الاسلام کہنا صحیح ہے ان کے پاس اسلام کی حقانیت کے دلائل ہیں اگر اسلام میں کوئی کسر ہوتی تو غزالی ورازی اسلام نہ لاتے۔

اے عزیزو! انسان ہونا تو بڑی چیز ہے جانوروں کو دیکھو وہ نفع ہی پہنچاتے ہیں، گھوڑا سواری دیتا ہے۔ گائے بکری دودھ دیتی ہے۔ بیل ہل چلاتا ہے اونٹ بوجھ اٹھاتا ہے۔ ان کا گوشت کھانے میں ان کی کھال، ہڈی، اون سب سے نفع اٹھاتے ہیں۔ زندہ ہوں تب نافع مردہ ہوجائے تب بھی فائدہ مند۔

دوسری قسم کے ایسے جانور ہیں جو انسان کو نقصان پہنچاتے ہیں جیسے سانپ بچھو، درندے۔ لیکن ان سے پھر بھی نفع ہے ان کے اجزاء بھی انسان کے کام آتے ہیں تیسری قسم کے وہ جانور ہیں نہ اس سے نفع ہے نہ ضرر جیسے حشرات الارض۔ ان کے تو نام بھی معلوم نہیں۔ کیچوے، کیڑے مکوڑے نہ ان سے نفع ہے نہ نقصان ہے مگر انسان کے کسی حیثیت سے کام ضرور آتے ہیں۔

ان جانوروں کو انسان نفع مند بناتا ہے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے مگر خود انسان جانور، درندہ بننے کی فکر میں ہے۔ اب ساری فکر یہی سوار ہے کہ روٹی، کپڑا، مکان ملے۔ کمیونزم کا خلاصہ یہی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں یہ تو ایک جانور کا کام ہے۔

انسان وہ تھے کہ ان کو کہا جاتا ہے کہ سونا لے لو مگر نہیں لیتے۔ اور اب اس سونے کا ہونا معلوم ہو جائے تو چوری کریں گے یا ڈاکہ ڈالیں گے۔ قتل کر دیں گے یہ تعلیمات ہی اثر ہے۔ اگر وہی اسلام کا قانون آ جائے تو انسان انسان بن جائیں پھر قوانین کے بغیر چین آ جائے۔

آپ کی اس تعلیم میں جسے مادی تعلیم کہا جائے جب تک رائج رہے گی انسان کو آرام و چین نہیں ملے گا۔ مادہ ہی کی طرف نگاہ مرکوز ہوگئی ہے پھر کوئی سا افسر تبدیل کر و چین نہیں آئے گا بے چینی بڑھتی چلی جائے گی۔

جو کچھ آپ پڑھ رہے ہیں مبارک ہو، مادیات میں لگو مگر اسے اپنی حد پر رکھو۔ اور اس سے ایک قدم اور آگے بھی بڑھو وہ مختصر یہ ہے ک قرآن کی تلاوت کرو، الفاظ ہی کی کرو، اسے فرض و لازم کرلو، آج کل کی نئی روشنی نے تلاوت قرآن پر بھی ظلم کیا ہے ان کو یہ سمجھا دیا کہ بغیر معنی سمجھے رٹنے سے کیا فائدہ اللہ کی کتاب کو اور کتابوں پر قیاس نہ کرو، حقیقت کو نہیں سمجھتے تو مان ہی لو اس قرآن کے تو الفاظ میں بھی نور ہے اور معنی تک تو الفاظ ہی کے ذریعہ پہنچتے ہیں، آخر ان ہی الفاظ نے کیسا انقلاب عظیم پیدا

کیا کتنی فتوحات ہوئی ہیں۔ آپ تلاوت کر کے دیکھیں آپ کے دل میں ایک نور پیدا ہوگا۔ سکون ہوگا۔

یہ نبی کریم ﷺ کا لایا ہوا تحفہ ہے اتنا بھی غنیمت ہے کہ اسے جلسوں میں پڑھ لیتے ہیں۔ اس تعلیم کا اثر یہ ہے کہ فجر کی نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں پھر تلاوت قرآن مجید کرتے ہیں، اس نئی تعلیم کا اثر یہ ہے کہ نو بجے سو کر اٹھتے ہیں پھر ڈان اخبار پڑھتے ہیں۔ اگر اتنا کام کر لیا کہ قرآن مجید کی تلاوت آپ کر لیا کریں تو یہ جلسہ کامیاب ہوگا۔ اب دعا کرتا ہوں۔

مجلس مبارک ۱۳۸۲ھ

یکم رمضان المبارک

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو فزارہ کے ایک بدو عرب نے حضور اکرم ﷺ کو ہدیہ میں ایک ناقہ دی۔ آپ نے قبول فرمالی مگر آپ کی عادت مبارک تھی کہ ہدیہ کی مکافات فرمایا کرتے تھے اور یہ سنت ہے کہ ہدیہ دینے والے کو کچھ نہ کچھ دیدیا جائے۔ ناپ تول کر پورا پورا نہ دیں۔ کم و بیش ہوسکتا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس بدوی کو کوئی ہدیہ دیا تو وہ ناراض ہو گیا اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہدیہ کے لینے دینے میں برابری نہیں ہوتی ہاں توجہ اور خیال اس مودت کا حق ہے۔ اس کی ناراضگی دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ آئندہ قبیلہء انصار، دوس اور ثقیف ان چار قبیلوں سے ہدیہ قبول کیا کروں گا، یہ چاروں قبائل شرفاء شمار ہوتے تھے اور مکافات میں تھوڑے ہدیہ کو خوشی سے قبول کرتے تھے، ناراض نہ ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی تخصیص کی۔ بہر حال مُہدیٰ الیہ انتظار نہ کرے کہ جب اتنے ہدیہ کا انتظام ہوگا تب دوں گا۔ جو خوشی سے دینا چاہے دیدے اور مُہدی مکافات میں آنے کا انتظار نہ کرے۔ آئے تو انکار نہ کرے۔ کیوں کہ بطیبِ خاطر کوئی دے تو ہدیہ قبول

کرنا سنت ہے حدیث میں ہے (تَهَادَوْا تَحَابُّوْا) گویا ہدیہ دینا اور ہدیہ قبول کرنا دونوں باعث ثواب ہیں، جب قبول کرنا ثواب ہے تو انکار کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ لے لینا کم ازکم باعث برکت تو ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ آئندہ کے لئے آنحضرت ﷺ نے چار قبائل کے علاوہ ہدیہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت غیر مقصودہ میں غلطی اور فساد شامل ہوجائے تو اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ ترک کرنے میں کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اس لئے ولیمہ کی دعوت قبول کرنا سنت ہے لیکن اگر وہاں منکرات ہوں، شرع کے خلاف کام ہوں تو اس دعوتِ ولیمہ کو چھوڑ دینا چاہئے۔ بیشتر ان دعوتوں میں بدعات ومنکرات شامل ہوگئی ہیں اس لئے یہ دعوت ہی قابل ترک ہے۔ اسی طرح محفل میلاد ایک طاعت وکار ثواب ہے آپ کے حالات، عادات بیان کرنا عین اسلام ہے مگر اس میں خرافات ہونے لگیں، گانا بجانا، عورتوں کا اجتماع، موضوع روایات کا پڑھنا، جن کا پڑھنا اور سننا حرام ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹی حدیثیں بیان کرنا اور ان کا سننا دونوں گناہ ہیں اور ناجائز ہیں۔ اس لئے صحابہ وسلف کا طریقہ جہاں تک ہوا ہے وہ یہی کہ حدیث کے الفاظ نقل کرتے تھے، مفہوم اور معنی بیان کرنے کا دستور نہیں تھا اور الفاظ بھی بہت احتیاط کے ساتھ نقل کیا کرتے تھے اور وجہ اس کی یہی وعید ہے۔

اب واعظ پیشہ وروں نے ٹھیکہ لے رکھا ہے کہ موضوع روایات ہی بیان کرتے ہیں جب تک وہ گھڑی ہوئی روایات نہ سنالیں ان کو مزا ہی نہیں آتا۔ کیوں کہ ان کا مقصد تو مجمع کو گرمانا ہوتا ہے۔

یہ آج کل جو شیخ احمد کے نام کا وصیت نامہ چھپ کر تقسیم ہوتا ہے یہ بھی ان ہی

موضوعات میں داخل ہے۔اس سے ڈرنا نہ چاہئے، بچہ مرے گا، نقصان ہوجائے گا، یہ سب لغو بات ہے، اور نیک کام تو کرنے ہی چاہئیں۔ بھلا جو بات آپ نے یقظہ میں فرمائی ہے اس کے خلاف خواب میں کیسے فرما سکتے ہیں؟

اس قسم کی جہالت کی باتوں سے گرمادینا ہی مقصود ہے اور جاہل تو جہالت ہی کی باتوں سے راضی ہوتے ہیں، میلاد میں بھی ناجائز باتیں شامل ہوگئیں اس لئے اسے روک دیا گیا ہے اور کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھنا ناجائز نہیں ہے مگر اس کو فرض قرار دینا جب کھڑے ہوکر پڑھنے کو اللہ نے واجب نہیں کیا تم کون ہو کہ اسے واجب سمجھو اور اس پابندی سے کرنے کا حکم نہیں آیا یہ پابندی کرنا گناہ ہے۔ پھر اس سے صرف نام ونمود اور رونق کرنا مقصود رہ گیا ہے اس لئے قابل ترک ہوگیا۔

نبی کریم ﷺ نے ہدیہ قبول کرنے کو روک دیا اس سے ایک شرعی قاعدہ ثابت ہوا کہ جو کام فرض، واجب، سنت موکدہ نہیں ہے، مستحب ہے اس میں مفاسد شامل ہوجائیں تو وہ کام ہی قابل ترک ہے ہاں فرض و واجب میں مفاسد شامل ہوجائیں تو فرض و واجب کو باقی رکھ کر ان مفاسد کی اصلاح کی جائیگی، مثلاً اذان کے اندر درود وسلام شامل کرلیا تو اذان ترک نہ کریں گے، بلکہ اصلاح کریں گے کہ درود وسلام تمہارے اختیار میں نہیں ہے جہاں تمہارا جی چاہے وہاں لگادیا۔ ہمیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی ہے۔ اور لوگوں سے ان ہی کی اتباع کرانی ہے۔ اسی طرح نکاح مقصود شرعی ہے اس میں رسوم ملالی جائیں گی تو نکاح کو ترک نہ کریں گے بلکہ رسوم کی اصلاح کریں گے۔ سو سنت مقصودہ کو ترک نہ کریں گے۔ اب ہدیہ قبول کرنا سنت مقصودہ میں سے نہیں ہے، عمر بھر نہ لو تو کیا حرج ہے۔ اس میں مفاسد ہوں گے ترک کردیں گے۔

حدیث

پچھلے انبیاء علیہم السلام کے جو کلمات منقول ہیں وہ کچھ باقی رہ گئے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے زمانے تک آئے اور آپ کی زبان مبارک سے منقول ہوئے ان سے ایک بات یہ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نبوت کے کلمات میں سے تھوڑے سے باقی رہ گئے ہیں ان میں سے ایک کلمہ ہے (اِذَا مَا اسْتَحْيَيْتَ فَاصْنَعْ بِمَا شِئْتَ) جب تجھے حیا نہ رہی تو جو تیرا جی چاہے کر۔ اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں کہ اجازت دی جارہی ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حیا کرو یہی برائیوں سے روکتی ہے جب حیا ہی نہ رہی تو اچھا برا ہی دل سے نکل جاتا ہے اس لئے حیا کو روک رکھنے کا حکم دے رہے ہیں۔

حدیث

(اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً وَفِيْ رِوَايَةٍ سِتُّوْنَ)

شعبہ شاخ کو کہتے ہیں ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں اور یہ کسی ایک حدیث میں اکھٹی نہیں ملیں گی مختلف روایات میں متفرق بیان ہوئی ہیں اس لئے بعض حضرات محدثین نے جہاں اس شعبۂ ایمان کا ذکر آیا ہے ان احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے صحابہ وتابعین وسلف کو یہ باتیں سب زبانی یاد تھیں اب حالت یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی خالص اصطلاحیں بھی یاد نہیں رہیں یہ سب ان جلسوں جلوسوں کی برکت ہے، ان احادیث کو بیہقی نے جمع کیا ہے۔

عربی کے نام ضرور لینا چاہئیں پر ان کا مطلب سمجھا دیں۔ اس زبان دانی کی رٹ نے عربی کا ستیا ناس مارا ہے۔ شکل تو مسلم وغیر مسلم سب کی یکساں ہو ہی گئی اس عربی محاورے ہی سے مسلمان ہونا سمجھ لیتے اب نام بھی لیں گے تو یہ ایم اے ہیں۔ بی

اے ۔ بی ۔ ایس ۔ سی ہیں ۔ عربی کے نام سے تو ایک نور پیدا ہوتا ہے ۔ جتنا اس سے دور ہوگا اتنی ہی نحوست ہوگی ۔

(اَفْضَلُهَا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)

اس کلمہ کے اصل مفہوم کا اعتقاد کرنا اصل ایمان ہے اس کا کثرت سے ذکر کرنا یہ ایمان کا شعبہ ہے حدیث میں ہے

(اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)

افضل الذکر گویا لا الہ الا اللہ ہے مگر دوسرا کلمہ محمد رسول اللہ بھی کبھی کبھی اس کے ساتھ ملاتا رہے ۔ لیکن اول بھی یہی کلمہ ہو آخر بھی یہ ہی ہو اور بچے کو بھی پہلے یہی کلمہ سکھلاؤ ۔ پھر آخر میں بوقت مرگ اسی کی تلقین کرو ۔ حدیث میں ہے

(مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ)

اس لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سوتے وقت آخر میں یہی کلمہ پڑھ کر سوئے اور جب بیدار ہو تو یہی کلمہ پڑھے اور جاگنے کی دعاء بھی پڑھ لے ان کو جمع کر لینا درست ہے ۔ آخری کلمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ کو پڑھ کر سونے والا خاموش پڑا رہے اگر بھول جائے پھر پڑھ لے ۔ مرنا تو اختیار میں نہیں ہے اس لئے پڑھ لینے کے بعد خواہ زندہ رہا مگر آخری کلمہ یہی منہ سے بات نکلی ہو ۔

ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا وقت آخر ہوا تو شاگردوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اسی حدیث کی سند پڑھی پھر کہا :

(قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)

بس اتنا کہتے ہی موت آ گئی باقی حدیث شاید فرشتوں نے پڑھی ہوگی مگر ان کا خاتمہ لا الہ الا اللہ پر ہوا ۔

حدیث شریف میں ہے

جَدِّدُوْا دِیْنَکُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

(اَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ)۔

اذیٰ وہ ناگوار بات جس سے تکلیف ہوجائے۔ ٹھوکر لگ جائے، کانٹا چبھ جائے، کانچ، ٹین، آگ، روڑا، پتھر ایسی چیزوں کو راستے سے ہٹادو یہ ایمان کا ادنیٰ شعبہ ہے اور (اَلْحیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ) یہ درمیانی شعبہ ہے، جس میں حیاء نہیں اس میں ایمان نہیں اگر حیاء ہوتی ایمان ہوتا، حیاء علامتِ ایمان ہے۔ اس حدیث میں تین شعبے بیان کئے ہیں مگر امام بیہقی نے مستقل ایک کتاب شعب الایمان لکھی ہے۔ ان کے علاوہ اور محدثین نے بھی ایسی کتابیں لکھی ہیں، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فروع الایمان کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اگر کسی کتاب کا مطالعہ کرنا ہو تو کسی عالم دیندار سے مشورہ کر کے مطالعہ کرنا چاہیے۔ جاہلوں کی کتابوں سے بچنا چاہیے۔

حیاء کی چھ قسمیں

ایک حیا یہ ہے کہ گناہ کرتے ہوئے شرمائے۔ حیاء کا مقتضیٰ یہی ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام سے جب ایسی بات ہوئی تو اللہ تعالیٰ سے حیاء کی وجہ سے چھپتے پھرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم سے کہاں بھاگو گے عرض کیا بھاگتا نہیں ہوں حیا کرتا ہوں۔ فرار نہیں حیاء منک۔

دوسری حیاء تقصیری ہے، کام جس طرح کرنا تھا اس طرح وہ نہیں ہوا اس پر بھی حیاء آنی چاہیے، ایک شخص نے ملنے کا وقت لیا، وقت مقررہ پر میں آبیٹھا، مگر وہ نہیں

آئے، چار بجے کا وقت دیا تھا انتظار میں پانچ بج گئے، آخر انتظار کر کے چلا گیا، پھر دوسرے دن وہ تشریف لائے اور باتیں کرنے لگے۔ معذرت بھی نہیں کی، کہنے لگے دیسی ٹائم ایسا ہی ہوتا ہے۔ منتظر نے کہا ان کو حیا نہیں ہے لہٰذا اس دروازے سے سیدھے نکل جاؤ، تمہارے اندر حیاء نہیں، تم انسان نہیں ہو، آدمی کسی کام کا وعدہ کرے تو اس کا ایفا کرے ورنہ اپنی شرمندگی کا اظہار کرے ورنہ تو ایمان و انسانیت کا تقاضہ موجود نہیں۔

تیسری حیاء کرم ہوتی ہے یعنی آدمی شرافت کی وجہ سے شرماتا ہے نہ اس کا کوئی گناہ ہے نہ کوتاہی ہے۔ فقط کرامت نفس کی وجہ سے حیا آتی ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا تو ولیمہ کا کھانا کھانے کے بعد چند لوگوں نے لمبا کلام کرنا شروع کر دیا اور وہیں جم کر بیٹھ گئے آیت حجاب ابھی تک نازل نہ ہوئی تھی ورنہ آپ فرما دیتے کہ اب دیر ہوگئی ہے جاؤ مگر حیا کی وجہ سے آپ نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ کسی سے میل ملاقات کرنی ہو تو فراغت کے بعد دریافت کرلو اور چلے جاؤ دوسرے کو گرانی سے بچاؤ۔ اس کو گرانی ہوتی ہے مگر شرافت نفس کی حیا مانع ہے۔

حضرت میاں جی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھ کر لگا رکھا تھا ''زیادہ دیر بیٹھ کر اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع نہ کیجئے'' اگر کوئی کام نہ ہو بیٹھنا ہی ہو تو مسجد میں تسبیح لیکر بیٹھ جاؤ جب وہ حضرات بیٹھے ہی رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیا سے فرما نہ سکے تو آسمان سے آیت اتری

فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا (الاحزاب: ۵۳)

یعنی دعوت کھانے کے بعد دھوتی دبا کر نہ بیٹھو۔

آج کل ایک دعوت چلی ہے ایک گھنٹہ پہلے جاؤ پھر دو گھنٹہ دعوت میں لگاؤ ایک دعوت میں تین چار گھنٹے سے کم خرچ نہیں ہوتے، گپ شپ لگی رہتی ہے یہ انسانوں کا

کام ہے۔

چوتھی حیاء وہ ہے جو ایسی چیزوں کے کہنے سننے سے جو میاں بیوی کے تعلقات میں ہوتی ہے اظہار کرنے سے شرم آتی ہے جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ ان کو مذی کثرت سے آتی تھی۔ زوجہ سے ملاعبت کرتے وقت مذی آتی ہے۔ اس کا قانون معلوم نہیں تھا کہ اس کے نکلنے کے بعد غسل کرنا ہے یا وضو کافی ہے اور سوال کرنا تھا آنحضرت ﷺ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ داماد تھے، خود یہ مسئلہ پوچھنے میں حیاء آتی تھی اس لئے دوسرے صحابی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے انہوں نے کہا کہ تم پوچھ آؤ، چنانچہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں موجود رہے آپ نے فرمایا کہ مذی مثل پیشاب کے ہے وضو ہے اس کے بعد غسل واجب نہیں ہوتا ہاں کپڑا ناپاک ہوجاتا ہے سو بدن اور کپڑا دھو ڈالیں اس کو حیا شرعی کہتے ہیں یہ بھی محمود ہے بعض لوگ حق کے اظہار کو عام نہیں کرتے، غلط ہے۔

پانچویں حیا اجلالی ہوتی ہے کسی کو بڑا سمجھ کر اس سے حیا آتی ہے جیسے حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ کے حکم کے انتظار میں پر سمیٹے جھکے کھڑے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کے جلال کا غلبہ ہے۔

چھٹی حیاء استحقار ہوتی ہے کسی چیز کو حقیر سمجھ کر اس کے مانگنے سے حیا کرنا مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ مجھ سے مانگو مگر ایک ماشہ نمک کی حاجت ہے کہتے ہوئے شرم آتی ہے مگر حق تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ آٹے کا نمک اور بکری کا چارا بھی اسی سے ہی مانگو وہ فی نفسہ تو حقیر شی ہے مگر اس کو پیدا کرنے میں بڑی حکمت ہے اس چیز کی حاجت پیدا کرنے میں غایت درجہ کی عظیم حکمت ہے۔

ملفوظات

فرمایا۔ اولاد کی طبعی شرعی ضرورت میں جس قدر ایک پر خرچ ہوگیا اتنا ہر ایک پر خرچ کرنا ضروری نہیں، مگر بیمار رہوا علاج میں خرچ ہوگیا، تعلیم پر خرچ ہوا، اب سب پر برابر خرچ کرنا ضروری نہیں ہے۔ یا جو اولاد آئندہ بالغ ہوگی تو پھر مالداری رہے یا نہ رہے، حالات بدل جائیں اور ہر ایک کی ضروریاتِ زندگی الگ الگ ہوتی ہیں لہٰذا عرفاً و عادۃً جو ضروریات زندگی سمجھی جاتی ہیں ان میں تسویہ ضروری نہیں ہے جس کو جیسی ضرورت پڑے حسب استطاعت پوری کردے۔ جہیز دینا سنت ہے مگر اب آمدنی گھٹ گئی، پہلے کی شادی پر آمدنی زیادہ تھی اسے زیادہ دے دیا اب آئندہ اہتمام کرنا کہ اتنا ہی دیا جائے ضروری نہیں۔ عرفی ضروریات میں بھی توسع ہے البتہ ہبہ کرے تو برابر کرے۔

تمت بالخیر

اولاد کے حقوق

حضرت مفتیٔ اعظم کی درج ذیل تقریر جسے حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ضبط فرمایا، ماہنامہ البلاغ (ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ) میں درج ذیل نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ افادۂ عام کیلئے اس مجموعہ میں بھی پیش خدمت ہے۔ مرتب

''یہ تقریر حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے ۲۵رشعبان ۱۳۸۱ھ کو دارالعلوم نانک واڑہ میں بچوں کے ختم قرآن کی تقریب پر ارشاد فرمائی۔ جناب مولانا عبدالحکیم صاحب نے اس کو ضبط فرمالیا تھا۔ انہی کے شکریہ کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش ہے''۔

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ہر آدمی اپنی اولاد کی بہبودی کے لئے ان کو آرام پہنچانے کی فکر اور تدبیر کرتا ہے تاکہ آئندہ ان کی زندگی اچھی گذرے لیکن اکثر وبیشتر والدین کا انہماک ان کو دنیوی اسباب میں لگا دینا ہوتا ہے کہ ان کے لئے مکان وجائیداد بنایا جائے، ان کے لئے

مال جمع کرلیا جائے، دنیوی تعلیم دلادے، حالانکہ ان کو عمدہ اخلاق وآداب سکھلانا اشد ضروری ہے، اس لئے کہ یہ دنیوی ساز وسامان ان کے لئے اکٹھا کردینے سے یہ سمجھ لینا کہ ان کا مستقبل اب سدھر گیا ہے اور تمام توجہ اسی طرف مبذول کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اموال ودنیوی سامان بھروسہ کی چیز ہی نہیں ہے، آج ہے کل کو ختم ہوجانے کا اندیشۂ قوی برابر رہتا ہے۔ روزمرہ کے یہ واقعات آپ کے سامنے ہیں۔

جب میں ڈھاکہ گیا تو وہاں ایک بازار ہے اس کا نام ہے بیگم بازار۔ وہاں کے لوگوں سے اس بیگم بازار کی وجہ تسمیہ معلوم ہوئی اور وہ یہ ہے کہ یہاں ایک بڑے مالدار شخص تھے ان کی صرف ایک لڑکی تھی اس کا نام بیگم تھا۔ اس اپنی لڑکی کو آرام پہنچانے کے لئے تاکہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور آئندہ زندگی راحت سے گزرے یہ انتظام کیا کہ اول اس نے اندازہ لگایا کہ اس کی عمر کتنی ہوسکتی ہے، تو سو سال سے زائد بہت کم لوگ عمر پاتے ہیں، ورنہ سو سال سے پہلے ہی اکثر وبیشتر انتقال ہوجاتا ہے، بایں ہمہ اس کے باپ نے ایک سو بیس سال کی اس کی عمر کا اندازہ لگایا اور روزانہ ایک ہزار روپے کے حساب سے ایک سو بیس سال کی جتنی رقم ہوتی ہے وہ رقم اس بیگم کے نام بینک میں جمع کرادی اور یہ تمام بازار اس بیگم کے نام کردیا۔ غرض باپ نے اپنی لڑکی کو راحت پہنچانے کے لئے بہتر انتظام کیا، لیکن ہوا یہ کہ باپ کے انتقال کے بعد اس لڑکی نے تمام روپیہ اور جائداد کو برباد کردیا اور وہی بیگم اس بیگم بازار میں دکان دکان پر بھیک مانگتی پھرتی تھی۔ اس لڑکی کو یہ عادت ہوگئی تھی کہ قینچی ہاتھ میں لئے پھرتی تھی اور کپڑے کے تھان کو اس قینچی سے کتر ڈالتی تھی۔ اس کترنے کی آواز جو قینچی سے نکلتی تھی بھلی معلوم ہوتی تھی، بازار میں سینکڑوں تھان دن بھر میں کتر ڈالتی تھی اور قیمت ادا کرتی تھی۔ اسکے بعد اپنا زیور اتارا اور نالی کے پانی ڈالنا شروع کیا تو تمام زیور اتار کر ڈالتی رہی، زیور کو

پانی میں ڈالنے کی آواز جو نکلتی تھی وہ بھی اس کو بھلی معلوم ہوتی تھی، اس آواز پر عاشق ہوگئی، یوں تمام روپیہ اور جائیداد کو برباد کردیا حاصل کچھ نہ ہوا۔ یہ انجام ہے ان اموال وجائداد کا کہ باپ نے کیا کچھ نہ کیا لیکن بیٹی کے کچھ کام نہ آیا! اگر اس کو کوئی اخلاق وآداب سکھلا جاتا تو کیا اچھا ہوتا۔

معلوم ہوا کہ باپ اپنی اولاد کو سب سے اچھی چیز جو دے کر جاتا ہے وہ اخلاق وآداب کی تعلیم ہے جو دنیا میں بھی اس کے آسائش کا سبب ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کو فائدہ ہوگا۔

یہ تمام اخلاق وآداب قرآن کریم میں موجود ہیں۔ کان خلقه القرآن

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ (القلم:۴)

ہر شخص پر اپنی اولاد کے تین حقوق ہیں، ایک قرآن شریف پڑھانا، دوسرے اخلاق حسنہ سکھانا، تیسرے علم پڑھانا۔

قرآن کریم میں باری تعالیٰ عزاسمہ فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۝ (الجمعۃ:۲)

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ سے قرآن شریف پڑھانا، وَيُزَكِّيْهِمْ تزکیہ نفس اور اخلاق کی تعلیم وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ سے علم پڑھانا۔

تلاوت، قرآن شریف کے الفاظ پڑھنے کو کہتے ہیں معنی کا سمجھنا اس میں داخل نہیں، بغیر معنی سمجھے ہوئے جو اس کے صحیح الفاظ ادا کرلیتا ہے تلاوت ادا ہوجاتی ہے۔ تلا یتلو تلواً کے معنی پیچھے چلنے کے آتے ہیں، ہر لفظ کے بعد دوسرے تیسرے لفظ کو ادا کرنا یہی تلاوت ہے۔ معنی اس کے بعد کا درجہ ہے۔

فاذا قرءناه فاتبع قرآنه ثم إن علينا بيانه۔

یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آج کل یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ بچوں کو طوطا مینا کی طرح الفاظ رٹانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ ان کا اعتراض غلط ہے۔ معانی الفاظ کے تابع ہیں۔ الفاظ کا درجہ اول ہے معانی کا ثانوی ہے۔ تصحیح الفاظ کے بعد ہی صحیح معنی معلوم ہو سکتے ہیں۔ معانی کے باقی رکھنے کے لئے الفاظ کو باقی رکھنا ان کی حفاظت از حد ضروری ہے۔ الفاظ زینہ کی پہلی سیڑھی کی طرح ہے، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مکان پر پہنچنا چاہتا ہوں لیکن ابتدائی سیڑھیوں پر قدم نہیں رکھوں گا تو وہ اوپر کیسے پہنچ سکتا ہے، چڑھنے کے جس طرح اوپر والی سیڑھی ضروری ہے اسی طرح اول سیڑھی بھی ضروری ہے۔

چونکہ باری تعالیٰ عز اسمہ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر:۹)

اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے مکاتب ہر شہر اور ہر گاؤں میں پائے جاتے ہیں۔ معانی اور الفاظ دونوں کی حفاظت کی جارہی ہے۔

اسی لئے یہ شعبہ حفظ و ناظرہ دارالعلوم کی جانب سے قائم کیا ہوا ہے اور ابتدا سے اس میں کام ہوتا رہا ہے لیکن جب سے حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی تشریف لائے ہیں اور وہ معہ اپنے شاگردوں کے کام کر رہے ہیں بحمد للہ بہت ترقی ہوئی ہے۔ اب تقریباً ۴۵۰ طلبہ قرآن مجید ختم کر چکے ہیں اور چالیس کے قریب حفظ کر چکے ہیں۔ اس سال بھی ۱۴ بچوں نے حفظ کلام مجید ختم کیا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ جس طرح جبرئیل علیہ السلام نے رسول کریم ﷺ کو قرآن کریم کے الفاظ پہنچائے ہیں اور جس لب ولہجہ سے حضور اکرم ﷺ پڑھا کرتے تھے، ان کے مخارج وصفات سے ادائیگی کے قواعد قراء حضرات بڑی احتیاط کے ساتھ لکھتے اور پہنچاتے چلے آرہے ہیں، اسی طرح یہاں بھی ان ہی قواعد سے

پڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے اور بحمد للہ بہت کامیابی ہو رہی ہے۔

آج اسی ختم قرآن کی تقریب ہے، دو بچوں نے جنھوں نے قرآن شریف حفظ کیا ہے اُن کے والدین نے یہ انتظام کیا ہے جن میں ایک مشرقی پاکستان کے ہیں۔ آپ کو اسی لئے مدعو کیا گیا ہے۔

اس قسم کی تقریب کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان بچوں کی حوصلہ افزائی ہو اور لوگوں کو شوق بڑھے۔

غرض والد کے ذمہ اولاد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کو قرآن شریف پڑھائے۔ ورنہ والدین کے ذمہ یہ باقی رہ جاتا ہے۔ اور جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن پڑھانے سے بچوں کی عمر ضائع جاتی ہے یہ غلط ہے، میرا یہ تجربہ ہے اور آپ بھی کرکے دیکھ لیں کہ قرآن شریف ختم کرنے کے بعد بچہ اردو بڑی جلدی پڑھتا ہے۔ بغیر قرآن مجید پڑھے ہوئے جو بچہ پرائمری کی تین چار جماعتیں پڑھ لے اور دوسرا بچہ قرآن مجید پڑھ کر ایک سال اردو پڑھ لے تو اس سے زیادہ ہوشیار ہوتا ہے اور حفظ کرکے تو ایک سال میں چار سالہ پرائمری تعلیم کو حاصل کر لیتا ہے، قرآن کریم کے پڑھنے سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے جس سے عقل اور ذہن صاف ہو جاتا ہے۔

قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ (الاسراء:۸۲)

اس کو باری تعالیٰ نے شفاء فرمایا ہے اور اس پر عمل کرنا ہی شفاء نہیں بلکہ اس کو پڑھنا۔ لکھ کر گلے میں ڈالنا۔ پاس رکھنا۔ گھول کر پی لینا بلکہ محض کسی مکان میں رکھ لینا بھی باعث شفاء و برکت ہے، دنیا میں کوئی ایسا نسخہ نہیں کہ محض اس کو دیکھنے یا پاس رکھنے یا صرف پڑھ لینے سے شفاء ہو جاتی ہے۔ یہ صرف قرآن ہی ہے جو ہر طرح سے شفاء ہی شفاء ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص اپنے بچے کو قرآن شریف حفظ کراتا ہے تو والدین کے سر پر قیامت کے روز نور کا ایسا تاج رکھا جائے گا کہ سورج بھی اس کے سامنے ماند ہو جائے۔ (اوکما قال) بظاہر یہ ایک بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے کہ حفظ تو کرے بچہ اور تاج اکرام والدین کے سر پر رکھا جائے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حفظ کرانے میں والدین کو بھی بڑی تکلیف ومشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ پڑھانا بھی ایک عمل ہے۔ جب پڑھانے والوں کا یہ اعزاز ہے تو خود پڑھنے والے کا کیا درجہ ہوگا۔

تقریر حضرت مفتی صاحب مدظلہ

اندرون اجتماع مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ

۲۴ رجنوری ۱۹۵۶ء
بوقت تین بجے شام تا چار بجے شام
ایک گھنٹہ

حضرت مفتی صاحب کی تقریر سے پیشتر تلاوت کلام پاک اور ایک نعت سے مدرسے کے طلباء نے جلسہ کا آغاز کیا اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے تقریر فرمائی۔

الحمد للہ وکفی

عزیزو! وقت مختصر ہے مگر بات بھی لمبی نہیں ہے، اس کو آسان طریقے سے سمجھو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان پر دو طریقے سے فرض عائد کئے ہیں۔ فرض عین فرض کفایہ۔ یہ تقسیم کیوں کی گئی؟ اس پر غور کرنے کی آپ نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ آپ کو کتاب اور اس کے حاشیہ سے فرصت نہیں ہے۔ حق تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں۔ وہ ایک ہی ہے۔ فرائض بھی یکساں کرسکتا تھا۔

فرض عین وہ ہے کہ اس کے بغیر بندگی کا حق ادا نہیں ہوتا۔ لیکن احکام کا ایک حصہ وہ ہے جس سے تمام عالم کی فلاح وصلاح کا تعلق ہے۔ اور ہر فرد کے لئے ضروری نہیں بلکہ مجموعۂ عالم کے لئے ہے اس کو فرض کفایہ کہتے ہیں، جیسے جہاد، نماز جنازہ۔ اول خالص حق اللہ ہے ثانی کا تعلق حقوق العباد یا پورے عالم کے مصالح سے ہے۔ ان حقوق میں سب کا لگ جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس طرف اشارہ ہے کہ سب کا اس میں لگ جانا غیر مناسب ہے، یہی وجہ ہے کہ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (التوبۃ)

نازل ہوئی کیونکہ صحابہ کرام تمام جہاد میں مصروف ہو گئے تو علم دین کے حصول میں کمی ہوگئی، اس لئے حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ سب لوگ جہاد میں نہ لگیں بلکہ تعلیم دین کی طرف بھی توجہ دیں۔ فرائض کفایہ ہیں۔ تقسیم عمل ضروری ہے۔ تاکہ جہاں کے تمام کام چلتے رہیں۔ آج کا تعلیم یافتہ طبقے نے جو تقسیم عمل کر رہا ہے وہ صحیح نہیں اس کا منشاء یہ ہے کہ ایک طبقہ ملازمت کرتا رہے اور دوسرا نماز پڑھاتا رہے، حالانکہ یہ تقسیم فرض کفایہ میں تھی فرض عین میں نہیں تھی۔

اصل یہ ہے کہ جب بہت سارے فرائض کفایہ جمع ہوجائیں تو کونسے فرض کفایہ کو ادا کریں اور کس کو چھوڑیں۔ اس کے معیار دو ہیں۔ ۱۔ بعض اپنے حالات کے لحاظ سے ادا کئے جاتے ہیں۔ ۲۔ ہنگامی اور وقتی لحاظ سے فرض کفایہ کی طرف توجہ کی جائے۔ بعض مرتبہ فرض کفایہ متعین ہو کر فرض عین ہوجاتا ہے،

مثلاً ایک مدرس بخاری کا درس دے رہا ہے اور قریب آگ لگ رہی ہے تو اُس وقت اس مدرس کا سبق پڑھاتے رہنا غلط ہے بلکہ اُسے آگ بجھانے کی طرف توجہ دینا چاہئے۔ اب میں اپنے لحاظ سے فرض کفایہ کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ مواسم العمر میں لکھا ہے ''ہر عمر کا ہر وقت کا ایک مقتضا ہوتا ہے۔ اس سے آنکھ بند کر لینا اپنی عمر اور وقت کو ضائع کرنا ہے، آپ کے ملک میں مثلاً سیلاب آتے رہتے ہیں، اُس موقعہ پر آپ حضرات کا سیلاب زدہ لوگوں کی امداد کرنا درس وتعلیم سے بہتر ہے۔ آپ نے تعلیم جیسے فرض کفایہ کو سمجھ کر منتخب نہیں کیا بلکہ یہ سمجھ کر کیا ہے کہ میرے فلاں رشتہ دار نے مدرسہ اشرف العلوم میں پڑھا ہے، میں بھی چلوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی عمر کے لحاظ سے یہ ہی فریضہ بہتر تھا اور اس عمر میں آپ کا انتخاب صحیح ہے۔ لیکن کسی فرض کفایہ [کو] چھوڑ کر دوسرے کی طرف چلے جانے سے ایک بھی مکمل نہ ہوگا۔ ایک آدمی کی مثال سمجھئے کہ ایک آدمی خادم خلق کے نام سے مشہور تھا، وہ ایک آدمی کو دریا سے پار کرا رہا تھا، دوسرے نے کسی کام کو آواز دی تو اُس نے اُس پہلے آدمی کو دریا میں ہی پھینک کر دوسرے کی طرف واپسی شروع کر دی۔ یہ نہ سوچا کہ یہ پہلا آدمی ڈوب جائے گا۔ عزیزو! اس وقت آپ لوگوں کے لئے تعلیم وتعلم ضروری ہے۔ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام نفلی عبادات سے حصول علم افضل واعلی ہے۔ خلاصۃ الفتاوی میں ایک جزئیہ لکھا ہے کہ اگر ہم صلوۃ التسبیح پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے تو ہمارے اساتذہ اور ماں باپ ہمیں مارتے تھے۔ کیونکہ فرائض عین کے بعد علم دین کے حصول کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ لیکن موجودہ طلباء حصول علم کی طرف پوری توجہ نہیں دیتے۔ بلکہ کبھی پیسے کے

حصول کی خواہش ہے کبھی جلسے جلوس میں شمولیت اور لیڈری کا شوق ہے۔ حالانکہ تمام فرائض کفایہ کے حقوق علیحدہ ہیں۔ جن کی طرف آپ حضرات کو متوجہ ہونا ضروری ہے۔

دیانۃً، شرعاً، عقلاً اور حکمۃً علم دین کی طرف پوری توجہ دینا سب سے بہتر ہے۔ کسی کام میں ادھورا رہنا اپنی عمر کو ضائع کرنا ہے۔ طالب علم بنے ہو تو طالب علمی کے فرائض ادا کرو، تعلیم المتعلم میں ایک بزرگ کا قول ہے

"علم تمہیں اپنا کچھ حصہ جب دے گا [کہ] تم اپنا وقت پورا کا پورا علم کے سپرد کردو"۔

لہٰذا تم پورے علم کے ہی ہوجاؤ۔ اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔ ورنہ علم کو بدنام کرنا ہے۔ جنازہ کی نیت باندھ کر اسے پورا کرنا جیسے ضروری ہے اسی طرح حصول علم دین کے لئے داخل ہوکر اس کو مکمل طور پر ادا کرو۔ رسماً پڑھنے سے نہ پڑھنا بہتر ہے۔ یہ نہیں کہ انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی ہمت نہ تھی لہٰذا یہاں مفت میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے چلے آئے۔

حصول علم کے وقت کوئی ایسا کام کرنا جو اس میں حارج ہو بالکل غلط ہے۔ لیکن یہ میں ضرور کہوں گا کہ ہمارے مدارس سے سیاست کو بالکل فراموش کردینا اور اس کو دین کا جزء نہ سمجھنا انتہائی غلطی و نادانی ہے جس کی مصیبت پوری قوم کو آفت میں مبتلا کردے گی۔ ان اداروں میں رہتے ہوئے تمام ملکی وملّی مسائل معلوم کرنا ضروری ہیں۔ مگر عملاً اس کے کرنے کا وقت حصول تعلیم کے بعد ہے۔ جو مسئلہ ملک میں جاری ہے اس سے واقفیت [رکھنا] بحیثیت طالب علم کے لازم ہے۔ دنیا کے مسائل سے بیگانہ اور بے خبر ہوکر بیٹھنا انتہائی جرم ہے۔ جیسے مسائل

کتاب العتاق تم پڑھتے ہو مگر اب کوئی ضرورت نہیں صرف واقفیت مقصود ہے اسی طرح دیگر مسائل حاضرہ کا سمجھنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے مدارس کے لوگ غفلت میں ہیں۔ میں برابر سب کو یہ کہتا آرہا ہوں کہ مسائل حاضرہ میں دلچسپی لینا ضروری ہے۔

مسائل کو مسائل کے درجہ میں رکھ کر اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ آپ کو سمجھائیں جس کے لئے ہفتہ میں تھوڑا سا وقت دینا بھی کافی ہے ورنہ قوم اور علماء تباہ ہوجائیں گے۔ آج میں بخاری کا درس چھوڑ کر دربدر پھر رہا ہوں۔ سینتیس (۳۷) برس کے بعد میدان میں قدم نکالا ہے۔ دارالعلوم کی چاردیواری میں سر مار کر آج اس قابل ہوں کہ جس مسئلہ پر علماء کے سامنے بات کرتا ہوں اس کے دلائل میرے پاس موجود ہیں۔ صرف تقریر سیکھ لینے سے کام نہیں چلتا۔ لوگوں کی نظروں میں واہ واہ ہوسکتی ہے لیکن وقعت نہیں ہوتی۔ زمانہ طالب علمی کی اپنی حکایت بیان فرماتے ہوئے کہا کہ عدم فرصت اور انہماک فی العلم کا یہ نتیجہ تھا کہ اپنے کپڑوں وغیرہ کا بھی خیال نہ رہتا تھا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کا ایک واقعہ۔ (۱)علم اسی طرح حاصل ہوتا ہے۔ دو بھوکے ایسے ہیں جن کا پیٹ نہیں بھرتا ایک علم کا بھوکا دوسرا دولت کا بھوکا۔ دنیا میں اگر اپنے آپ کو کچھ بنانا ہے کہ طالب علمی کے وقت طالب علمی کرو اور وقت آنے پر قوم کی رہبری کرو۔ البتہ مسائل ملکی سے قطع نظری کرنا غیر مناسب ہے۔

---

(۱) تقریر کے قلمی مسودے میں یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ پر اکتفا فرمایا گیا ہے، اور بندے کو اس کی تعیین نہیں ہوسکی۔ شاکر

اور یہ ہی آپ کے اساتذہ سے میری درخواست ہے کہ آپ حضرات ان طلباء کو ملکی وملّی مسائل سے روشناس کرائیں۔ بس میری یہ ہی نصیحت ہے۔

کملا اندرون ٹاؤن ہال

۱۹۵۶/۱/۳۰ء
ساڑھے تین بجے شام تا ۸ بجے شب

بعد الحمد والصلوۃ

میرے بھائیو دوستو عزیزو! میں آج دوسری مرتبہ اس شہر میں آیا ہوں ایک مرتبہ پہلے حضرت شیخ الاسلام کے ہمراہ جبکہ دستور پاکستان بنانا شروع نہیں ہوا تھا اور میں آج دوسری مرتبہ دستور کی تکمیل کے وقت حاضر ہوا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بنگلہ زبان میں بول نہیں سکتا مگر اس کا ترجمہ سنا دیا جائے گا۔ جو آیت میں نے پڑھی ہے اس میں مسلمانوں کو اپنی زندگی گزارنے کا جس طرح حکم دیا گیا ہے اس کی تفصیل ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

(الانعام: ۱۶۲)

اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو کہ انسان کو [ہر] شعبۂ زندگی کی تمام باتیں سکھلاتا ہے۔ وہ صرف نماز روزہ نہیں بتلاتا۔ جس طرح وہ مسجدوں میں ہے اسی طرح بازاروں، دفتروں، وزارتوں ہر جگہ ہے۔ غرض وہ ایک مکمل نظام حیات ہے۔ قرآن نے اسی لئے فرمایا

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (البقرۃ: ۱۷۷)

اسکا مطلب یہ ہے کہ نیکی اس کا نام ہی نہیں کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ بلکہ تجارت میں جھوٹ بولنے سے بچے، ملازمت میں اپنے فریضہ کو صحیح طور پر ادا کرے۔ وہ مسلمان نہیں [۱] جو نماز پڑھتا ہے مگر بازار میں بیٹھ کر سود کھاتا ہے۔ دفتر میں بیٹھ کر مخلوق خدا کو پریشان کرے۔ مسلمان وہ ہے جو وزارت کی کرسی پر دین کے احکام کی پابندی کرے۔ یہ مختصر تمہید ہے اس کی کہ اسلام آپ سے کیا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اگر نمازیں پڑھنے پر اکتفا کی ہوتی اور صحابہ نے اسی کو دین سمجھا ہوتا تو آج دنیا کے ہر حصہ میں کلمہ گو نہ ہوتے۔ ان کو چل کر مشرق ومغرب میں جانے اور دین کو پھیلانے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پچیس (۲۵) سال کے اندر تمام دنیا میں پھیل چکا تھا۔ اس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب یا سوسائٹی پیش نہیں کرسکتی۔ صحابہ کرام تمام دنیا میں اس لئے پھیل گئے تھے کہ ساری دنیا میں اللہ کے قانون کو انسانوں کی زندگی میں جاری کرسکیں۔ یہ ہی انبیائے کرام کا اسوۂ حسنہ تھا جو دنیا میں لے کر تشریف لائے تھے۔

میرے دوستو عزیزو! اللہ کا شکر ہے کہ یہ خدا کا قانون ایک ہزار سال تک صرف اسلام اور امت محمدیہ میں باضابطہ چلتا رہا۔ گیارھویں صدی میں اس میں اضمحلال پیدا ہونا شروع ہوا۔ یہ یورپ کا فتنہ صرف تین سو سال سے چلا ہے۔

(۱) یعنی ایسا شخص کامل اور باعمل مسلمان نہیں۔ شاکر

نمشتر کہ ہندوستان میں بھی اس کی تاریخ روشن رہی ہے۔ انگریز نے فریب اور دغابازی سے حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ڈنڈے کے زور سے اپنے طریقے اور سلطنت کو چلانا چاہا اس کو معلوم تھا کہ مسلمانوں سے [ٹکراؤ] کے بغیر کام نہ چلے گا۔اس لئے اُس نے اپنی چالبازیوں کے علاوہ مسلمانوں کو تباہ کرنے کی بھی کوشش کی۔اس نے دو ہتھیار استعمال کئے۔

اول تو انگریزی زبان جس کے ذریعہ لوگوں کی ذہنیتیں تبدیل کرنے کی کوشش کی اور یہ جادو چل گیا۔ ہندو اور مسلمان دونوں کو اس ہتھیار سے ذبح کیا۔ یہ دونوں اپنے مذہب سے نفرت کرنے لگے۔ دوسرا ہتھیار عالم اسلام سے مسلم برادری کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کو معلوم تھا کہ ان کی برادری زبان یا نسل وطن پر نہیں ہے بلکہ ایک مذہب پر ہے۔ اس لئے اُس نے علاقائی لسانی وطنی تحریکیں چلانی کی کوشش کی۔ ایک دن تھا کہ ترکوں کو عالم اسلام میں سیادت وقیادت حاصل ہے۔قطب الدین ایبک اور دوسرے بادشاہوں کے تاج خلافت ترکی سے آتا تھا۔ اس لئے عربوں اور ترکوں میں نفرت پیدا کی۔ عربوں میں عرب لیگ اور اس قسم کی جماعتیں قائم کیں نتیجہ میں شریف حسین نے مکہ سے بغاوت کی آواز اٹھائی۔ لونی، لسانی، جغرافیائی، علاقائی مسائل چھیڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جس سے مسلمان اپنا اسلامی سبق بھول بیٹھا۔مگر یہ زیادہ دیر تک چال نہ چل سکی۔مسلمان کو اپنا سبق یاد آیا تو انہوں نے نعرہ لگایا کہ ہماری ثقافت وتمدن علیحدہ ہے۔ہمیں اس کو زندہ کرنا چاہئے۔ اسی سوال پر ہندوستان میں نعرہ لگا اور پاکستان کی تحریک اُٹھی۔ اس تحریک میں بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی، پٹھان کا ہی حصہ نہیں تھا

بلکہ یو پی، سی پی، کاٹھیاواڑی، مدراس نے بھی اس میں آگے بڑھ کر حصہ لیا اور خوب سمجھ کر لیا۔

دام میں یار کے میں دیدہ ودانستہ پھنسا

خوب سمجھیں......

ان کا خیال تھا کہ مسلمان کو ایک خطّہ زمین چاہئے جس میں ہم آزادی سے اپنا تمدن و مذہب جاری کرسکیں۔ اس کے پیش نظر اسلامی قانون کا نفاذ تھا۔ روٹی کپڑے کا سوال نہیں تھا۔ اگر یہ ہی سوال ہوتا تو مسلمانوں کو اتنی عظیم الشان اور تاریخ میں بے نظیر قربانیاں دینے کی ضرورت نہ تھی اور مجموعی اعتبار سے اُن کا زیادہ حصہ اس کے بنانے میں ہے۔ جو لٹُے پٹے اور ان کی بہو، بیٹیوں کی عزتیں تباہ ہوئیں۔ مگر سوء اتفاق سے اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آیا جن کو پاکستان سے کوئی محبت نہ تھی، بلکہ اُن کو اپنے پیٹ سے محبت تھی، نئی نئی کرسیاں عہدے مطلوب تھے، اُن کی سیاستیں کرسیوں تک محدود تھیں۔ پاکستان کی بھلائی منظور نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج نو سال گزرنے پر بھی دستور نہ بن سکا۔

میں تنگیٔ وقت کی وجہ سے تفصیل میں جانا نہیں چاہتا مگر اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ اس اقتدار کی جنگ میں آج پاکستان ہر جگہ بدنام ہوگیا ہے۔ مجھے [مکہ](۱) کا سفر یاد ہے جس میں ہماری تعظیم پاکستانی ہونے کی وجہ ہوتی تھی صرف اس لئے کہ پاکستانیوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ، قرآن کی حکومت قائم

---

(۱) یہاں لفظ پوری طرح صاف نہ ہونے کی وجہ سے اندازہ سے لکھا گیا۔ شاکر

کرنے کے لئے پاکستان بنایا ہے۔ مگر آج ہماری تنگ نظری کا آپس کے اختلافات کی وجہ ہم اتنے بدنام ہوئے ہیں کہ آج ہمیں پاکستانی بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔

اس نو سال کے عرصے میں دستوری مسائل میں جس طرح سازشیں کی گئیں وہ بیان کرنے کی نہ طاقت ہے اور نہ وقت۔ میں اختصار سے بتلانا چاہتا ہوں کہ پہلی دستوری رپورٹ پر ملک کے اطراف سے شور مچایا گیا۔ ذمہ داران حکومت نے اعلان کیا کہ اگر یہ دستور اسلامی نہیں ہے تو تم ہی بتلاؤ کہ اسلامی دستور کیا ہے۔ اس کا جواب دینا آسان نہ تھا۔ جبکہ مسلمانوں میں بہتر (۷۲) تہتر (۷۳) فرقے ہیں اس کے اسباب موجود نہ تھے، مگر اسلام نے اپنا معجزہ دکھلایا اور متفقہ طور پر ۳۳ علماء نے ایک خاکہ مرتب کر کے حکومت کے سامنے رکھ دیا جس میں جمیعۃ علماء اسلام کے چند افراد نے مل کر ایک اجتماع بُلایا جس میں شیعہ سنی، حنفی غیر حنفی، دینی و مذہبی جماعتوں سے ہر مکتبہ خیال کے لوگوں نے تین دن میں بغیر اختلاف کے اسلامی دستور کے بنیادی اصول بتلا دیئے جو اُردو، انگریزی، بنگلہ، عربی ہر زبان میں چھپوا کر دنیا کے لوگوں اور حکومت کے نمائندوں کو بتلا دیا کہ مُلاّ کو بدنام کرنے والے ناکام ہوئے مگر خود اُن کی باہمی لڑائی نے آج تک دستور نہ بننے دیا۔ یہ رسہ کشی ان کی چلتی رہی جن کو کرسی اور دولت اور اپنے پیٹ کی فکر تھی۔ نئ دستور ساز اسمبلی کے سامنے جمیعۃ علماء اسلام پاکستان نے ۳۳ علماء کے متفقہ مطالبے رکھے اور لیڈران پاکستان کے اقوال رکھے۔ اور اس طرح میمورنڈم کی شکل میں ممبران اسمبلی کے سامنے پہنچایا۔ اور اس طرح الحمدللہ ایک حد تک جدید دستور تیار ہو گیا۔ جس میں علماء کے متفقہ مطالبات آ گئے ہیں جس

میں کچھ خامیاں ضرور ہیں مگر وہ غنیمت ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان اور نظام اسلام پارٹی نے دوسری دینی جماعتوں سے مل کر ترجیحات مرتب کی ہیں جو اسمبلی کے سامنے پیش کر دی گئی ہیں۔

عاشوراءمحرم اور رسومات
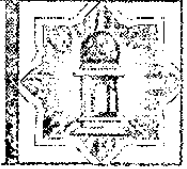
حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کے اس اہم موضوع پر افادات جو ماہنامہ محاسن اسلام (محرم ۱۴۲۲ھ) میں درج ذیل نوٹ کے ساتھ شائع ہوئے پیش خدمت ہیں۔ مرتب

''حضرت مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ کی مرتب کردہ ''مجالس مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ'' سے تلخیص کے ساتھ پیش خدمت ہیں''۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور تاریخ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ ہوئی۔ یہ باپ اور چچا کی لڑائی ہے۔ اولاد کا کام یہ نہیں کہ اس میں اپنا دماغ الجھائے۔ ایک سبق یاد رکھو کہ قرآن نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں فرمادیا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے، وہ اللہ سے راضی ہیں۔ جن سے اللہ راضی ہے تم ان سے ناراض ہونے کا کونسا جواز لاتے ہو۔ تم کو کیا حق ہے ان سے ناراض ہونے کا، ان کے معاملہ میں دخل دے کر اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا اور قلب کو روگ لگانا [ہے]۔ یہ شہادت نامے اور تاریخی کتب سب مخدوش ہیں۔ ان سب میں آمیزش ہے۔ اس سے قلب پریشان ہوگا اور ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ میرے ساتھی، میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں۔ فرمایا

جوان سے بغض رکھے وہ مجھ سے بغض رکھے گا۔ جوان سے محبت رکھے گا مجھ سے محبت کرے گا۔ پس اگر ان تاریخی واقعات میں دیکھ کر ہمارے دل میں اگر کوئی ذرا سا تکدر بھی آگیا تو ہمارا ایمان خطرہ میں پڑ جائیگا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔ اس لئے ان تاریخوں کو پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، یہ تاریخیں مدون ہیں۔ مورخین سے اس میں سازش بھی ہوسکتی ہے۔ اس میں جذبات کا اظہار بھی ہوسکتا ہے۔ کوئی یہ حدیثیں تو نہیں ہیں جوان پر بھروسہ کیا جائے۔

شکر کرو کہ احادیث ابھی تک ملوث نہیں ان تمام لکھنے والوں سے۔ ورنہ آج صحیح دین ہمارے پاس نہ پہنچتا۔ دوسرے یہ کہ کوئی مجبوری ہم پر نہیں کہ ہم فیصلہ کریں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا، یزید اور حسین رضی اللہ عنہ کا، ہم سے قیامت کے دن یہ سوال نہ ہوگا کہ تم ان سے کس کو حق پر سمجھتے ہو۔ آپ کو اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اپنا دین سنبھال کر رکھئے۔ قبر میں یہ سوال آپ سے منکر نکیر نہیں پوچھیں گے، وہاں جو پوچھا جائیگا ان سوالوں کے جواب تم تیار کرلو۔ جن کا دارومدار تمہاری جنت اور دوزخ کے جانے میں ہے۔

ہماراسارا خاندان شہیدوں کا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا تو سارا خاندان شہیدوں کا ہے۔ ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر سارے ہمارے بڑے شہید ہی ہیں۔ اب اگر اس وقت سے آج تک کے ہمارے سارے بزرگوں کے صرف شہیدوں کا ہی ذکر ہو تو ۳۶۵ سے کہیں زیادہ شہید نظر آئیں گے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نماز میں مصلی پر شہید ہوئے لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے گرنے کے بعد فوراً دوسرے صحابی امامت کے فرائض انجام دینے کے لئے آگئے۔ پہلے نماز ہوئی بعد کو خلیفہ کی خبر لی، آپ بے ہوش تھے ساری

تدابیر ہوش میں لانے کی گئیں، ہوش نہ آیا۔ کسی نے کہا کان میں کہو۔ ''الصلوٰۃ الصلوٰۃ'' یہ سن کر فوراً آنکھیں کھل گئیں اور فرمایا کہ بے شک جس نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

ستر تو شہید ہیں غزوۂ احد میں۔ بارہ کے قریب بدر میں۔ پھر حضور ﷺ کے سامنے اور حضور ﷺ کے بعد کتنی جنگیں ہوئیں کتنے شہید ہوئے۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حسن رضی اللہ عنہم، کس کس کا ماتم کرو گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فی گھنٹہ ایک شہید کا بھی پورے سال میں ایک دفعہ ذکر کرو تو شہداء کے نام پورے نہ ہوں گے۔ اسلام کے لئے جن شہداء نے حضور ﷺ پر جانیں دیں کیا ان کا ماتم کرنا باعث گناہ ہوگا؟ یہ تو حضور ﷺ کی امت کو یہ فخر عطا ہوا ہے کہ جو شہید ہوا اس نے درجات حاصل کئے۔ کامیابی ملی۔ خوش ہونے کی چیز ہے۔ جان دی اللہ کی راہ میں اور حیات جاودانی پائی۔ یہ بہادروں کا شیوہ ہے، انہوں نے زندگی کا حق ادا کیا۔ پھر کیسے کیسے قراء، حفاظ، علماء، خلفاء ہر درجہ کے لوگوں کو جام شہادت نصیب ہوا۔ رسول پاک ﷺ نے کیا کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کیا، بس یہ دیکھ لو یہی دین ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچا تھے، جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ابوطالب اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دونوں آپ کے خاص شفیق تھے۔ چونکہ آپ کو ان سے محبت تھی آپ کو جس وقت طرح طرح کی تکالیف دی جاتی تھیں، اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ [کہیں] تیر کمان لے کر جا رہے تھے۔ کسی نے طعنہ دیا کہ تمہارے بھتیجے پر ظلم ہو رہا ہے تم شکار کو جا رہے ہو۔ بس اسی وقت دل پلٹ گیا اور مسلمان ہو گئے۔

غرض حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو سخت صدمہ پہنچا۔ چونکہ ایک تو ایسا نازک وقت، پھر ایسی بے رحمی اور ظلم سے شہید ہوئے۔ غرض ایک محبوب عزیز کی

شہادت کا واقعہ اور جو آپ نے ان کی شہادت کے موقع پر عمل کیا وہ ہم سب کے لئے نمونہ ہے۔

جب غزوۂ احد کا مہینہ ہر سال حضور ﷺ کے سامنے آتا تھا۔ کیا کوئی شہادت نامہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پڑھا جاتا تھا یا آپ ﷺ یا آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم یا اہل بیت اس کی یادگار اس طرح مناتے تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے، آپ ﷺ کے عشاق نے، آپ ﷺ کے صحابہ نے، آپ ﷺ کے پیروؤں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی یادگار کس طرح منائی۔

اہل بیت کے ساتھ اصل محبت

اہل بیت کی محبت کا اظہار جزوِ ایمان ہے، ان پر وحشیانہ مظالم کی داستان بھلانے کے قابل نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی مظلومانہ اور دردانگیز شہادت کا واقعہ جس کے دل میں رنج وغم اور درد پیدا نہ کرے، وہ مسلمان کیا انسان بھی نہیں۔ لیکن اس کی سچی اور حقیقی محبت وعظمت اور ان کے مصائب سے حقیقی تاثر یہ نہیں کہ سارے خوش وخرم پھریں، کبھی ان کا خیال بھی نہ آئے اور صرف عشرہ محرم میں واقعہ شہادت سن کر رولیں، یا ماتم برپا کرلیں، سارے سال گرمی کی شدت کے زمانہ میں کسی کی پیاس کا خیال نہ آئے اور صرف محرم کے موقع پر ہی (اگرچہ سردی پڑ رہی ہو، کسی کو ٹھنڈے پانی کی ضرورت نہ بھی ہو) شہدائے کربلا کے نام پر سبیلیں لگائی جاتی ہیں، بلکہ حقیقی ہمدردی اور محبت یہ ہے کہ جس مقصد عظیم کے لئے انہوں نے قربانی دی، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنی ہمت کے مطابق ایثار وقربانی پیش کریں۔ ان کے اخلاق واعمال کی پیروی کو سعادت دنیا وآخرت سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہل بیت کی وہی محبت عطا فرمائیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان حضرات کے شایانِ شان ہو۔ آمین ثم آمین۔

حصۂ ملفوظات
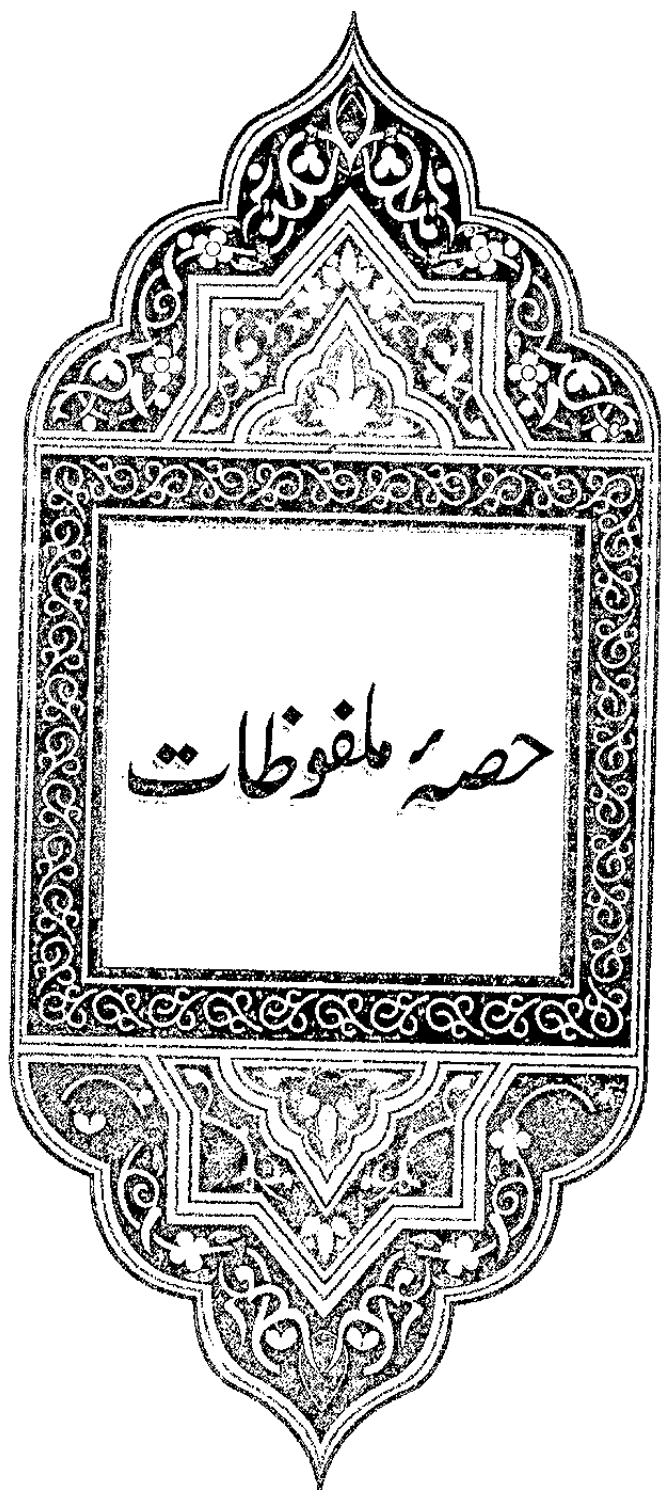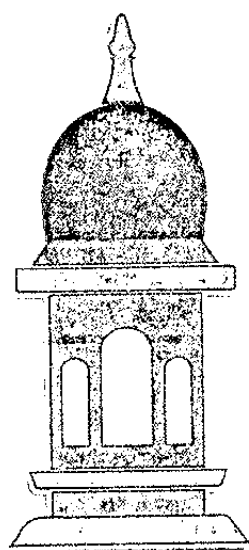
ملفوظات مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب قدس سرہ

جناب محمد اقبال قریشی صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل ملفوظات ضبط فرمائے، جنہیں ماہنامہ البلاغ (شوال ۱۴۲۴ھ) میں درج ذیل نوٹ کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ اب اس مجموعہ کی زینت بنا کر ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ مرتب۔

احقر نے حضرت اقدس سیدی ومرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ (مفتیٔ اعظم پاکستان وبانی دارالعلوم کراچی) کی خدمت اقدس میں حاضری کے دوران چند ملفوظات جمع کئے تھے، وہ پیش خدمت ہیں، بقیہ بشرط زندگی انشاء اللہ اسی عنوان کے تحت دیگر ذاتی استفادات پیش کرنے کی سعی کروں گا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان............ (بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ)

دارالعلوم میں ہم خیال احباب کی ضرورت

فرمایا میں دارالعلوم میں اپنے ہم خیال احباب جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، ورنہ مختلف الخیال احباب کے جمع ہو جانے سے بعد میں اکثر گڑبڑ کا اندیشہ رہتا ہے۔

مقام فنا کی ضرورت

ارشاد فرمایا کہ جتنا ہو سکے اپنے آپ کو مٹایا جائے۔

اساتذہ وطلباء کو جذبۂ عمل کی ضرورت

اکثر اس پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ دینی تعلیم بھی فنی تعلیم کی طرح ہوتی جا رہی ہے، اساتذہ کرام میں اب وہ عمل کا جذبہ نہیں رہا۔ ورنہ ایک وقت تھا کہ دارالعلوم (دیوبند) کے چپڑاسی سے لے کر مہتمم تک سب ہی شب بیدار وصاحب دل ولی اللہ تھے۔ اب ملازمت، امامت، مدرّسی وغیرہ کی نیت سے تعلیم حاصل کرتے ہیں، نفلی روزہ اور نفلی نماز وغیرہ کا اہتمام شاید ہی کسی میں رہا ہو۔

اہل عرب کی شکایت مناسب نہیں

فرمایا کہ بعض مرتبہ لوگ عربوں کی شکایت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو تکلیفیں واقعی ان سے پہنچتی ہیں مگر اس سے ان کو شکوہ وشکایت میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو جس مقام (مکہ ومدینہ) میں رہنے کی سعادت وشرف سے نوازا ہے شاید ان پر کسی وقت نگاہ کرم ہو جائے یا ان کی کوئی عبادت قبول ہو جائے تو ہماری ساری عمر کی عبادت اس کے مقابلہ میں کیا ہے؟

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی خدماتِ تصوف

فرمایا تصوف کو لوگوں نے راہب لوگوں کا پیشہ سمجھا ہوا تھا، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں خوب اجتہاد کیا اور راستہ کھولا، یہاں تک کہ دنیا داروں کو دیندار بنادیا۔ اس ضمن میں حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگان دین پہلے جو مجاہدات کراتے تھے ان کے واقعات بیان فرمائے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت مفتی اعظم پاکستان کو نصیحت

فرمایا میں ہمیشہ رمضان تھانہ بھون میں گذارتا تھا اور عید الفطر ہمیشہ گھر (دیو بند) میں کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ۲۹ر رمضان المبارک کو گھر جانے سے پہلے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نصیحت کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا کہ ہم کو تو ایک ہی سبق آتا ہے اور وہی سبق سب کو پڑھاتے ہیں کہ جتنا ہو سکے اپنے آپ کو مٹالو۔ پھر ایک موقعہ پر نصیحت کی درخواست کے جواب میں حدیث بیان فرمائی جس کا مفہوم یہ تھا کہ جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرو اور جب شام ہو تو صبح کا انتظار مت کرو، پھر اپنے آپ کو قبر والوں میں سے شمار کرو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اب تو بیماری نے ایسی حالت خود ہی کردی، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے صحت اور تندرستی کے زمانے میں ایسا ہونے کو کہا تھا۔

عدم نفع اور ضرر میں فرق

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ملفوظ کی تشریح کے ضمن میں فرمایا کہ بیرسٹر اور وکلاء کا جو وفد علماء سے ملاقاتیں کررہا تھا، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے اصول وضوابط سے بہت حیران ہوا۔ حضرت نے عدم نفع اور ضرر میں جو فرق بیان فرمایا وہ پہلے کسی کو

معلوم نہ تھا، (حضرت نے فرمایا کہ ایک شخص کسی کو سو روپے دینے والا ہو، کسی کے ایماء پر نہ دے تو لینے والے کا ضرر نہیں ہوا، عدم نفع ہوا، ضرر تو جب ہوتا کہ کوئی چھین لیتا یا جیب سے جاتے وغیرہ) میں نے بھی سوالات کے جوابات قلمبند کر کے دیئے تھے لیکن یہ اس میں موجود نہ تھا۔ جو حضرت نے مجلس میں ارشاد فرمایا وہ سب لا جواب ہو گئے اور کہا عالم ایسے ہوتے ہیں۔ اس پر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تم نے عالم کہاں دیکھے ہیں، میں تو علماء کا ادنیٰ خادم اور ایک طالب علم ہوں۔

پھر فرمایا ضرر اور عدم نفع کا فرق ایک کتاب میں نظر سے گذرا مگر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا اس وقت انتقال ہو چکا تھا ورنہ حضرت کو دکھلاتا اور حضرت سن کر مسرور ہوتے۔ (نور اللہ مرقدہ)

حضرات اکابرین دیوبند کا اعتدال

فرمایا فقہ کی سب کتابوں میں لکھا ہے کہ کتب فقہ کا مطالعہ رات کے نوافل (تہجد) سے افضل ہے مگر میں نے اپنے اکابرین رحمۃ اللہ علیہ دیوبند و تھانہ بھون میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا کہ اس نے فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو کر نماز تہجد چھوڑ دی ہو۔ دونوں کو جمع ضرور کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی پر علم کا غلبہ ہوا تو انہوں نے تہجد کو کم وقت دیا اور کسی پر عبادت کا غلبہ ہوا تو انہوں نے مطالعہ میں کم وقت صرف کیا مگر مطالعہ کیا ضرور، پھر دور حاضر کے مدرّسین و طلباء پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ علم تو سب پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر اس طرف شاید ہی کسی کی توجہ اور عمل ہو۔

ذکری مذہب کے متبعین کو ضرورتِ تبلیغ

فرمایا دورانِ تعطیلات اگر اساتذہ و طلباء کو کچھ فرصت ملے تو جا کر ذکری مذہب والوں کو تبلیغ ضرور کرنی چاہئے۔ یہ کراچی میں بہت آباد ہو گئے ہیں۔ ان کے عقائد بہت غلط ہیں۔ ان کی اصلاح کرنی چاہئے۔

فرموداتِ مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ

فرمودات حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کا یہ گرانقدر انتخاب محترم جناب مولانا حنیف خالد صاحب مدظلہم (استاذ جامعہ دار العلوم کراچی) نے ماہنامہ البلاغ (محرم وذی الحجہ ۱۴۲۲ھ) کے قارئین کو درج ذیل نوٹ کے ساتھ پیش فرمایا تھا۔ ابھی زیر نظر مجموعہ میں بھی شامل اشاعت کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ مرتب

البلاغ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نمبر سے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے چند قیمتی ارشادات پیش خدمت ہیں، اللہ تعالی ہمیں ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)"

(۱) تفرد سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے...... (ص: ۴۹۲)

(۲) علم کے مسافر کو بار بار اپنے دل کی کھڑکی میں جھانک کر دیکھنا چاہئے کہ "خشیت اللہ" کا اسٹیشن آیا یا نہیں؟...... (ص: ۴۹۳)

(۳) نکیر (ملامت) ہمیشہ منکر (بری یا ناجائز بات) پر ہونی چاہئے اور غیر منکر پر نکیر خود منکر ہے...... (ص: ۴۹۸)

(۴) حضرت تھانوی قدس سرہ، حضرت فاروق اعظم کے نسبی اور معنوی دونوں اعتبار سے وارث تھے..................(۴۹۸)

(۵) انبیاء علیہم السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگان سلف کی عقیدت ومحبت دنیا میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا مظہر ہوتی ہے، اگر اس میں کمی ہو تو انسان کے دین میں نقص ہے.....(ص:۴۹۸)

(۶) میں گھڑی اس لئے اپنے پاس رکھتا ہوں کہ وقت کو تول تول کر خرچ کر سکوں......(ص:۵۰۶)

(۷) کشف وکرامات کے حصول کے پیچھے پڑنے کے بجائے انسان کو اتباع سنت کی کوشش میں لگنا چاہئے......(ص:۵۲۰)

(۸) میرے نزدیک آج امت کو تحقیق کی کم اور عمل کی زیادہ ضرورت ہے...... (ص:۶۳۰)

(۹) تمام مسلمان اپنی توانائیاں بے دینی کے اس سیلاب پر بند باندھنے میں صرف کریں کہ جس نے ہمارے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے......(ص:۷۳۷)

(۱۰) ہمارے نزدیک سلف صالحین پر اعتماد ہی دین کی حفاظت کا بڑا حصار ہے......(ص:۷۴۲)

(۱۱) جو برکت رابطہ میں ہے ضابطہ میں نہیں، اسی لئے میں ہمیشہ رابطہ کو پیش نظر رکھتا ہوں......(ص:۸۹۱)

(۱۲) کوئی علم وفن خصوصاً علم دین اساتذہ کے احترام وادب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا......(ص:۸۹۷)

(۱۳) مدارس کو ہر قسم کی عملی سیاست سے کنارہ کش رہنا چاہئے ورنہ رجال کار ان سے پیدا نہ ہوں گے......(ص:۹۰۲)

(۱۴) مولویوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کو تقریر کرنی آتی ہو...... (ص:۹۱۲)

(۱۵) وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ [التوبۃ:۱۱۹] کے امر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صادقین ہر زمانے میں موجود رہیں گے کوئی زمانہ ان سے خالی نہ ہوگا...... (ص:۹٦٦)

(۱٦) مصلحت بینی دفع مضرت تک تو جائز ہے، جلبِ منفعت کے لئے جائز نہیں......(ص:۹۷۴)

(۱۷) حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے جلسے کرنا اور اسٹیج پر آنا اور الیکشن کے لئے دورے کرنا تو سیکھ لیا لیکن، ان کے اندر جو باطنی کمالات تھے ان کے حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ کی......(ص:۹۹۹)

(۱۸) مفتی ہونا ایک مخصوص ذوق اور مزاج کا نام ہے جو برسوں کی محنت کے بعد بطور عطیۂ وہبی کے عطا ہوتا ہے......(ص:۹۹۹)

(۱۹) دینی مدرسوں میں کم تنخواہ پر کام کرتے رہنا چاہئے، اسی میں عالم کے لئے دین ودنیا کی خیر ہے......(ص:۱۰۰۱)

(۲۰) ضرورت کے بقدر کمایا کرو، اگر خرچ پانچ روپے ہے تو سات کمانے کی فکر مت کرو......(ص:۱۰۷۷)

(۲۱) میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی توہین برداشت نہیں کرسکتا......(ص:۱۰۹۵)

(۲۲) اپنے جہل کا اعتراف بھی علم کا ایک حصہ ہے......(ص:۱۱۰۵)

(۲۳) ہمیں آج دین ودنیا کی جتنی دولتیں حاصل ہیں وہ محض ہمارے والدین کی دعاؤں کا نتیجہ ہیں...... (ص: ۱۱۳۹)

(۲۴) میں نے اپنی زندگی میں ماں باپ کی خدمت کر کے دعائیں لینا والا کوئی شخص محروم نہیں دیکھا...... (ص: ۱۱۳۹)

(۲۵) بندہ اللہ تعالیٰ کا تابعدار ہوجائے تو دنیا کی ہر شئ اسکی تابعدار ہوجاتی ہے......(ص: ۱۱۴۸)

(۲۶) میں امراء اور دولت مندوں سے مستغنی رہتا ہوں، بڑے سے بڑے امیر اور دولت مند کی خوشامد نہیں کرتا...... (ص: ۱۱۷۶)

(۲۷) علماء کا بازاروں میں گھومنا دینی وقار کو کم کر دیتا ہے...... (ص: ۱۱۸۸)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ''احکام و تاریخ قربانی'' سے چند زریں ارشادات ہدیہ قارئین ہیں:

(۱) کسی حلال جانور کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کی نیت سے ذبح کرنا اس وقت سے مشروع ہے جب سے آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور دنیا آباد ہوئی۔ (ص: ۷)

(۲) ...... یہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا جذبۂ اطاعت تو قابل دید ہے ہی، یہ بات بھی سبق آموز ہے کہ انہوں نے اپنے ارادے اور عزم وہمت پر بھروسہ نہیں کیا، بلکہ اللہ کے سپرد کر کے انشاء اللہ فرمایا، اور پھر یہ نہیں کہا کہ میں صبر کروں گا بلکہ فرمایا کہ مجھے آپ صابرین میں سے پائیں گے، جو ایک تواضع کا عنوان ہے، کہ صبر واستقلال تنہا میرا کام نہیں، اللہ کے ہزاروں بندے صابر ہیں، میں بھی ان میں داخل ہوجاؤں گا۔ (ص: ۱۵)

(۳) ......انسان کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردینا ہی انسانیت کی تکمیل ہے۔(ص:۲۲)

(۴) ......خلیل اللہ کے کارناموں میں سے جو چیزیں کسی خاص مقام کے ساتھ مخصوص تھیں وہ تو صرف حجاج پر لازم کی گئ ہیں جو اس مقام پر پہنچ کر انجام دیتے ہیں، جیسے منیٰ میں تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا اور سات چکر لگانا، اور جو چیزیں اس جگہ سے تعلق نہیں رکھتیں، ہر جگہ کی جاسکتی ہے، جیسے جانور کی قربانی، اس کو تمام امت کے لئے حکمِ عام کے ساتھ واجب و لازم قرار دیدیا گیا،(ص:۲۳)

(۵) ......جب انسان روحانیت سے غافل ہوکر صرف مادّی خواہشات کی بھول بھلیاں میں پڑ جاتا ہے تو اس کو ساری عبادات بے جان رسوم محسوس ہونے لگتی ہیں۔(ص:۲۷)

(۶) ......اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا جذبہ ہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو اپنی خلوتوں میں بھی جرائم سے باز رکھتا ہے۔(ص:۲۸)

(۷) ......اصل مقصد قربانی کا جذبۂ اطاعت پیدا کرنا ہے۔(ص:۲۹)

(۸) ......قربانی سے ایمان واخلاص میں قوت، اعمال شاقہ کے لئے عزم وہمت پیدا ہوتی ہے۔(ص:۳۲)
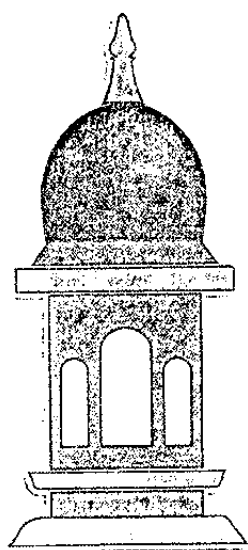
علم واہل علم
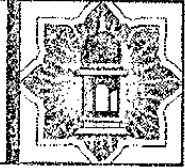
حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کے افاضات سے حضرت جناب صوفی محمد راشد صاحب دامت برکاتہم کا یہ گراں قدر انتخاب ماہنامہ البلاغ ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ (۱) میں موصوف کے اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ شاکر

''اہل علم سے متعلق حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کے ارشادات اس سے قبل البلاغ بابت شوال ۱۴۱۶ھ میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ زیر نظر مضمون انہی ارشادات کا حصہ دوم بطور تتمہ پیش خدمت ہے ......مرتب''

---

(۱) حضرت جناب صوفی محمد راشد صاحب مدظلہم نے علم اور اہل علم کے بارے میں حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کے افاضات کا انتخاب تین قسطوں میں قارئین البلاغ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ پہلی اور دوسری قسطوں (شوال ۱۴۱۶ھ و ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ) میں آپ نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے انتخاب پیش کیا تھا، جبکہ اس کے کافی بعد شوال ۱۴۲۰ھ میں معارف القرآن سے اس سلسلہ کا انتخاب پیش کیا تھا۔ پہلی قسط کے ملفوظات چونکہ حضرت اقدس استاذ محترم مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم کی مرتب فرمودہ ''مجالس مفتیٔ اعظم'' میں شامل ہو چکے ہیں، اس لئے مجموعۂ ہذا میں یہاں حصۂ ملفوظات میں دوسری (ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ) اور آگے حصۂ انتخاب و تلخیص میں تیسری قسط (شوال ۱۴۲۰ھ) شامل کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ مرتب

(۱) فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ ملا حسن رحمۃ اللہ علیہ کو منطق میں ''ید طولیٰ'' حاصل تھا۔ یعنی بعض اوقات دور کی باتوں تک تو ان کی رسائی ہو جاتی تھی لیکن قریب کی باتیں گرفت میں نہیں آتی تھیں۔ (البلاغ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نمبر ص ۳۹۱)

(۲) فرمایا: حنفیہ کی کتابوں میں سے جس کتاب نے وقف کے مسائل کو سب سے زیادہ شرح و بسط اور انضباط کیساتھ بیان کیا ہے وہ فتاوٰی ''مہدیہ'' ہے۔ (حوالہ بالہ ص ۴۰۲)

(۳) فرمایا: علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ انتہائی وسیع المطالعہ ہونے کے باوجود اس قدر تقویٰ شعار اور محتاط بزرگ ہیں کہ عام طور سے اپنی ذمہ داری پر کوئی مسئلہ بیان نہیں کرتے، بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے، اپنے سے پہلے کی کتابوں میں سے کسی نہ کسی کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں۔ اگر ان اقوال میں بظاہر تعارض ہو تو اس کو رفع کرنے کے لئے بھی حتی الامکان کسی دوسرے فقیہ کے قول کا سہارا لیتے ہیں۔ اور جب تک بالکل مجبوری نہ ہو جائے۔ خود اپنی رائے ظاہر نہیں فرماتے۔ (ص ۴۲۰)

(۴) فرمایا: فتویٰ کی اہلیت محض فقہی مسائل کو یاد کرنے یا فقہی کتابوں میں استعداد پیدا کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ایک مستقل فن ہے۔ جس کے لئے ماہر مفتی کی صحبت میں رہ کر باقاعدہ تربیت لینے کی ضرورت ہے۔ اور جب تک کسی نے اس طرح فتویٰ کی تربیت حاصل نہ کی ہو اس وقت تک وہ خواہ دسیوں بار ہدایہ وغیرہ کا درس دے چکا ہو۔ فتویٰ دینے

کا اہل نہیں بنتا (ص ۴۰۶)

(۵) فرمایا محض فقہی کتابوں کے جزئیات یاد کر لینے سے انسان فقیہ یا مفتی نہیں بنتا۔ میں نے ایسے بہت سے حضرات دیکھے ہیں جنہیں فقہی جزئیات ہی نہیں ان کی عبارتیں بھی ازبر تھیں۔لیکن ان میں فتویٰ کی مناسبت نظر نہیں آئی (ص ۴۱۸)

(۶) فرمایا مفتی کو چاہئے کہ عوام الناس کو قواعد کلیہ نہ بتائے بلکہ اس نے جو سوال کیا ہے اس جزیئے کا جواب دے دے اور جواب میں تشقیق نہ کرے کہ شقیں نکالے۔ اگر ایسا ہوتو یہ جواب ہے۔ ایسا ہوتو یہ جواب ہے۔اگر ایسا ہی ہے توسوال کی وضاحت کرالے۔(ص ۹۶۷)

(۷) فرمایا فتویٰ میں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ عام لوگوں کو نفع پہنچے اور ان کو ضرر سے بچایا جائے۔(ص ۹۶۵)

(۸) حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بارہا ارشاد فرمایا کرتے کہ میں نے تحصیل علم میں نہ تو محنت زیادہ کی ہے اور نہ ہی بہت سی کتابیں میرے مطالعہ میں رہیں۔بس اتنا اہتمام کیا کہ اپنے کسی بھی استاد کو ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنے سے ناراض نہیں ہونے دیا۔ یہ سب اسی کی برکت ہے کہ اللہ نے دین اور علم دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ (ص ۸۹۷)

(۹) فرمایا کہ اگر کسی کی رائے میں عملی سیاست میں داخل ہونا ضروری ہوتو اس کو پہلے مدرسہ سے قطع تعلق کر لینا چاہئے۔ پھر جو چاہے کرے۔ (ص ۹۰۲)

(۱۰) فرمایا کہ ایک دن سبق میں ناغہ کا اثر چالیس دن تک رہے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسباق میں حاضری کا اہتمام کیا جائے۔ (ص ۹۰۶)

(۱۱) فرمایا (مدرسہ سے) علم بہ معنی ''دانستن'' تو حاصل ہو جائیگا۔ اور وہ عرف میں اور اصطلاح میں عالم اور مولانا کہلائے گا۔ مگر حقیقی عالم اور مولانا بننے کیلئے اس کے آگے اور کچھ کام کرنے ہیں۔ جب تم وہ کام کرلو تو واقعی مولانا اور طالب علم کہلاؤ گے۔ تب ہی تم ان خوشخبریوں کے مصداق بنو گے جو حدیث میں آئی ہیں۔ (ص ۹۰۶)

(۱۲) فرمایا تفقہ فی الدین اس کا نام نہیں کہ کسی چیز کو جان لے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ یہ جائز ہے اور یہ ناجائز۔ مکروہ ہے یا مستحب۔ اتنا جان لینے کا نام علم نہیں۔ دراصل تفقہ دین کی سمجھ بوجھ کا نام ہے۔ جس کے پیچھے عمل ہونا چاہیے۔ جس علم کے ساتھ عمل نہ آیا، اور علم پر عمل مرتب نہ ہوا، وہ علیم کہلانے کا مستحق نہیں۔ (ص ۹۰۷)

(۱۳) فرمایا آپ کو یہ محسوس ہو کہ اگر ہم نے ہدایہ پڑھی، قدوری پڑھی، کنز پڑھی، ان میں معاملات کا باب پڑھا کہ فلاں جائز ہے اور فلاں ناجائز۔ اگر ہم بازار میں جا کر اپنے ان اسباق پر عمل نہیں کرتے تو ہمارا تمام کا تمام لکھا پڑھا بیکار ہے۔ اب تو ہمارا حال یہ ہے کہ کتاب مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے۔ آگے مدرسہ کے باہر اس کتاب کا کوئی اثر ہمارے وجود میں نہیں ہوتا۔ معاملات کرنے کے لئے چلیں تو ہمیں کوئی فکر نہیں ہوتی کہ ہم سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ بول رہے ہیں، جو جی چاہتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ اور کچھ فکر نہیں کرتے کہ آیا غلط کر رہے ہیں یا صحیح کر رہے

ہیں۔ جو کچھ بھی پڑھا ہے اس کا اثر آپ کے اعمال پر ہونا چاہئے، آپ کے معاملات اس طرح واضح اور صاف ہونے چاہیے کہ آپ کو دیکھ کر لوگ اپنی اصلاح شروع کردیں۔ (ص ۹۰۷)

(۱۴) حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے طلباء میں یہ بڑی کوتاہی ہے کہ ان کی تحریر کمزور ہوتی ہے۔ اور وہ خوشخط بھی نہیں لکھ سکتے۔ فرماتے کہ اگر مضمون کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہولیکن اگر خط اچھا نہیں ہے تو کوئی مضمون نہیں پڑھ سکتا۔ اور نہ ہی کوئی ایسے مضمون کو پڑھے گا۔ (ص ۹۱۱)

(۱۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ ارشاد فرمایا کرتے تھے: علم اور عمل دونوں بھائی بھائی ہیں۔ جب ان میں ایک بھائی آجاتا ہے، تو وہ اپنے دوسرے بھائی عمل کو بلاتا ہے کہ میں یہاں آ گیا ہوں۔ تم بھی آ جاؤ۔ اگر وہ بھائی ''عمل'' آ جاتا ہے، تو علم بھی رہ جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ وہ بھائی نہ آئے تو علم بھی چلا جاتا ہے۔ (ص ۹۱۳)

(۱۶) فرمایا زمانہ طالب علمی ہی سے عمل کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اس سے علم میں نور پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا کرتے کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی پیر کامل اور شیخ کامل کی صحبت اختیار کی جائے۔ اور اس سے اپنی اصلاح باطن کروائیں۔ (ص ۹۱۴)

(۱۷) فرمایا حضرت مولانا منفعت علی صاحب فرماتے تھے کہ یہ نماز لباس اور داڑھی تو لوگوں کی وجہ سے ہے کہ کہیں بدنام نہ کریں۔ بتاؤ اللہ واسطے کیا کرتے ہو؟۔ (ص ۹۶۵)

(۱۸) فرمایا مذاہب اربعہ معلوم کرنے ہوں تو اس بارے میں امام شعرانی کی

"میزان" معتبر کتاب ہے۔ "البدایہ والنہایہ" میں مذاہب اربعہ کے حوالے [اس سے] نقل کئے ہیں۔ (ص ۹۶۷)

(۱۹) فرمایا حرف شناس عالم تو پیدا ہو رہے ہیں، مگر اکابر جیسا دینی ذوق اور علمی مزاج رکھنے والے اور ان کے طرز فکر کے امین بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ (ص ۱۱۷۵)

(۲۰) ایک دن فرمایا کہ بیس (۲۰) سال سے عالم دین پیدا ہونے بند ہو گئے ہیں۔ لیڈر، مقرر، واعظ، مضمون نگار پیدا ہو رہے ہیں۔ عالم دین نہیں ملتا، خیال ہوتا ہے کہ احکام القرآن عربی میں جو لکھ رہے ہیں، آئندہ زمانوں میں اس کے سمجھنے والے بھی ہونگے یا نہیں؟ (ص ۵۹۰)

(۲۱) فرمایا: تم اللہ کی رضا کیلئے پڑھو، پڑھاؤ۔ تمہاری دنیوی ضرورتیں بھی ان شاء اللہ پوری ہوتی رہیں گی۔ (ص ۱۱۸۰)

(۲۲) کسی بزرگ کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے "المراء یذھب بنور العلم" یعنی جھگڑوں سے علم کا نور جاتا رہتا ہے۔ (ص ۵۱۸)

(۲۳) فرمایا عالم جو صحیح معنی میں عالم ہو۔ اگر تنہا بھی ہو تو دنیا کو نور سے بھر دیتا ہے (ص ۵۳۸)

(۲۴) فرمایا کہ اگر صرف علم کسی شخص کی عظمت کیلئے کافی ہوتا تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے۔ اور وہ مستشرقین جو دن رات علمی تحقیقات میں مصروف رہتے ہیں، وہ بھی بہت سے مسلمان اہل علم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے علم کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے، جو انسان کو ایمان کی دولت نہ بخش سکے۔ اسی طرح جو علم انسان کی عملی زندگی پر اثر

انداز نہ ہو، وہ بیکار ہے۔ (ص ۴۹۰)

(۲۵) اکثر طالب علموں سے خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ جب علم حقیقی کی علامت خشیت اللہ ہے تو ہر عالم یا طالب علم کو بار بار اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ یہ علامت اس میں پیدا ہوئی یا نہیں؟ اور مثال دے کر فرمایا کرتے کہ جب کوئی مسافر ریل گاڑی میں سوار ہو کر کسی منزل کی طرف روانہ ہوتا ہے، تو وہ بار بار کھڑکی سے منہ نکال کر دیکھتا ہے کہ اب کون سا اسٹیشن آیا ہے؟ اگر وہی اسٹیشن راستے میں پڑ رہے ہیں، جو منزل مقصود کے راستے میں آیا کرتے ہیں تو مطمئن ہو جاتا ہے، اور انہی اسٹیشنوں سے یہ اندازہ لگاتا ہے کہ منزل کتنی دور ہے؟ اور اگر اسٹیشن ایسے نامانوس آنے لگیں جو اس منزل کے راستے میں نہیں پڑتے تو سمجھ جاتا ہے کہ گاڑی کسی اور رخ پر جا رہی ہے، اور گھبرا کر گاڑی بدلنے کی فکر کرتا ہے۔ اسی طرح علم کے مسافر کو بار بار اپنے دل کی کھڑکی میں جھانک کر دیکھنا چاہئے کہ ''خشیت اللہ'' کا اسٹیشن آیا ہے یا نہیں؟ اگر اس اسٹیشن کے کچھ آثار معلوم ہوتے ہیں تو سفر صحیح سمت میں ہو رہا ہے۔ لیکن اگر خشیت، تواضع، انابت الی اللہ اور اتباع سنت کی بجائے بے فکری، تکبر و انانیت، حب جاہ و مال اور نفس پرستی کے اسٹیشن آ رہے ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ انسان کسی غلط گاڑی میں سوار ہے۔ اور یہ گاڑی اسے علم کی منزل تک نہیں پہنچا سکتی، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو مطلوب ہے۔

اس موثر تمثیل کے بعد آپ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے

کہ

خشیت اللہ را نشانِ علم دان
آیت تخشی اللہ در قرآن بخواں
(ص ۴۹۳)

ارشادات
مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

محترم جناب محمد راشد صاحب مدظلہم نے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا یہ گرانقدر انتخاب ماہنامہ البلاغ (محرم تا ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ) کے قارئین کی خدمت میں آپ کے درج ذیل نوٹ کے ساتھ پیش کیا تھا۔ اب افادۂ عام کی خاطر اور آپ کے شکریہ کے ساتھ اسے اس مجموعہ میں بھی شامل کیا جارہا ہے۔ مرتب

''حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات وملفوظات کا پہلا یکجا مجموعہ جس کا انتخاب البلاغ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نمبر اور مجالس مفتی اعظم پاکستان کے تقریبا دو ہزار صفحات سے کیا گیا ہے، علم وحکمت کا یہ خزینہ قارئین البلاغ کے افادہ کے لئے پیش خدمت ہے......مرتب''

(۱) فرمایا: حیات طیبہ کے تذکرہ کے لئے صرف ایک مہینہ مقرر نہ کریں۔ ہر مہینہ ہر ہفتہ محفلیں، وعظ اور سیرت کی مقرر کر کے اہتمام سے کرائیں۔ اور سنت کے مطابق درود کی کثرت کریں۔ اور عمل کی اللہ سے توفیق مانگیں۔ اس طرح آپ کی سنت پر جو قدم ہمارا پڑے گا دین مضبوط ہوگا۔ (ص ۶۶ مجالس مفتی اعظم پاکستان)

(۲) فرمایا: بدعت کہتے ہیں مقاصد شرعیہ بدلنے کو، غیر مقصود کو مقصود بنادے۔ یا مقصود کو غیر مقصود بنادے۔ آخرت کے عمل کے مناسب سعی وہی ہے جو سرکار دوعالم ﷺ نے فرمائی ہے۔ ذکر اللہ ہو، تلاوت ہو، حج، نماز، روزہ ساری طاعتیں اگر سنت سے ہٹ کر کی گئیں وہی بدعت ہیں۔ وہی ضلالت اور گمراہی ہیں۔ (ص ٦٧)

(۳) فرمایا: یقین کیجئے کہ عبادات کا جو طریقہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار نہیں کیا، وہ دیکھنے میں کتنا ہی دلکش اور بہتر نظر آئے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اچھا نہیں۔ (ص ٦٩)

(۴) فرمایا: دنیا کا تجربہ اس بات کا گواہ ہے کہ نرا قانون کبھی کسی قوم کی اصلاح نہیں کرسکا۔ جب تک قانون کی پشت پر ایک ''مضبوط روحانی عقیدہ'' نہ ہو ظلم واستحصال کو روکا نہیں جاسکتا۔ (ص ۷۴)

(۵) فرمایا: حدیث میں ہے کہ تقدیر پر ایمان رکھنا سب افکار (غموں) کو دور کر دیتا ہے۔ (ص ۷۵)

(٦) فرمایا: اللہ کے نزدیک آج مقبولیت کے دروازے بند ہیں بجز اتباع نبی کریم ﷺ کے اور آج کوئی نجات نہیں پاسکتا بغیر کامل اتباع کے۔ (ص ۷۹)

(۷) فرمایا: ابن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے اللہ کے ذکر سے زیادہ لذت کسی چیز میں نہیں ہے۔ اگر اس میں لذت نہ آئے تو یہ بیماری ہے۔ اس کا علاج کرو۔ (ص ۸۰)

(۸) فرمایا: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اولیاء اللہ کے دل سے سب سے بعد جو رذیلہ نکلتا ہے وہ کبر اور عجب ہے، اس میں بڑے بڑے اولیاء مبتلاء

ہیں (ص ۸۱)

(۹) فرمایا: اگر کوئی جاننا چاہے کہ مجھ سے خدا ناراض ہے یا راضی تو دیکھ لے، اگر لایعنی میں لگا ہے تو ناراض ہے۔ یہ سب سے بڑی لعنت ہے لایعنی کی۔ اس دروازے پر سب سے سخت پہرہ بٹھایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ص ۸۲)

(۱۰) فرمایا: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جو صحابہ کرام میں حکیم الامت کا لقب رکھتے تھے۔ ان سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم یہ کہا کرتے تھے کہ۔

اجلس بنا نو من ساعة ''کچھ دیر کے لئے ہمارے ساتھ بیٹھ جایئے کہ ہم ایمان تازہ کرلیں'' (ص ۸۵)

(۱۱) فرمایا: شیخ کی کرامت طالب کے اندر اہتمام دین پیدا کرنا ہے اور جس کے پاس بیٹھ کر یہ بات پیدا ہوجائے وہی شیخ کامل ہے۔ (ص ۹۸)

(۱۲) فرمایا: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے خدا سے پوچھا[۱] وہ عمل بتادیں جس سے بندہ آپ کا زیادہ قرب حاصل کرے۔ اللہ پاک نے فرمایا قرآن میرے قرب کا بڑا ذریعہ ہے۔ یہ نسخہ کیمیا ہے۔ (ص ۱۰۴)

(۱۳) فرمایا: حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط میں لکھا تھا کہ جتنے بھی دن بھر کے کام ہیں اگر ان میں نیت سیدھی ہوجائے تو سب کے سب عبادت ہوجائیں۔ (ص ۱۱۵)

(۱۴) فرمایا: نماز میں دو لفظ آتے ہیں خشوع اور خضوع، خشوع ظاہری سکون اور خضوع باطنی سکون کو کہتے ہیں۔ (ص ۱۵۶)

(۱۵) فرمایا: استخارہ کرنے کے بعد ندامت نہیں ہوتی۔ میں تو چھوٹا سا استخارہ پڑھ

---

(۱) یہ خواب کا واقعہ ہے۔ جیسا کہ سیر أعلام النبلاء ۱۱: ۳۴۷ (ط: مؤسسة الرسالة) میں مذکور ہے۔ شاکر

لیتا ہوں۔ نماز کے بعد یا سوتے وقت اَللّٰھُمَّ خِرْلِی وَاخْتَرْلِی گیارہ مرتبہ پڑھ لیتا ہوں۔ اور یہ حدیث میں آیا ہے۔ (ص ۱۵۸)

(۱۶) فرمایا: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر ایک حاضری میں بادشاہ ناراض ہوجائے تو کیا دوسری بار وہ دربار میں گھسنے دے گا؟ ہرگز نہیں، بس جب تم ایک مرتبہ نماز کے لئے مسجد میں گئے اس کے بعد پھر توفیق ہوئی تو سمجھ لو کہ پہلی نماز قبول ہوگئی اور تم مقبول ہو۔ (ص ۱۵۹)

(۱۷) فرمایا: صحابہ کرام کا شب قدر میں دستور تھا کہ لمبے رکوع وسجود کرتے تھے، بہتر یہ ہے کہ تراویح کے بعد کچھ آرام کرے۔ آخری شب میں زیادہ حصہ جاگے۔ (ص ۱۶۰)

(۱۸) فرمایا: اعتکاف کی حالت میں اگر حالت طبعی یا شرعی کے لئے نکلے تو جیسے راستے میں وضو کرکے آسکتے ہیں اسی طرح آتے ہوئے غسل جمعہ کرکے بھی آسکتے ہیں۔ ہاں غسلِ جمعہ کیلئے نکلنا درست نہیں ہے۔ (ص ۱۶۱)

(۱۹) فرمایا: مرد عورت کا اور عورت مرد کا حج بدل کرسکتے ہیں۔ (ص ۱۶۲)

(۲۰) فرمایا: وسیع النظر آدمی ڈھیلا ہوتا ہے۔ اس کی نظر سب طرف ہوتی ہے۔ (ص ۱۶۴)

(۲۱) فرمایا: خدا کی قسم! جو شخص شریعت کے موافق چل رہا ہو وہ بادشاہ ہے گو ظاہر میں سلطنت نہ ہو اور جو شخص شریعت سے ہٹا ہوا ہو وہ پنجرہ میں مقید ہے۔ گو ظاہر میں بادشاہ ہو، اور فرمایا رضاءِ حق ہر حال میں مقدم ہے۔ (ص ۱۶۵)

(۲۲) فرمایا: مسلمان جب تک دین کی حفاظت نہ کرے اس کو دنیا کی فلاح کبھی بھی نہ ہوگی۔ (ص ۱۸۶)

(۲۳) فرمایا: اولاد کی ضروریات زندگی الگ الگ ہوتی ہیں اس میں تسویہ ضروری

نہیں ہے۔ جس کو جیسی ضرورت پڑے حسب استطاعت پوری کر دے۔ البتہ ہبہ کرے تو برابر ہبہ کرے۔ (ص ۱۸۶)

(۲۴) فرمایا: حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ جو آدمی تصوف میں قدم رکھے، اور اللہ کے راستے میں چلے اور اللہ تعالیٰ اسے ولی کامل بنا بھی دے، اس کو چاہیے کہ اپنی خاندانی وضع کو نہ چھوڑے، اپنی وضع نہ بدلے۔ اگر کوئی شخص تاجر ہے تو تاجروں کا جو لباس ہوتا ہے وہی رکھے۔ ہر ایک طبقے کا خاص لباس ایک خاص انداز کا ہوا کرتا ہے، اسی کو اختیار کئے رکھے، کیونکہ (بصورت دیگر) اس میں خواہ مخواہ ایک خاص قسم کا عملی دعویٰ ہو جاتا ہے۔ ہاں البتہ وہ وضع خلاف شریعت نہ ہو۔ (ص ۱۹۴)

(۲۵) فرمایا: آج فیشن کے مارے دو انچ کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر جنت کو کھوتے اور دوزخ خریدتے ہیں، جو آدمی نیچا پاجامہ پہنتا ہے اس کی مغفرت نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو آدمی طبلہ سارنگی اور گانے میں لگا ہے اس کی بھی مغفرت نہیں ہوتی۔ ذرا سوچو اتنے سے وقت کی لذت سے دوزخ خریدنا کیسی نادانی کی بات ہے، آج گھروں میں ہر طرف گانا بجانا عام ہے۔ (ص ۲۰۳)

(۲۶) فرمایا: یہ جو ہم چوری، شراب وغیرہ سے بچ جاتے ہیں، دراصل ہم کو یہ داڑھی، کرتہ، ٹوپی نہیں کرنے دیتے۔ مگر اس سے زیادہ ذلیل گناہ اور عیوب ہمارے اندر ہیں۔ اصل تو ان سے بچنا تھا۔ (ص ۲۰۴)

(۲۷) فرمایا: کسی پر بوجھ ڈال کر اس کے یہاں کھانا پینا نہ چاہئے۔ اس بات کو عمر بھر یاد رکھنا۔ (ص ۲۲۹)

(۲۸) فرمایا: بیوی کے ساتھ بدخلقی نہ کرو مگر یہ بھی نہیں کہ اس کو میاں بنا لو۔ تھوڑی

بہت بدخلقی کو گوارا کر لینا چاہئے۔ کیا عجیب بات ہے کہ وہ شادی ہوتے ہی سارے اعزہ واقارب کو چھوڑ کر شوہر کے لئے وقف ہوجاتی ہے۔ (ص۲۲۹)

(۲۹) فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی اس کو کہتے ہیں جس میں انہیں تکلیف ہو۔ (ص۲۳۵)

(۳۰) فرمایا: آدمی قناعت پر اکتفا کرے اور ضروری سامان کے ساتھ رہے تو تھوڑی آمدنی میں بھی رہ سکتا ہے اور فرض منصبی کو بھی ایسا ہی تقوی والا ادا کرسکتا ہے۔ (ص۲۳۲)

(۳۱) فرمایا: سارے تصوف کا خلاصہ سنت کی پیروی کرنا ہے اور کچھ نہیں۔ (ص۲۵۱)

(۳۲) فرمایا: انسان کا ظاہر اس کے باطن میں مؤثر ہوتا ہے، اگر کوئی غم کی شکل بنائے تو تھوڑی دیر بعد دل میں حزن کی کیفیت محسوس ہوگی۔ (ص۲۵۱)

(۳۳) فرمایا: اس فتنے کے زمانے میں جو شخص نیکی پر قائم رہے اس کا اجر پچاس ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور صحابہ کرام کے برابر ملے گا۔[۱] اس زمانے میں نیکی پر قائم رہنا انگارے کو ہاتھ میں محفوظ رکھنے کی طرح مشکل ہے۔ (ص۲۷۰)

---

(۱) مجالس مفتئ اعظم کی مکمل متعلقہ عبارت یہ ہے ”حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آخری زمانے میں نیک کام مرنے والے ایک شخص کو پچاس عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا۔ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ پچاس اس زمانے کے یا ہمارے زمانے کے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں تمہارے پچاس کے برابر اجر ملے گا۔ اب آپ اندازہ لگایئے اس فتنے کے زمانے میں جو شخص نیکی پر قائم رہے اس کا اجر پچاس ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور صحابہ کرام کے برابر ملے گا۔ اس زمانے میں نیکی پر قائم رہنا انگارے کو ہاتھ میں محفوظ رکھنے کی طرح مشکل ہے“۔ شاکر

(۳۴) فرمایا: لوگ اسلاف امت اور اکابر اولیاء اللہ کے حالات جو کتابوں میں مدون ہیں ان کو پڑھ کر وہ اپنے زمانے میں بھی اسی معیار کے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں۔ اور جب وہ نظر نہیں آتے تو مایوس ہوکر اصلاح کا خیال ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ ولی کامل کے لئے جو کم سے کم شرائط ہیں ان کو تلاش کرتے تو ہر زمانے میں اور ہر جگہ انشاء اللہ صادقین کاملین مل جائیں گے۔ (ص ۲۷۱)

(۳۵) فرمایا: کم گوئی اور لوگوں سے کم میل جول کی عادت ڈالے گا تو وقت بھی بچے گا اور انشاء اللہ بہت سے گناہوں سے نجات بھی مل جائے گی۔ (ص ۲۸۳)

(۳۶) فرمایا: قلب کے اصل تین گناہ ہیں۔ غضب، حقد (کینہ وبغض) اور حسد۔ یہ ایک دوسرے کے متقارب ہیں۔ اور ان کی بنیاد غضب ہے، باقی وہ دونوں اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ (ص ۲۹۱)

(۳۷) فرمایا: حدیث میں ہے ایک شخص نے اللہ تعالی سے کہا کہ لوگوں کے پاس مال ہے وہ تیرے راستے میں خیرات کرتے ہیں۔ میرے پاس مال نہیں ہے، ہاں آبرو ہے میں اسے ہی خیرات کرتا ہوں۔ آج تک کسی نے بھی میری آبرو خراب کی مجھے ذلیل کیا۔ میں نے ان سب کو معاف کیا۔ ان کے نبی پر وحی آئی کہ اس سے کہہ دو کہ تیرے سب گناہ معاف کردیئے گئے۔ اس پر فرمایا کہ شدت اختیار کرنا کوئی بہادری اور عزت نہیں ہے آخرت میں ذلت ہوگی۔ (ص ۲۹۴)

(۳۸) فرمایا: کبر کے تین درجے ہیں۔

۱) دل میں ہو، یہ استکبار ہے۔

۲) دل میں ہو اور افعال سے بھی ظاہر ہو یہ مختال ہے۔

۳) دل میں ہو افعال سے ظاہر کرتا ہو اور زبان سے بھی کہتا ہو یہ فخور ہے۔ (ص ۲۹۸)

(۳۹) فرمایا: طبعی بالغ وہ ہے جس سے منی نکلے اور حقیقی بالغ وہ ہے جو منیؔ سے نکل جائے (یعنی خودی اور کبر سے نکل جائے) (ص ۲۹۸)

(۴۰) فرمایا: عارفین دنیا کو قید خانہ سمجھتے ہیں اور ان کو یہاں سے نکلتے ہوئے وہی خوشی ہوتی ہے جو جیل خانہ سے نکلتے ہوئے ہوتی ہے۔ (ص ۳۰۱)

(۴۱) فرمایا: مصائب کو گناہوں کی سزا سمجھ یا ایمان کی آزمائش مگر یہ مت سمجھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ کیونکہ یہ خیال خطرناک ہے۔ اس سے تعلق خفیف ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے۔ (ص ۳۰۴)

(۴۲) فرمایا: جس پریشانی میں اپنے اختیار کو دخل نہ ہو وہ ذرا بھی مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔ (ص ۳۰۵)

(۴۳) فرمایا: بزرگوں کی کرامتوں میں سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ شریعت پر کون کتنا زیادہ چلتا ہے، جتنا درجہ حضور اکرم ﷺ سے متابعت میں زیادہ ہے اتنا ہی درجہ اس کی بزرگی کا ہے۔ رات بھر جاگ کر عبادت کرنا اور ہے اور ایک لمحہ حضور اکرم ﷺ کی اتباع بہت بلند چیز ہے۔ فرمایا کہ بیت الخلاء میں جانے کی دعا ہزاروں نفلی عبادتوں سے بہتر ہے، اس میں نور اور برکت ہی اور ہے۔ (ص ۳۲۸)

(۴۴) فرمایا: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی شہر میں ضابطہ کے بزرگ اور بڑے نہ ہوں تو نیک سیرت اور صالح لوگوں کے پاس جایا کریں۔ (ص ۳۴۱)

(۴۵) فرمایا: اگر تم دوستوں اور احباب کی وجہ سے معمولات کا ناغہ کرو گے تو ایک دن بالکل کورے رہ جاؤ گے۔ (ص ۳۴۲)

(۴۶) فرمایا: کہ ایک حدیث کا ترجمہ ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ جو چیز اس کی طاقت میں ہے اس میں غفلت نہ کرے اور جو نہیں کرسکتا اس پر غمگین رہے، تاسف کرتا رہے۔ (ص ۳۵۹)

(۴۷) فرمایا: تقویٰ بہت آسان ہے۔ سارے گناہوں سے بچنے کا نام تقویٰ نہیں، گناہوں سے بچنے کی کوشش کا نام تقویٰ ہے۔ قرآن میں ہے جتنا تم کرسکتے ہو اتنا کرو۔ (ص ۳۶۲)

(۴۸) فرمایا: حضرت حارث رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں ہیں) کا ارشاد ہے کہ کسی گناہ کا دل میں خیال بھی نہ لاؤ۔ یعنی عمل چاہے نہ ہو مگر دل میں سوچ کر کسی گناہ سے مزے لینا، خیال پکانا یہ بھی نہ کرو۔ (ص ۳۷۲)

(۴۹) فرمایا: صغیرہ گناہ اللہ پاک نیک کام کرنے سے خود بخود معاف کردیتے ہیں۔ اور کبیرہ گناہ بغیر توبہ و ندامت اور بغیر چھوڑنے کے عہد کے معاف نہیں ہوتا۔ پہلے کئے پر ندامت ہو۔ آگے کے لئے عزم کریں اور عملاً اس کے پاس آئندہ نہ جائیں۔ (ص ۳۷۲)

(۵۰) فرمایا: صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا بھی کبیرہ ہے۔ مثلاً پہلے دائیں کروٹ نہ لیٹا اور معلوم ہونے کے باوجود ضد یا اصرار سے ایسا کیا تو یہ کبیرہ ہے۔ (ص ۳۷۴)

(۵۱) فرمایا: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی انگوٹھی پر یہ قول نقش کرایا ہوا تھا کہ۔ قُلِ الخیر و إلا فاصْمُتْ۔ "نیک

بات کہو ورنہ خاموش رہو۔" (ص ۳۸۰)

(۵۲) فرمایا: علم میں جھگڑا کرنا ایمان کے نور کو زائل کر دیتا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ "اگر کوئی شخص کسی کو خلاف سنت کام کرتے ہوئے دیکھے تو کیا کرے؟" فرمایا کہ "نرمی سے سمجھا دے اور جدال نہ کرے"۔ (ص ۳۸۲)

(۵۳) فرمایا: انسان کو چاہئے کہ کوئی ایسی بات نہ کرے کہ جس سے دوسروں کو تکلیف اور اذیت پہنچے۔ یہ کل سلوک ہے۔ (ص ۳۸۳)

(۵۴) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں یہ برکت رکھی ہے کہ اس کے پڑھنے سے تجربہ شاہد ہے کہ تقویٰ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ خلاصۃ قصد السبیل، تعلیم الدین، مواعظ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حیٰوۃ المسلمین کا فرصت کے وقت گھر جا کر مطالعہ کرو اور اپنے محلے کی مسجد میں حیٰوۃ المسلمین کو تھوڑا تھوڑا پڑھ کر سناؤ۔ آخر میں فرمایا کہ اگر کسی نے میری اس نصیحت پر عمل کیا تو انشاء اللہ کامرانی ہی کامرانی ہے۔ (ص ۳۹۵)

(۵۵) فرمایا: حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اذان کے وقت خود بھی کلام نہیں کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی نہیں بولنے دیتی تھیں۔ (ص ۴۰۰)

(۵۶) فرمایا: عام طور سے لوگوں کے ذہن میں "توبہ" کا مفہوم یہ ہے کہ صرف زبان سے أستغفر الله ربی من کل ذنب وأتوب إلیه کا ورد کرلیں، حالانکہ یہ سخت غلط فہمی ہے۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اپنے پچھلے گناہوں پر حسرت وندامت ہو اور بالفعل ان کو چھوڑ دیا جائے۔ اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا مکمل عزم ہو۔ (ص ۴۰۸)

(۵۷) فرمایا: صوفیاء کرام کے یہاں جو بیعت طریقت معروف ہے یہ درحقیقت

گناہوں سے توبہ اور شریعت کی پابندی کے معاہدہ ہی کا نام ہے۔ یوں تو ہر شخص کو ہر وقت اپنے گناہوں سے توبہ اللہ تعالی کے سامنے کرنا چاہئے۔ لیکن جب توبہ کسی شیخ کامل مرشد کے ہاتھ پر کی جاتی ہے تو اسی کا نام بیعت ہے۔ یہ سنت سے بھی ثابت ہے۔ (ص ۴۱۲)

(۵۸) فرمایا: مصیبت اور تکلیف کا صدمہ تو ہمیشہ باقی نہ رہے گا، ہاں! اس پر صبر کے نکلے ہوئے الفاظ حیات جاودانی اختیار کرلیں گے اور قیامت کے دن اللہ پاک شمار کراکر ایک نیکی کا کئی کئی بار بدلہ عطا فرمائیں گے۔ (ص ۴۳۰)

(۵۹) فرمایا: ایک بزرگ کا قول ہے کہ ہم کو کسی سے لڑائی، جھگڑا کرنے کا وقت تو کجا، کسی سے صلح کرنے کا وقت بھی نہیں ہے۔ جتنا وقت اس کی یاد کے بغیر گذرے گا وہ بے قیمت ہوگا اور باقی رہنے والی وہی ساعتیں ہونگی جو اس کے ذکر میں مصروف ہوں۔ (ص ۴۳۲)

(۶۰) فرمایا: سرکار دو عالم ﷺ سے منقول ہے کہ جب آپ ﷺ کے سامنے کوئی ناگوار طبع بات پیش آتی تو زیادہ غم وغصہ کا اظہار فرمانے کے بجائے صرف اتنا فرمایا کرتے تھے کہ ماشاء اللہ کان و مالم یشأ لا یکون۔ (جو کچھ اللہ نے چاہا وہ ہوگیا اور جو کچھ وہ نہیں چاہے گا وہ نہیں ہوگا) اور حقیقت یہ ہے کہ رنج و تکلیف کے موقعہ پر تسکین قلب کا اس سے بہتر نسخہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ (ص ۴۴۹)

(۶۱) فرمایا: ایک روایت ہے کہ جب نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال رہا تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور پوچھا کہ اگر کسی خدمت کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) نے اس کے جواب
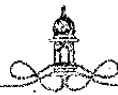
میں فرمایا:

أما إليك فلا وأما الله فهو يعلم مابي

تمہاری تو مجھے احتیاج نہیں۔ ہاں اللہ کی طرف محتاج ہوں۔ مگر وہ میرے حال کو خود جانتا ہے۔ (ص ۴۵۶)

(۶۲) فرمایا: ۱۸۵۷ء کے جہاد میں دہلی کے چند بزرگ ایک مکان میں محصور ہوگئے۔ باہر قتل عام ہو رہا تھا اس لئے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ پانی کا جتنا ذخیرہ مکان کے اندر موجود تھا وہ دو تین روز میں ختم ہوگیا۔ جب پیاس سے عاجز ہوگئے، تو ایک بزرگ نے پیالہ لے کر پرنالے کے نیچے رکھ دیا اور دعا کی یا اللہ! میرے بس کا تو اتنا ہی کام تھا، آگے بارش برسانا آپ کا کام ہے۔ چنانچہ اللہ کے فضل وکرم سے بارش ہوئی اور سب لوگ سیراب ہوئے۔ (ص ۴۶۲)

(۶۳) فرمایا: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ طریق سلوک میں جمعیت خاطر رکھنا اور مشوشات سے دل کو پاک رکھنا ضروری ہے، غیر اختیاری افکار میں تو مضائقہ نہیں۔ لیکن بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ غیر ضروری افکار دل کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ (ص ۴۷۴)

(۶۴) فرمایا: واسطوں کی بھی عظمت کرنا پڑتی ہے۔ مگر وہ صرف واسطہ ہوتا ہے مقصد نہیں ہوتا۔ جیسے سارے بجلی کے بلب صرف ایک مرکزی پاور ہاؤس سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن روشنی بلب سے ہی ملتی ہے، پاور سے روشنی نہیں ملتی۔ روشنی اور ہوا کے لئے بلب اور پنکھا لانا ہی پڑے گا تو یہ واسطے بھی قابل قدر ہیں۔ لیکن حق تعالی کی ذات اصل مقصود ہے۔ (ص ۴۸۶)

(۶۵) فرمایا: آدمی کو چاہئے کہ خدا سے صحیح تعلق پیدا کرے پھر اللہ تعالی بڑے

بڑے متکبروں اور فرعونوں کی گردنیں اس کے سامنے جھکا دیتے ہیں۔
(ص ۴۸۷)

(۶۶) فرمایا: اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کا شمار نہیں ہوتا کہ کتنی نمازیں پڑھیں۔ کس قدر روزے رکھے۔ کتنے حج کئے، بلکہ وہاں بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ تعداد نہیں گنی جائے گی۔ (ص ۴۹۰)

(۶۷) فرمایا: قرآن کریم میں أَحۡسَنُ عَمَلًا [الملک: ۲] فرمایا گیا ہے أکثر عملاً نہیں فرمایا۔ ہر عمل میں حسنِ عمل کو دیکھا جائیگا کثرت عمل کو نہیں دیکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل کے وزن کے اعتبار سے جزا ملے گی۔ اعمال میں جس قدر اخلاص ہوگا۔ اسی قدر اعمال وزنی ہونگے۔ (ص ۴۹۱)

(۶۸) فرمایا: اخلاص کے دو اثر ہوتے ہیں ایک آخرت میں وزن بڑھنے کا، دوسرے نقد ثمرہ دنیا میں مخاطب پر اثر انداز ہونے کا۔ تجربہ شاہد ہے کہ اخلاص کے ساتھ جو بات کہی جاتی ہے وہ مؤثر ومفید ہوتی ہے۔ اور تلخ بھی ہوتی ہے تو ناگوار نہیں ہوتی۔ (ص ۴۹۲)

(۶۹) فرمایا: حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریق سے کہی جائے تو ضرور مؤثر ہوتی ہے۔ جہاں بات مؤثر نہیں ہوتی وہاں ان تینوں میں سے کسی بات کی کمی ہوتی ہے۔
(ص ۴۹۳)

(۷۰) فرمایا: شاہ اسحاق صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگوں میں سے ہیں، آپ کو بواسیر کا مرض تھا۔ ایک شخص نے ان سے عرض کیا کہ آپ نماز تو پڑھتے ہی ہیں۔ اگر آپ وتر کی تین رکعات میں سورۂ اذا جاء سے سورۂ اخلاص تک علی الترتیب تینوں رکعتوں میں پڑھ لیا کریں تو انشاء اللہ بواسیر کی شکایت نہ

ہوگی۔(ص ۴۵۹)

(۷۱) فرمایا: اکتالیس بار الحمد شریف پانی پر دم کر کے پینے سے بواسیر کو فائدہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالی۔(ص ۶۱۴)

(۷۲) فرمایا: رات کو دین کی کتابیں پڑھنا ساری رات عبادت کرنے سے افضل ہے۔(ص ۴۹۸)

(۷۳) فرمایا: میرا حال اب وہی ہے جو ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ موت محبوب ہوگئی ہے۔ لیکن زندگی مبغوض ہوگئی ہے۔ (ص ۵۰۰)

(۷۴) فرمایا: کسی نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا سب سے زیادہ نفع دینے والا ادب کونسا ہے؟ فرمایا دین کی سمجھ حاصل کرنا اور دنیا سے بے رغبتی کرنا یہی دین کی ساری فہم ہے۔ اور یہ کہ اللہ کی رضا معلوم کرے، اس کی ناپسند باتوں سے بچے، قرآن و حدیث سب کا خلاصہ یہی ہے کہ دین کی سمجھ مل جائے۔(ص ۵۰۲)

(۷۵) فرمایا: شیطان کا بھی ادب ہے وہ یہ کہ اس سے دشمنی اور عداوت کرتے رہو، شیطان اور اس کے بھائی کفار و مشرکین عدو اللہ ہیں ان سے عداوت رکھو، آج اپنے بھائی سے عداوت ہے مشرکین سے دوستی، یہ کہاں کا انصاف ہے؟(ص ۵۰۵)

(۷۶) فرمایا: خشوع و تواضع کے آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے، بات چیت میں، معاملات میں سختی نہ کرے، غصہ اور غضب میں آپے سے باہر نہ ہو۔ اور بدلہ لینے کی فکر میں نہ رہے۔(ص ۵۲۹)

(۷۷) فرمایا: تکرار عمل سے ہر عمل صعب (مشکل) سہل ہو جاتا ہے۔(ص ۵۴۹)

(۷۸) فرمایا: "نزہتہ البساتین" ایک کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ "روض الریاحین" ہے اس کو دیکھنا چاہئے، فوری طور پر حالات میں تبدیلی آتی ہے۔ کلام کا اثر ہوتا ہے۔ (اس کتاب میں اکابر اولیاء اللہ کی سبق آموز حکایات ہیں۔) (ص ۵۵۳)

(۷۹) فرمایا: میرے والد ماجد مولانا محمد یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ہم نے دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جب اس کے ایک چپراسی سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر ہر شخص ولی کامل تھا۔ دن کے وقت یہاں علوم وفنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر اور تلاوت قرآن سے گونجتا تھا۔ (ص ۵۶۰)

(۸۰) فرمایا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ سال میں پڑھی ہے، اور تم یہ چاہتے ہو کہ آٹھ سال پڑھ کر مولوی بن جاؤ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ "تعلمنا العلم والعمل" ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف علم نہیں سیکھا فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام ہے، بلکہ عمل بھی سیکھا ہے (ص ۵۸۵)

(۸۱) فرمایا: ذہن کی درستگی کے لئے ہر نماز کے بعد "یاعلیم" اکیس مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ (نیز امتحان میں کامیابی کے لئے) امتحان کے روز "یاعلیم" کثرت سے پڑھو۔ (ص ۵۹۶)

(۸۲) فرمایا: خوشگوار دنیا دین ہی کے ساتھ میسر ہوتی ہے، مسلمانوں کو تو شریعت سے الگ ہو کر دنیاوی ترقی نصیب ہو ہی نہیں سکتی۔ (ص ۶۰۵)

(۸۳) فرمایا: تعظیم کا نام ادب نہیں۔ ادب نام ہے راحت رسانی کا، استادوں کا ادب واحترام نہ کرنے کی وجہ سے علم میں سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے۔

عادۃ اللہ یہی ہے کہ استاد خوش راضی نہ ہو، تو علم نہیں آسکتا۔ (ص ۶۰۵)

(۸۴) فرمایا: بزرگوں کا ئ ونہ بننے ہی میں دین کی حفاظت ہے اور دنیا کی بھی عزت ہے، بزرگ کی شان کمال یہ ہے کہ کسی کو حقیر نہ سمجھے۔ (ص ۶۰۶)

(۸۵) فرمایا: سورۂ مزمل، سورۂ یٰسٓ کے فضائل اپنی جگہ مکمل اور اٹل ہیں۔ مگر دنیا کے فوائد حاصل کرنے کی نیت ہو تو وہ صرف دنیا ہے اس میں آخرت کا کوئی حصہ نہیں، ہاں! یہ نیت کرو کہ سورۂ یٰسٓ قلبِ قرآن ہے، آخرت کے حصول کا ذریعہ ہے، اور پھر تیسرے درجہ میں دنیا کے فوائد بھی ہیں۔ (ص ۶۰۸)

(۸۶) فرمایا: شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ جان لو اگر حق تعالیٰ کوئی چیز عطا نہیں فرماتے تو ان کا یہ نہ دینا بخل کی وجہ سے نہیں، بلکہ عین رحمت ہے، ان کا نہ دینا ہی دینا ہے، لیکن نہ دینے میں دینا وہ ہی سمجھتا ہے جو صدیق ہے۔ (ص ۶۰۸)

(۸۷) فرمایا: کسی کی گواہی نہ دو اور کسی کے معاملے میں فیصلہ کنندہ نہ ہو۔ (۶۱۰)

(۸۸) فرمایا: ''آزادئ رائے'' یا ''ریسرچ'' اور تحقیق کے حسین عنوانات کے فریب میں آکر اگر ہم نے اسلاف کے اعتماد اور عظمت وصحبت کو ضائع کر دیا تو یقین کیجئے کہ یہ ہمارے لئے بڑا مہنگا سودا ہوگا۔ تحقیق ہمارے ہاتھ نہ آئے گی اور اسلاف کی ڈگر ہم سے چھوٹ جائے گی۔ (ص ۶۱۱)

(۸۹) فرمایا: جہنم میں جو شخص داخل ہوگا، ادنیٰ مدت اس کے لبث (ٹھہرنے) کی سات ہزار سال ہوگی۔ (ص ۶۱۴)

(۹۰) فرمایا: آج کل لوگ منکوحہ میں حسن و جمال کو دیکھتے ہیں۔ حالانکہ راحت اور فتنوں سے حفاظت آج کل اسی میں ہے کہ بیوی زیادہ حسین وجمیل نہ ہو، حسن و جمال کی کمی قدرتی وقایہ ہے۔ فرمایا حسن و جمال اللہ کی نعمت ہے لیکن

اس میں احتمال فتنہ کا غالب ہے۔(ص ۶۱۴)

(۹۱) فرمایا: ایک اللہ والے نفلی حج کے لئے چلے تو سفر میں ان کی ایک جگہ فرض نماز چھوٹ گئی تو وہ راستے ہی سے واپس لوٹ آئے کہ ایسے نفلی حج کو نہ جانا ہی بہتر ہے کہ جس کے لئے فرض نماز قضاء ہو جائے۔ چنانچہ حج کو نہیں گئے۔

(۹۲) فرمایا: حج فرض والوں کو تو حج کے واسطے جانا ہی چاہئے۔ وہاں مردوزن کا اختلاط بڑا سخت ہو گیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تو ایسے اختلاط کے ساتھ نماز ہی نہیں ہوتی۔ ہم لوگ دوسرے ائمہؒ کے فتوؤں کے مطابق جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جس آدمی کے ذمہ حج نہیں وہ تو بس عمرہ ہی کرلے تو اچھا ہے۔ (ص ۶۲۲)

(۹۳) فرمایا: اپنے بہت سے نیک بندوں کو اللہ تعالیٰ آزمائشوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اللہ والوں کے لئے آزمائش و تکلیف کوئی نئی بات نہیں وہ تو دردسران کو دیتے ہیں جنہیں اپنا بناتے ہیں۔ (ص ۶۲۲)

(۹۴) فرمایا: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم اگر اپنی اصلاح کرلیں، تو تمام دنیا سدھر سکتی ہے۔ اور بغیر کسی ظاہری تبلیغ کے بھی بہت کچھ سدھر سکتی ہے۔ ہمارے اسلاف نے الفاظ سے زیادہ کردار سے اسلام کی تبلیغ کی ہے۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر ص ۱۶)

(۹۵) فرمایا: اگر ہم اپنے بزرگوں کے تبحر علمی اور باطنی کمالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کرتے تو ہمیں اپنے قدیم اسلاف، تابعین، تبع تابعین کے حیرت ناک دینی کمالات کا مشاہداتی علم نہ ہو سکتا۔ (ص ۹۷)

(۹۶) فرمایا: تجربہ شاہد ہے جب تقویٰ اور خوف خدا و آخرت غالب ہوتا ہے تو بڑے بڑے جھگڑے منٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں۔ باہمی منافرت کے

پہاڑ گرد بن کر اڑ جاتے ہیں۔ (ص ۳۲۵)

(۹۷) فرمایا: وقت کو کسی نہ کسی کام میں لگاؤ۔ خواہ وہ کام دنیا کا ہو یا دین کا۔ (ص ۳۲۷)

(۹۸) فرمایا: سورۂ مدثر کی آیت وَبَنِينَ شُهُودًا [المدثر: ۱۳] کہ اولاد کا پاس حاضر اور موجود ہونا اللہ کی ایک مستقل نعمت ہے۔ (ص ۳۳۳)

(۹۹) فرمایا: میں اپنی اولاد، اہل وعیال، احباب واصحاب اور تمام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس زندگی ایک ایک لمحہ وہ گوہر نایاب ہے جس کی قیمت دنیا ومافیہا نہیں ہوسکتی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی دائمی نعمتیں خریدی جاسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس بھاری نعمت کو اس کی نافرمانیوں میں صرف کرنے سے بچیں۔ عمر کی جو مہلت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے اس کے ایک ایک منٹ کی قدر کریں۔ (ص ۳۵۱)

(۱۰۰) فرمایا: شکر گذار بندوں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ تکلیفوں کا شکوہ کرنے کے بجائے ان سینکڑوں انعامات خداوندی پر نظر رکھتے ہیں جو عین تکالیف کے دوران یا ان کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر مبذول رہتے ہیں۔ اگر انسان ان انعامات کا استحضار پیدا کر لے تو اسے دنیا کی کوئی تکلیف نا قابل برداشت محسوس نہ ہو۔ بلکہ تکلیف بھی راحت نظر آنے لگے گی۔ (ص ۴۴۸)

(۱۰۱) فرمایا: اردو زبان میں دو شاعر ایسے ہیں جنہوں نے اپنی شاعری سے دین کی خدمت کی ہے۔ اور اس سے دینی فکر کی اشاعت کا کام لیا ہے۔ ایک اکبر الہ آبادی مرحوم اور دوسرے ڈاکٹر اقبال مرحوم (ص ۴۶۸)

(۱۰۲) فرمایا: داعی کا کام بات پہنچانا ہے۔ اگر صحیح بات، صحیح نیت اور صحیح طریقے
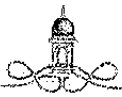
سے پہنچائی جائے تو کسی نہ کسی صورت میں مؤثر ضرور ہوتی ہے۔ (ص ۴۸۵)

(۱۰۳) فرمایا: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ نے تصنیف و تالیف کا جو غیر معمولی کام لیا۔ ظاہری اسباب میں اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ نے استقصا کی فکر کرنے کے بجائے جتنی مفید بات جس وقت زیر قلم آگئی۔ اسے مزید کے انتظار میں نہیں ٹلایا۔ بلکہ اسے لکھ کر شائع فرما دیا۔ تکمیل اور اضافے بعد میں بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو بات مفید ہو۔ اسے استقصا کے انتظار میں ٹلانے سے ضروری بات بھی رہ جاتی ہے۔ (ص ۴۸۹)

(۱۰۴) فرمایا: اگر ہم خیال لوگوں سے کچھ داد وصول ہو گئی تو کیا فائدہ! اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے کتاب لکھی گئی تھی، اس سے فائدہ پہنچا، یا نہیں؟ (ص ۴۹۱)

(۱۰۵) عربی کا یہ مقولہ بکثرت فرمایا کرتے "الاستقصاء شؤم" ہر کام کو انتہا تک پہنچانے کی فکر میں نحوست ہوتی ہے۔ استقصا کے انتظار میں ٹلانے سے ضروری بات بھی رہ جاتی ہے۔ (ص ۴۸۱)

(۱۰۶) فرمایا: نکیر ہمیشہ منکر پر ہونی چاہئے اور غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے۔ لہٰذا بعض لوگ جو مباحات پر یا محض آداب مستحبات کے ترک پر نکیر کرنا شروع کر دیتے ہیں ان کا طرز عمل درست نہیں ہے۔ (ص ۴۹۵)

(۱۰۷) فرمایا: گھڑی اس نیت سے اپنے پاس رکھو کہ اس کے ذریعے اوقات نماز کی پابندی کر سکو گے اور وقت کی قدر و قیمت پہچان سکو گے۔ (ص ۵۰۶)

(۱۰۸) فرمایا: تھوڑی آمدنی میں کام چلانے کے لئے بخل کی نہیں انتظام اور قناعت کی ضرورت ہے۔ اگر انسان اپنی آمدنی کو انتظام کے ساتھ خرچ کرے، تو

تھوڑی رقم میں بھی کام بن جاتا ہے۔ اور بدنظمی سے کرے تو قارون کا خزانہ بھی ناکافی ہو۔ (ص ۵۰۷)

(۱۰۹) فرمایا: لوگ معاشی تنگی دور کرنے کے لئے آمدنی بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ حالانکہ آمدنی کا بڑھنا غیر اختیاری ہے۔ اور جو کام اپنے اختیار میں ہے، اسے پہلے کرنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ اخراجات کم کئے جائیں۔ اور قناعت اختیار کی جائے۔ (ص ۵۰۷)

(۱۱۰) فرمایا: زکوۃ کی ادائیگی کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ روپیہ اپنے پاس سے نکال دیا جائے۔ بلکہ اس کو صحیح مصرف تک پہنچانا بھی انسان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اس لئے حکم یہ نہیں ہے کہ "زکوۃ نکالو" بلکہ حکم یہ ہے کہ "زکوۃ ادا کرو"۔ (ص ۵۱۱)

(۱۱۱) فرمایا: آج کا انسان دنیا کے ہوشیار ترین جانور سے زیادہ کچھ نہیں رہا۔ اس کو احسان وانعام صرف وہ چیز نظر آتی ہے جو اس کے پیٹ اور نفسانی خواہشات کا سامان مہیا کرے۔ اس کے وجود کی اصل حقیقت جو اس کی روح ہے، اس کی خوبی اور خرابی سے وہ یکسر غافل ہو گیا ہے۔ (ص ۵۳۶)

(۱۱۲) فرمایا: بددیانتی سے کسی کے حق کو غصب کر لینا تو گناہ عظیم ہے ہی۔ حسابات و معاملات کو مجمل، مبہم یا مشتبہ رکھنا بھی بہت خطرناک غلطی ہے۔ جس کا نتیجہ بعض اوقات بددیانتی ہی کی شکل میں نکلتا ہے۔ بعض لوگوں کی نیت بددیانتی کی نہیں ہوتی، لیکن معاملات کے گڈمڈ ہونے کی وجہ سے بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (ص ۵۱۲)

(۱۱۳) فرمایا: لوگوں نے آداب معاشرت کو دین سے خارج ہی سمجھ لیا ہے اور ان باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ مشترک استعمال کی چیزوں کی جو جگہ مقرر ہو،

اسے وہاں سے بے جگہ لے جانا مروت اور اخلاق ہی کے خلاف نہیں، اس لحاظ سے بڑا گناہ بھی ہے کہ ضرورت کے وقت چیز اپنی جگہ پر نہیں ملتی۔ تو اس سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اور کسی مسلمان کو ایذاء پہنچانا بہت بڑا گناہ ہے۔ (ص ۵۱٦)

(۱۱۴) فرمایا: اہل علم کی تذلیل وتحقیر میں ایک طرف تو علماء کی دنیوی رسوائی ہے۔ دوسری طرف ذلیل سمجھنے والے کے دین وایمان کے لئے بھی بڑا خطرہ ہے، بعض اوقات علماء کی تذلیل کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اور پتہ بھی نہیں چلتا۔ اور اس سے بھی بڑا خطرہ یہ ہے کہ اگر وہ عالم اللہ والا بھی ہے تو ذلیل سمجھنے والے پر دنیا میں بھی عذاب کا اندیشہ ہے۔ آخرت کا معاملہ اللہ جانے۔ (ص ۸۹۲)

(۱۱۵) حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل فرمایا: کہ ہم تو آدمی نہ بن سکے لیکن ہم نے ایسے آدمیوں کو دیکھا ہے کہ ان بعد ہمیں کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ فرماتے ہیں کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ بزرگوں کے واقعات پر یہ مصرعہ پڑھا کرتے۔

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخاست ہوئی

(۱۱٦) بارہا فرمایا: کہ مجھے دارالعلوم کے لئے کسی بڑے محقق کی ضرورت نہیں، مجھے تو اللہ والے چاہئیں۔ خواہ محقق بالکل نہ ہوں۔ (ص ۹۰۰)

(۱۱۷) فرمایا: کہ کسی ذمہ دار کی ذمہ داری صرف اسی پر ختم نہیں ہوتی کہ وہ کسی اہل، صالح اور دیانت دار آدمی کا انتخاب کرکے فارغ ہوجائے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی ذمہ داری میں اس کی نگرانی بھی داخل ہے۔ (ص ۹۰۱)

(۱۱۸) فرمایا: اگر تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ بدعتوں کو چھوڑ دیں۔ اور صرف سنت طریقوں کو اپنائیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ صرف اس معاملہ اور کام میں یہ بیان کر دو کہ اس میں سنت یہ ہے۔ اور اگر اس سنت پر عمل کیا گیا تو یہ اچھائیاں ہیں اور اگر خدانخواستہ اس سنت کو ترک کر دیا گیا تو پھر یہ خرابیاں ہیں۔ اگر تم نے اس طریقے کو اپنا لیا تو انشاء اللہ تم دیکھو گے کہ کچھ ہی عرصے میں لوگوں کے اندر ایک انقلاب پیدا ہو جائیگا۔ اور وہاں جو بدعت رائج تھی وہ رفتہ رفتہ اپنی موت آپ مرجائے گی اور اس کی جگہ سنت جاری ہو جائے گی۔ (ص ۹۱۲)

(۱۱۹) فرمایا: دعائے استخارہ پڑھنے کا مطلب اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کرنا ہے۔ اور دعائے خیر کرنے کے بعد جو بھی ہو اس پر ندامت نہیں ہوتی۔ باقی اس کا مطلب اللہ تعالیٰ سے مشورہ کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ مشورہ تو دوستوں سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہوتی ہے اور دعاءِ استخارہ پڑھنا سنت ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد سات دن کے اندر اندر ایک طرف رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ بس اسی میں خیر تصور کرے۔ فرمایا میں تو ایک چھوٹا سا استخارہ پڑھ لیتا ہوں۔ نماز کے بعد یا سوتے وقت اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے وہ یہ ہے "اللھم خر لی واخترلی"۔ یہ گیارہ مرتبہ پڑھا کریں۔ (ص ۹۶۳)

(۱۲۰) فرمایا: راہ سلوک میں اصل وظائف نہیں بلکہ تہذیب اخلاق ہے، پہلے آدمیت آجائے تو بہت جلد وصول ہو جاتا ہے۔ جب تک آدمی رگڑے نہ کھائے آدمی نہیں بنتا۔ اور رگڑے لگتے ہیں شیخ کی خدمت میں رہ کر۔ اس کی خدمت اور اس کے کام دھندے کرنے میں، کیونکہ کام دھندا کرنے،

اٹھنے بیٹھنے میں اس کی غلطیاں معلوم ہوتی ہیں۔ پھر ان پر تنبیہ کی جاتی ہے، نہ یہاں برکت ہے نہ علم غیب۔ یہاں تو حرکت کی ضرورت ہے۔ (ص ۹۶۴)

(۱۲۱) فرمایا: شیخ سے مناسبت پیدا کرنی چاہئے۔ تب جا کر کچھ حاصل ہوتا ہے اور مناسبت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ شیخ کی عادات و اخلاق کو دیکھ کر ویسی ہی اپنی عادت بنانے کی کوشش کرے اور سارے سلوک کا خلاصہ سنت کی پیروی کرنا ہے اور کچھ نہیں۔ (ص ۹۶۴)

(۱۲۲) فرمایا: تبلیغ دین امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تو اس لئے پڑھوائی تھی کہ تم اپنے عیوب تلاش کرو، خالی مطالعہ مقصود نہیں۔ (ص ۹۶۵)

(۱۲۳) فرمایا: مسلمان جن غلطیوں میں مبتلا ہیں، ان کو بیان کرے اور ان کو صحیح طریقہ بتلائے اور جو تکالیف آئیں ان پر صبر کرے۔ (ص ۹۶۶)

(۱۲۴) فرمایا: کُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ [التوبۃ: ۱۱۹] کے امر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صادقین ہر زمانے میں موجود رہیں گے۔ کوئی زمانہ ان سے خالی نہ ہوگا۔ ورنہ یہ جو امر الٰہی ہے کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ، اس پر حرف آئے گا کہ جب صادقین نہیں ہیں تو کس کے ساتھ ہو جائیں۔ سو جب تک ''کونوا'' کا امر ہے، صادقین کا وجود بھی ضروری ہے مَنْ جَدَّ وَجَدَ۔ (ص ۹۶۶)

(۱۲۵) فرمایا: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا ہوا تھا کہ مجھے میرے عیوب کی اطلاع دے دیا کرو۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے تو خود کو رہبر کامل نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا ہوا تھا۔ ''المیت فی ید الغسال'' کی طرح رہتے تھے۔ نیز صحابہ کرام آپس میں اپنے متعلق پوچھ گچھ رکھتے تھے۔ (ص ۹۶۶)
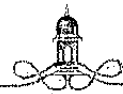
(۱۲۶) فرمایا: شیخ سے مناسبت کا مقصد یہ ہے کہ اسے یوں سمجھے کہ دنیا میں میری اصلاح کے لئے ان سے بہتر اور کوئی نہیں ہے۔ شیخ کی خدمت میں لگا رہے۔ بغیر خدمت کے مناسبت پیدا نہیں ہوتی۔ اور خدمت کرتے کرتے دل سے دعا نکلتی ہے۔ بس اسے ہی نظر کہتے ہیں، اس دعا سے کام بن جاتا ہے۔ (ص ۹۶۹)

(۱۲۷) فرمایا: نماز کی ادائیگی کی ظاہری وباطنی اصلاح کرے۔ اور کچھ نہ کچھ انفاق بھی کیا کرے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کمائی کا ایک تہائی خیرات کر دیا کرتے تھے۔ اس لئے عالم کو انفاق فرض کے ساتھ کچھ انفاق نفل بھی کرنا چاہئے۔ (ص ۹۶۷)

(۱۲۸) فرمایا: خشوع، ظاہری سکون اور خضوع، باطنی سکون کو کہتے ہیں۔ نماز کے اندر خشوع اور خضوع دونوں ہونے چاہئیں۔ (ص ۹۶۸)

(۱۲۹) فرمایا: برکت کی تشریح یہ ہے کہ آمدنی اپنی ہی ذات پر خرچ ہو۔ دوسروں پر نہ لگے۔ جیسے ڈاکٹر، وکیل وغیرہ۔ برکت والی کمائی ان پر خرچ ہونے سے بچی رہتی ہے۔ حلال کمائی کی برکت سے اللہ تعالیٰ ایسی آفتوں سے اسے بچائے رکھتے ہیں۔ (ص ۹۶۹)

(۱۳۰) فرمایا: عمل کی ہمت وتوفیق کسی کتاب کے پڑھنے یا سمجھنے سے پیدا نہیں ہوتی۔ اس کی صرف ایک ہی تدبیر ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اور ان سے ہمت کی تربیت حاصل کرنا، اسی کا نام تزکیہ ہے، قرآن کریم نے تزکیہ کو مقاصد رسالت میں ایک مستقل مقصد قرار دے کر تعلیمات اسلام کی نمایاں خصوصیت کو بتایا ہے۔ (ص ۹۷۰)

(۱۳۱) فرمایا: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال تک رحمت باری تعالیٰ

کے موضوع پر وعظ فرماتے رہے۔اس کے بعد خیال آیا کہ کبھی لوگ رحمت باری تعالیٰ کو سن کر اعمال صالحہ کرنے سے نہ رک جائیں۔ چنانچہ ایک روز شیخ نے خوف باری تعالیٰ کے موضوع پر وعظ فرمایا جس کا لوگوں پر اتنا اثر ہوا کہ جلسہ میں سے چار پانچ آدمی فوت ہو گئے۔ شیخ پر عتاب ہوا کہ کیا میری رحمت چالیس سال میں ختم ہوگئی؟

(۱۳۲) فرمایا: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں پانچ صد پگڑیاں شمار کی جاتی تھیں۔ مراد اس سے علماء ہوتے تھے، اس زمانہ میں طلباء پگڑی نہیں باندھا کرتے تھے۔ بلکہ پگڑی پورا عالم ہی باندھا کرتا تھا۔غور کرو طلباء اور عوام کی کتنی کثرت ہوگی۔(ص ۹۷۳)

(۱۳۳) فرمایا: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء العلوم کی کتاب الخوف کا مطالعہ نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ امام صاحب نے اس حالت میں لکھی ہے جبکہ ان پر خوف کا غلبہ تھا۔ اس کے پڑھنے سے بعض دفعہ انسان خدا کی رحمت سے مایوس ہو کر خیال کرنے لگتا ہے کہ میری مغفرت بھی ہوگی یا نہ ہوگی۔

(۱۳۴) فرمایا: ذکر کی بنیاد یہ ہے کہ ذکر خوب توجہ سے کرے اور انسان کا دل ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ اور یہ دولت، کثرت ذکر اور صحبت اولیاء سے حاصل ہوتی ہے۔

(۱۳۵) فرمایا: لوگ مصلحت بینی میں بہت افراط میں مبتلا ہیں۔حتیٰ کہ اچھے خاصے دیندار سمجھدار لوگ بھی مبتلا ہیں۔ اور کہتے ہیں بھئی کیا کریں حالات نے ایسا مجبور کیا۔ کرنا ہی پڑا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ مصلحت بینی دفع مضرت تک تو جائز ہے۔جلب منفعت کے لئے جائز نہیں۔(ص ۹۷۴)

(۱۳۶) فرمایا: جب تک آدمی شیخ کی صحبت میں نہ رہے، اس کی سختی برداشت نہ

کرے (بلکہ اس زمانہ میں تو لوگ نرمی بھی برداشت نہیں کرتے) فائدہ نہیں ہوتا۔ (ص ۹۷۵)

(۱۳۷) فرمایا: کان میں شور وغل کی آواز آنا بھی ایک عذاب ہے اور بہت بڑی تکلیف ہے، دیکھو حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ خدیجہ کو اس کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام فرما دیجئے۔ اور جنت میں ان کے لئے ایک ایسے گھر کی خوشخبری دیجئے جو موتی کا ہوگا، جس میں نہ شور وشغب ہوگا نہ کوئی تھکان ہوگی، معلوم ہوا کہ شور وغل کی آواز سے محفوظ رہنا ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

(۱۳۸) فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو چکیاں عطا فرمائی ہیں۔ ایک پیٹ میں یعنی معدہ، اور دوسری منہ میں یعنی دانت، اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جب بڑھاپے میں اندر کی چکی خراب ہوتی ہے تو باہر کی چکی کو بھی ناکارہ کر دیا جاتا ہے۔ (ص ۹۹۲)

(۱۳۹) فرمایا: میں مدرسین میں محققین تلاش نہیں کرتا۔ جو شخص کتاب اچھی طرح سمجھا دے اسی سے کام چلا لیتا ہوں۔ آدمی مدرس ہو، مفہم ہو، صالح ہو، مفسد نہ ہو بس یہ کافی ہے، اگر محقق ہوا اور مفسد ہوا تو مدرسہ اور طلبہ کا علم وعمل سب تباہ ہو جائے گا۔ (ص ۹۹۳)

(۱۴۰) فرمایا: کہ دار العلوم دیوبند کا ایک وہ زمانہ تھا کہ مہتمم سے لے کر دربان اور چپراسی تک ہر شخص صاحب نسبت تھا۔ (ص ۹۹۳)

(۱۴۱) جو لوگ وضو کر کے باتوں میں یا منہ پونچھنے میں مشغول رہ جاتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ رکوع سے پہلے پہلے مل جائیں گے، ان سے فرماتے کہ جیسے ہی آؤ،

امام کے ساتھ نماز میں مل جاؤ۔ جتنی نماز نکل جائے گی، اس کا ثواب کم ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا ارشاد موطا امام مالک سے نقل فرماتے تھے کہ (یعنی) جس سے سورۂ فاتحہ کی قراءت چھوٹ گئی تو اس سے بہت زیادہ خیر فوت ہو گئی۔ (ص ۹۹۵)

(۱۴۲) فرمایا: اکابر دیو بند کے کمالات کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا کرتے تھے: کہ میں نے ایک مصرعہ کہا ہے جس کا مصرعِ ثانی اب تک کوئی نہ کر سکا۔

ایک مجلس تھی فرشتوں کی جو برخاست ہو گئی

(ص ۱۰۰۴)

(۱۴۳) فرمایا: فوجی جوان جس طرح ملک وملت کی مادی طاقت ہیں اسی طرح نوجوان طلباء اس کی اخلاقی اور روحانی طاقت بن سکتے ہیں۔ جو مادی طاقت سے کہیں زیادہ کامیاب اور نا قابلِ تسخیر طاقت ہے۔ (ص ۱۰۰۲)

(۱۴۴) فرمایا: ضرورت کے بقدر کمایا کرو۔ اگر خرچ پانچ روپے ہے تو سات کمانے کی فکر مت کرنا (اس چھوٹے سے فقرہ میں مسلمانوں کی زندگی کے لئے بیش بہا نصیحت ہے۔ زندگی کی آدھی دوڑ کم ہو جاتی ہے)

(ص ۱۰۷۷)

(۱۴۵) فرمایا: کسی سے بات کرتے وقت یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کو کس چیز کی کتنی ضرورت ہے۔ اسی کے مطابق وہ چیز گفتگو میں ڈالنی چاہئے۔ محض اپنی طبیعت سے مغلوب ہو کر حد سے تجاوز نہ کرنا چاہئے (ص ۱۱۰۷)

(۱۴۶) فرمایا: میں نے اپنی زندگی میں ماں باپ کی خدمت کر کے دعائیں لینے والا کوئی شخص محروم نہیں دیکھا۔ اس کا اجر آخرت میں تو ملتا ہی ہے۔ دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ اس کا صلہ ضرور دیتا ہے۔ (ص ۱۱۳۹)
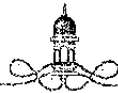
(۱۴۷) فرمایا: بندہ اللہ تعالیٰ کا تابعدار ہوجائے تو دنیا کی ہر شے اس کی تابعدار ہوجاتی ہے۔(ص ۱۱۴۸)

(۱۴۸) فرمایا: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ وملفوظات دیکھا کریں۔ ان کے پڑھنے میں بہت نفع ہے۔ کیونکہ یہ حضرات ابناء آخرت میں سے تھے، ان کے کلام پڑھنے والے کو بھی آخرت کی فکر ہوجاتی ہے۔(ص ۱۱۷۹)

(۱۴۹) فرمایا: حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ تین سو اکتالیس مرتبہ پڑھنا حل مشکلات کا وظیفہ ہے۔

(۱۵۰) فرمایا: لوگ حجر اسود کو چومنے کے جوش میں دوسروں کو دھکے مار کر اور دھینگامشتی کر کے چوم لیتے ہیں۔ حالانکہ چومنے کی شرعاً ایک شرط بھی ہے یعنی یہ کہ کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر چومے۔ مگر لوگ اس شرط کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور دوسروں کو ایذا رسانی کر کے بجائے ثواب کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔(ص ۱۱۸۸)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ارشادات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ارشادات وملفوظات

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان

درج ذیل ملفوظات محترم جناب مولانا مشتاق احمد صاحب زید مجدہم نے ماہنامہ البلاغ (ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ) کے قارئین کو پیش کئے تھے، اب افادۂ عام کی خاطر مجموعۂ ہذا میں بھی شامل کر کے ہدیۂ ناظرین ہیں۔ مرتب

راہ سلوک میں اصل وظائف نہیں بلکہ تہذیب اخلاق ہے پہلے آدمیت آجائے تو بہت جلد وصول ہو جاتا ہے۔ جب تک آدمی رگڑے نہ کھائے آدمی نہیں بنتا اور رگڑے لگتے ہیں شیخ کی خدمت میں رہ کر، اس کی خدمت اور اس کے کام دھندے کرنے میں، کیونکہ کام دھندا کرنے اٹھنے بیٹھنے میں اس کی غلطیاں سامنے آتی ہیں پھر ان پر تنبیہ کی جاتی ہے، نہ یہاں برکت ہے نہ علم غیب، یہاں تو حرکت کی ضرورت ہے۔

 شیخ سے مناسبت پیدا کرنی چاہئے تب جا کر کچھ حاصل ہوتا ہے اور

مناسبت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ شیخ کی عادات و اخلاق دیکھ کر ویسی ہی اپنی عادات بنانے کی کوشش کرے اور سارے سلوک کا خلاصہ سنت کی پیروی کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک تو ظاہری اعمال ان کو فقہ کہتے ہیں دوسرے باطنی اعمال ان کو تصوف کہتے ہیں، سو جس طرح ظاہری فرائض اور واجبات پر عمل کرنا ضروری ہے اور محرمات سے اجتناب لازم ہے اسی طرح باطنی اعمال میں بھی جو فضائل ہیں ان پر عمل کرنا ضروری اور رذائل سے اجتناب لازم ہے، بلکہ باطنی اعمال تو ظاہری اعمال کے لئے بمنزلۂ جڑ اور بنیاد کے ہیں اس لئے باطنی اعمال کی اصلاح زیادہ قابل توجہ ہے، فضائل یہ ہیں: صبر، شکر، توحید، صدق، توکل، محبت، شجاعت، سخاوت، مراقبہ، محاسبہ وغیرہ، رذائل یہ ہیں: حسد، ریا، کبر، بغض، کینہ، عجب، شہوت، نخوت، رعونت، آفاتِ لسان وغیرہ۔

اپنے عیوب پہچاننے کے چار طریقے ہیں:

(۱) رہبر کامل مل جائے جو اپنی بصیرت خدا داد سے، اپنی فراست سے پہچان لے۔

(۲) ایسے احباب مل جائیں جو خلوص کے ساتھ نگاہ رکھیں اور عیوبِ نفس پر آگاہ کریں۔

(۳) دشمن جو برائیاں چھانٹے اور کہے، تو اپنے اندر غور کرتا رہے کہ یہ برائیاں مجھ میں ہیں یا نہیں، کیونکہ دشمن چھانٹ

چھانٹ کر، ڈھونڈ ڈھونڈ کر عیب نکالتا ہے۔

(۴) دوسروں کے جو عیب دیکھے تو اپنے اندر خوب غور کرے کہ یہ عیب خود میرے اندر تو نہیں۔

لوگ مصلحت بینی میں بہت افراط میں مبتلا ہیں حتی کہ اچھے خاصے دیندار، سمجھدار لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں اور کہتے ہیں کہ بھئی کیا کریں حالات نے ایسا مجبور کیا کہ کرنا ہی پڑا۔ ایسا ہرگز جائز نہیں بلکہ مصلحت بینی دفع مضرت تک تو جائز ہے جلب منفعت کے لئے جائز نہیں۔

ایک بار طلباء سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انسانوں کی چار قسمیں ہیں:

(۱) جن کے نہ دل میں دنیا ہے اور نہ ہی ہاتھوں میں دنیا ہے، بہت سے انبیاء کرام (علیہم السلام) اور اولیاء اللہ ایسے ہوئے ہیں۔

(۲) وہ جن کے دل میں دنیا نہیں مگر ہاتھوں میں دنیا رہی۔ بعض انبیاء اس طرح کے ہوئے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام، اور بہت سے اولیاء اللہ بھی اس طرح کے ہوئے ہیں جیسے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہ ان کے شاہانہ انداز کا یہ حال تھا کہ روزانہ ایک نیا جوڑا بدلتے تھے اور پھر کبھی دوبارہ وہ جوڑا بدن پر نہیں آتا تھا۔

(۳) وہ جن کے دل میں دنیا ہے اور ہاتھوں میں بھی دنیا، جیسے اکثر مالدار ایسے ہی ہوتے ہیں۔

(۴) وہ جن کے دل میں تو دنیا ہے مگر ہاتھ دنیا سے خالی ہیں۔

ان چاروں میں سب سے خسارہ والا چوتھے نمبر والا شخص ہے جس کے ہاتھ دنیا سے خالی اور دل دنیا اور حب دنیا سے لبریز ہے، یہ شخص انتہائی قابل رحم، مسکین اور حقیقی مفلس ہے۔ اگر ہماری نیت تحصیل علمِ دین سے معاذ اللہ حق تعالیٰ کی رضا نہیں بلکہ دنیا کمانا مقصود ہے جیسا کہ عام رواج ہے کہ اس لئے پڑھتے ہیں کہ پڑھ کر کہیں مدرس ہو جائیں گے، امام و خطیب بن جائیں گے تو ایسا شخص خسِرَ الدُّنیا والاٰخِرَۃ کا مصداق ہے کیونکہ دنیا تو اس راستے میں کبھی ہوئی نہیں، ہاں آخرت حاصل ہوا کرتی ہے اس لئے دونوں جہاں میں ذلت ورسوائی اس کا مقدر ہوئی اور دونوں جہاں برباد ہوئے، لہٰذا محض حق تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھو اور اس پر عمل کرو۔

ظاہر ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے محض راستے کا جان لینا کافی نہیں، جب تک ہمت کر کہ قدم نہ اٹھائے اور راستہ پر نہ چلے اور ہمت کا نسخہ بجز اہل ہمت کی اطاعت کے اور کچھ نہیں، ورنہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت وزہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

عمل کی ہمت وتوفیق کسی کتاب کے پڑھنے یا سمجھنے سے پیدا نہیں ہوتی، اس کی صرف ایک ہی تدبیر ہے اور وہ ہے اللہ والوں کی صحبت اور ان سے ہمت کی تربیت حاصل کرنا، اسی کا نام تزکیہ ہے۔ قرآن کریم نے

تزکیہ کو مقاصد رسالت میں ایک مستقل مقصد قرار دے کر اسے تعلیمات اسلام کی نمایاں خصوصیت بتلایا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہی کافی نہیں کہ روپیہ اپنے پاس سے نکال دیا جائے بلکہ اس کے صحیح مصرف تک پہنچانا بھی انسان کی اپنا ذمہ داری ہے، اسی لئے حکم یہ نہیں ہے کہ زکوٰۃ نکالو، بلکہ حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ لہٰذا لوگوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ زکوٰۃ نکال کر جس کو چاہا پکڑا دی۔ اس سے ذمہ داری پوری نہیں ہوتی، بلکہ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ ایسے مستحقین کی ایک فہرست نگاہ میں رکھے جو کسی سے مانگتے نہیں لیکن ضرورت مند ہیں۔

اردو زبان میں دو شاعر ایسے ہیں جنہوں نے اپنی شاعری سے دین کی خدمت کی ہے اور اس سے دینی فکر کی اشاعت کا کام لیا ہے، ایک اکبر الٰہ آبادی مرحوم ہیں اور دوسرے ڈاکٹر اقبال مرحوم۔ ان دونوں میں سے اکبر الٰہ آبادی کے یہاں فکری سلامتی اقبال مرحوم کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے، اکبر مرحوم کی فکر ٹھیٹھ دینی فکر ہے اور ان کے یہاں حکمت کی بھی فراوانی ہے۔ اقبال مرحوم کی فکر بھی اگرچہ مجموعی اعتبار سے دینی فکر ہے مگر اس میں اس درجہ سلامتی نہیں۔

اس کے باوجود یہ بات واضح طور سے نظر آتی ہے کہ اقبال کی شاعری جتنی مؤثر ہوئی اور اس سے جتنا فائدہ پہنچا، اکبر مرحوم کی شاعری اس درجہ مؤثر نہیں ہوئی۔ میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ اکبر مرحوم نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے طنز وتعریض کا طریقہ اختیار کیا اور طنز کی

خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ہم خیال لوگ لطف تو محسوس کرتے ہیں لیکن اس سے کوئی مؤثر اصلاحی کام نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات مخالفین میں ضد پیدا ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں کو باجماعت نماز ادا کرنے اور روزانہ علی الصبح تلاوت کلام پاک کرنے کی تلقین

حضرت مفتیٔ اعظم اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کی تقریروں کا خلاصہ جو مجلس صیانۃ المسلمین کی طرف سے منعقدہ جہاد کانفرنس میں فرمائی گئیں پیش خدمت ہے، جو نوائے وقت (۲۱ نومبر ۱۹۶۵ء) میں شائع ہوا۔ مرتب

چھ ۶ ستمبر کو ختم ہونے والی برائیوں کو معاشرہ میں دوبارہ سر نہ اٹھانے دیں۔ (مفتی محمد شفیع)

لاہور، ۲۰ر نومبر (نمائندۂ خصوصی) مولانا مفتی محمد شفیع نے کہا ہے کہ باجماعت نماز ادا کرنے اور علی الصبح تلاوت کلام اللہ میں مسلمانوں کی عظمت وشوکت اور ترقی کا راز مضمر ہے آپ آج رات چوک ریگل میں مجلس صیانۃ المسلمین کے زیر اہتمام دوروزہ جہاد کانفرنس کا افتتاح کر رہے تھے۔ آپ نے اپنی افتتاحی تقریر میں بھارتی افواج کے بزدلانہ حملوں کا دندان شکن جواب دینے پر پاکستانی افواج کے شیر دل جوانوں کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے کہا کہ جنگ نے پوری قوم کو بیدار کر کے متحد کر دیا ہے۔ آپ نے کہا یہ اتحاد قوم کو پچاس برس کی

کوشش سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا ہے، اور یہ سب جہاد کی برکت ہے، اللہ تعالیٰ نے پوری قوم کو اپنی رحمت سے نوازا ہے، آپ نے عوام پر زور دیا کہ وہ اب دوبارہ معاشرہ میں ان برائیوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیں جو ۶ ستمبر سے ختم ہوچکی ہیں، آپ نے کہا کہ ہمیں امن کے زمانہ میں قوت ایمانی پیدا کرنی ہے اور اس کے لئے ہمیں نماز با جماعت ادا کرنے کے علاوہ علی الصبح تلاوت قرآن پاک بھی کرنی چاہئے کیونکہ باجماعت نماز ادا کرنے اور صبح کلام اللہ کی تلاوت کرنے میں مسلمانوں کی ترقی اور عظمت کا راز مضمر ہے۔ آپ نے عوام کو تلقین کی کہ وہ سادہ زندگی بسر کریں اور تکلفات سے پرہیز کریں۔ جہاد کانفرنس کے اس اجلاس میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے بھی خطاب کیا۔

آپ نے کہا کہ برصغیر کے مسلمان پورے سو سال تک اسلامی مملکت کے قیام کے لئے کوشاں رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت قائد اعظم مرحوم کی کوششوں سے ملک حاصل ہوا تو بانئ پاکستان کی موت کے بعد قوم لہولعب میں پھنستی چلی گئی لیکن رحمت خداوندی جوش میں آئی اور اٹھارہ برس بعد یعنی ۶ ستمبر کو بھارتی حملے سے پھر بیدار ہوئی اور قوت ایمانی کی بدولت پوری قوم نے متحد ہوکر دشمن کے دانت کھٹے کئے۔ آپ نے کہا کہ اگر اب بھارت نے پھر اپنے روایتی کمینے پن کا مظاہرہ کیا۔ تو پاکستان کا بچہ بچہ اس کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے میدان عمل میں کود پڑے گا۔

مُلک کوموجودہ نظریاتی جنگ سے
زبردست سے زبردست خطرہ لاحق ہے
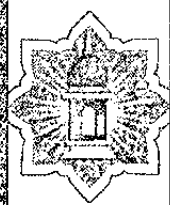
حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جناب اثر چوہان صاحب کا ایک چشم کشا انٹرویو جو روزنامہ ''وفاق'' لاہور کے ۲۵ جنوری ۱۹۷۰ (مطابق ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۸۹) کی اشاعت خاص میں شائع ہوا۔ مرتب

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نے کہا ہے کہ اسلام انفرادی ملکیتوں کی حفاظت کرتا ہے اور جو لوگ اسلام یا سوشلزم کے نام پر انفرادی ملکیت ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں دراصل وہ اسلام سے انحراف کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام میں تحدید ملکیت بھی نہیں۔ کوئی شخص اپنی محنت سے جس قدر چاہے ملکیت بنا سکتا ہے۔ انہوں نے اس بات کو بھی خلافِ اسلام قرار دیا کہ بعض لوگوں کی جاگیریں اور زمینیں ضبط کر لی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں سو پچاس ہی ایسے افراد ملیں گے جو جاگیروں اور زمینوں کے مالک ہیں۔ لیکن سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں نے اس مسئلہ کو بہت ہوا دی ہے۔ مفتی صاحب نے کہا کہ جاگیروں اور زمینوں کو ضبط کرنے سے ملک کے اقتصادی مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تمام جاگیروں اور زمینوں کی

گزشتہ سو سال کی مدت سے تحقیقات کرائی جائے اور اس امر کا پتہ چلایا جائے کہ ان جاگیروں اور زمینوں پر اسلام کے قانونِ وراثت کا اطلاق ہوا ہے یا نہیں اور اگر نہیں ہوا تو قانون وراثت کی رو سے حق داروں کو ان کا حق پہنچا دیا جائے یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔

کارخانے اور فیکٹریاں

جب ان سے پوچھا گیا کہ بعض کارخانہ دار مزدوروں اور کارکنوں کا استحصال کرتے ہیں، انہیں پوری مزدوری نہیں دیتے اور اس طرح سے ایک کارخانہ دار ایک ہزار افراد کی دولت پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ اس مسئلہ کا یہ حل نہیں کہ ان کارخانوں اور فیکٹریوں کو ضبط کر لیا جائے بلکہ حکومت کو چاہئے کہ وہ ایسے کارخانہ داروں کے امپورٹ ایکسپورٹ لائسنس، پرمٹ اور اسی طرح کی دوسری سہولتیں بند کر دے انہوں نے کہا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ پرمٹ اور لائسنس کا موجودہ طریقہ ختم کر دیا جائے۔ اجارہ داری خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اسلام کسی کا کارخانہ یا فیکٹری چھیننے کی اجازت نہیں دیتا۔ البتہ حکومت یہ کر سکتی ہے کہ آئندہ لائسنس اور پرمٹ کسی ایک شخص کو نہ دے بلکہ تقسیم کر کے دے۔ مثلاً داود ملز کئی میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اگر آئندہ اسے لائسنس اور پرمٹ تقسیم ہو کر ملے تو اسے اپنی ملز فروخت کرنی پڑے گی یا محدود کرنی ہو گی۔ مفتی صاحب نے کہا کہ اگر سب لوگ آپس میں بیٹھ کر مشورہ اور غور و فکر کریں تو اسلام کے اصولوں میں تحریف کئے بغیر مسائل حل کئے جا سکتے ہیں۔
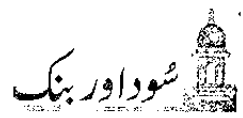
سود اور بنک

ایک سوال کے جواب میں مفتی صاحب نے بتایا کہ [اسلام][1] کی رو سے سود کا لین دین حرام ہے۔ آج کل ساری تجارت بنکوں کے ذریعہ ہوتی ہے اور بنکوں کی بنیاد سود پر ہوتی ہے۔ اس قسم کا قانون بنایا جائے کہ کوئی شخص بنکوں سے قرض نہیں لے سکے گا بلکہ اتنی ہی رقم سے تجارت کرے گا جتنی رقم اس کے پاس ہے آج کل ملک کے سب سے بڑے سرمایہ دار بنکوں سے روپیہ قرض لے کر تجارت کرتے ہیں جو قوم کی ملکیت ہوتا ہے۔ جس کے پاس ایک کروڑ روپیہ ہوتا ہے وہ بنک سے ۹ کروڑ روپیہ اور لیکر دس کروڑ روپے کی تجارت کرتا ہے اور جس کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا ہے وہ دس لاکھ روپے کی تجارت کرتا ہے اگر بنکوں سے روپیہ قرض لینے پر پابندی لگا دی جائے تو ہر شخص اپنے سرمائے سے تجارت کرے گا اور دولت چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوگی۔ مفتی صاحب نے یہ بھی کہا کہ درآمد و برآمد کے لائسنس اور پرمٹ ہر ضرورت مند کو جاری کئے جائیں۔ اس پر کسی ایک شخص کی اجارہ داری نہیں ہونی چاہئے تاکہ صحت مند مقابلہ میں چیزیں سستی ہوسکیں اور منافع کی شرح بھی کم ہوسکے۔ انہوں نے کہا کہ بنکنگ کے اصولوں کو اس طرح سے تبدیل کیا جائے کہ وہ سود اور قمار سے خالی ہوکر قوم کے لئے مفید ہوسکیں اور ان کا کاروبار بدستور جاری رہے اور اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بنکوں کو تجارتی لیمٹڈ کمپنیوں کی شکل دے دی جائے اور بنکوں میں رقم جمع کرنے والوں کو سود کی بجائے تجارت سے ہونے والے منافع میں سے حصہ دیا جائے۔

---

(۱) ہمارے پاس موجود اخبار کا یہ صفحہ یہاں سے کٹا ہوا ہے، لہٰذا یہ لفظ اندازہ سے لکھا گیا ہے۔ شاکر

سوشلزم اور کمیونزم

مفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ اس وقت اسلام اور سوشلزم کے نام سے ملک میں جو نظریاتی جنگ جاری ہے تو کیا ملک وملت کو اس سے کوئی خطرہ ہے۔ اگر ہے تو اس کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس نظریاتی جنگ سے ملک کو زبردست خطرہ ہے لیکن میرے خیال میں کسی خطرے سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس خطرے کے منشاء کو پہچانا جائے کہ وہ کہاں اور کن اسباب سے پیدا ہوا ہے اور اس خطرے میں جو دوسرے عوامل کام کرنے والے ہیں ان پر کڑی نظر رکھی جائے تا کہ ان کا سدّ باب کیا جاسکے۔ سوشلزم اور کمیونزم کے معاملے میں جہاں تک ہم نے غور کیا ہے اس کا اصل سرچشمہ سرمایہ دارانہ نظام ہے جس کے ذریعے ملک کی دولت سمٹ کر چند افراد یا جماعتوں میں مقیّد ہوکر رہ جاتی ہے۔ عوام مفلس ہوتے چلے جاتے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کافرانہ نظام میں تبدیل ہوتا چلا جاتا ہے۔ چونکہ اسلامی اصول کی رعایت بھی نہیں ہے اس لئے عوام پر طرح طرح کے ظلم کئے جاتے ہیں۔ مزدور کو اس کا حق محنت پورا نہیں دیا جاتا۔ عوام کے لئے جن چیزوں کو حق تعالیٰ نے وقفِ عام کیا تھا اور ہر شخص کو اس کے استعمال کی اجازت دی تھی اس پر بھی بڑے لوگ قبضہ کر کے عوام کا راستہ روک دیتے ہیں۔ چنانچہ جب عوام اپنے افلاس کو اور اس کے مقابلے میں دوسروں کی دولت کی فراوانی کو دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں وہ جذبات ابھرتے ہیں جو سوشلزم اور کمیونزم لے کر آتا ہے اور جب عوام میں جذبات پیدا ہوجاتے ہیں تو سوشلزم اور کمیونزم کا راستہ ہموار ہوجاتا ہے اور اس مصیبت کا حل ہمارے نزدیک اس کے سوا نہیں کہ ملک میں اسلامی قوانین رائج ہوں۔ سُود اور قمار حرام قرار دیا جائے اور سرمایہ دارانہ نظام کی منحوس پابندیاں ختم کی جائیں تو لوگ

محسوس کر لیں گے کہ اب سرمایہ دار اور مزدور کی طبقاتی جنگ کا کوئی موقعہ نہیں رہا۔ دوسری بات اس خطرے کے عوامل کی ہے۔ حالات کا تجزیہ کرنے سے ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کے عوامل بیرونِ ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ روسی نظام سے متعلق ہیں اور کچھ چین کے نظام سے۔ جن کے متعلق سب جانتے ہیں کہ ان کے نظام کی بنیاد خدا، رسالت اور آخرت کے انکار پر ہے جس کا اسلام تو کجا دنیا کے کسی بھی مذہب سے جوڑ نہیں لگ سکتا۔ ان عوامل کے ازالے کے لئے مملکت کا فرض ہے کہ باہر سے آنے والے اس لٹریچر کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیدیا جائے جو کمیونزم اور سوشلزم سے متعلق ہے۔ باہر سے آنے والے افراد پر کڑی نظر رکھی جائے۔ اس سلسلے میں عام مسلمانوں بالخصوص علماء پر بہت بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ سوشلزم اور کمیونزم کے عینِ کفر ہونے کو واضح کریں اور اس کے نتائج بد سے جو سوشلست ممالک میں کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ لوگوں کو آگاہ کریں اور اس فریب کا پردہ چاک کیا جائے جو کمیونزم یا سوشلزم پر اسلامی یا کتاب وسنت کے الفاظ کا لیبل چسپاں کر کے عام مسلمانوں کو دیا جارہا ہے۔

قائداعظم اور اقبال

مفتی صاحب سے دریافت کیا گیا کہ کیا قائد اعظم نے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح استعمال کی تھی اور کیا وہ بقول اصفہانی صاحب ایک مسلم سوشلسٹ ریاست بنانا چاہتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ قائداعظم کے بہت سے بیانات کھلے اور واضح ہیں کہ وہ اس ملک میں اسلامی نظام لانا چاہتے تھے اور اسی نام پر انہوں نے مسلمانوں کے ووٹ حاصل کئے تھے ہم قائداعظم کے [متعلق] ہرگز یہ رائے نہیں رکھ سکتے کہ انہوں نے قوم سے کئے ہوئے وعدہ سے انحراف کیا ہو یا دھوکہ اور فریب سے

کام لیا ہو۔ اس سوال کے جواب میں کہ بعض لوگوں کے مطابق علامہ اقبال اشترا کی جمہوریت میں خدا کے تصور کو شامل کرنے کو برا نہیں سمجھتے تھے اور اسے اسلام سے انحراف نہیں بلکہ اسلام کی اصل روح کی طرف لوٹنے کے مترادف قرار دیتے تھے، مفتی صاحب نے جواب دیا کہ مسئلہ دین کے اصول کا ہے اور کسی کی ذاتی رائے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

شہادت اور ووٹ

اس سوال کے جواب میں کہ کیا قرآنِ کریم نے مسلمان مرد اور عورت کی شہادت کو مساوی درجہ دیا ہے اور کیا موجودہ جمہوریت میں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی ووٹ دینے اور انتخاب لڑنے میں مساوی درجہ ملنے سے قرآن کریم کا یہ حکم متاثر نہیں ہوتا؟ مفتی صاحب نے کہا کہ قرآن کریم نے دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے برابر قرار دیا ہے لیکن شہادت کے مسئلہ پر ووٹ کے استحقاق کو قیاس کرنا میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ شہادت شرعی مسئلہ ہے اور ووٹ کا تعلق شہری حقوق سے ہے جس میں مرد اور عورت کو مساوی درجہ حاصل ہے۔

طبقاتی گروہ بندی

مفتی صاحب سے بعض لوگوں کے اس مطالبے [کے] بارے میں دریافت کیا گیا کہ ملک میں ہر طبقہ کی صحیح نمائندگی کے لئے اسمبلیوں میں کسانوں، مزدوروں، دانشوروں، علماء، وکلاء، اور محنت کشوں کے لئے الگ الگ نشستیں مخصوص کی جائیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ مطالبہ اسلام کے تو منافی ہے ہی جس کی رو سے مسلمانوں کو طبقاتی گروہوں میں تقسیم کر کے ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے بلکہ سیاسی طور پر بھی ناقابلِ عمل ہے اگر ایسا ہوا تو مزدوروں، تاجروں، زمینداروں کسانوں اور طلباء اور اساتذہ

کے الگ الگ گروہ بن جائیں گے اور ان پر کنٹرول کرنا آسان نہیں ہوگا۔

ووٹر کی عمر

مفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اس مطالبے کی حمایت کرتے ہیں کہ ووٹر کی کم از کم عمر ۲۱ سال کے بجائے ۱۸ سال مقرر کی جائے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسلام میں کم از کم ۱۵ سال کی عمر میں بلوغ مانا جاتا ہے اور ۱۸ سال کی عمر کسی شخص کے لئے باہوش ہونے کے لئے کافی ہے۔ اگر یہ مطالبہ تسلیم کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

بنگلہ دیش

مفتی صاحب سے دریات کیا گیا کہ مغربی پاکستان میں ون یونٹ ٹوٹ جانے کے بعد پرانے صوبے بحال ہوجائیں گے اور مختلف صوبوں کو پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے نام سے پکارا جائے گا۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر عوامی لیگ کے شیخ مجیب الرحمٰن نے بھی مشرقی پاکستان کا نام بنگلہ دیش تجویز کر دیا ہے اور حکومت سے اس تجویز کو منظور کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ یہ مطالبہ اپنی جگہ قابل اعتراض نہ ہوتا کہ جس طرح دوسرے صوبوں کو بحال کرتے وقت ان کے پرانے نام رکھے گئے ہیں یہاں بھی اسی طرح عمل کیا جائے لیکن اس فرق کو اس وقت نظر انداز کرنا بھاری غلطی ہوگی کہ پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کو ان کے قدیم ناموں سے موسوم کرنے میں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے کہ ان کا پیوند کسی غیر اسلامی ملک یا غیر اسلامی طبقوں سے لگ سکے گا بخلاف مشرقی پاکستان کے کہ اگر اس کو بنگلہ دیش کا نام دیا جائے تو پھر بنگلہ دیش میں مشرقی اور مغربی بنگال کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہیں رہتی اور اس سے وہی

رجحانات پرورش پاتے ہیں جو ملک کو تقسیم کرنے والے ہیں۔

چھ نکات اور خودمختاری

عوامی لیگ کے چھ نکات کا ذکر کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع نے کہا کہ اگر ان پر عمل کیا گیا تو ملک دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ علیحدگی کی حد تک علاقائی خودمختاری کا مطالبہ کرر ہے ہیں وہ پاکستان کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر چھ نکات پر عمل کیا گیا تو ملک باقی نہیں رہے گا۔ اگر بنگال کے لوگ خودمختاری حاصل کرلیں تو پھر سندھ، سرحد اور بلوچستان والے بھی یہی مطالبہ کریں گے اور اگر یہ صورت ہوئی تو پاکستان بوٹیوں میں منقسم ہو جائے گا اور غیر مسلم اس پر گدھ کی طرح ٹوٹ پڑیں گے۔ (۱)

(۱) (اخباری تراشے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انٹرویو ابھی جاری ہے، تاہم اگلا صفحہ بندے کو دستیاب نہیں ہوسکا، اس لئے یہیں تک اسے شامل کیا جارہا ہے۔ شاکر)

مفتی محمد شفیع
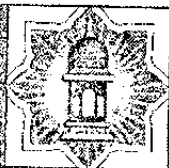
اردو ڈائجسٹ کے جناب الطاف حسن قریشی صاحب کی حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ملاقاتوں کی روداد، جو اس کے ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ/ جولائی ۱۹۶۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ واضح رہے کہ یہ انٹرویوز ہیں جن میں جناب الطاف حسن قریشی صاحب نے اپنے تأثرات سپرد قلم کئے ہیں، لہٰذا ضروری نہیں ہے کہ حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کی طرف منسوب کردہ باتیں بعینہٖ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہوں۔ مرتب

اس روز مفتی صاحب کی طبیعت خاصی ناساز تھی، اس کے باوجود کمال شفقت سے میرے افکار کے لاشے کو کندھا دیتے رہے اور ذرا شکایت نہ کی۔ میں کبھی مفتی صاحب کے مختصر قامت کو دیکھتا اور کبھی ان کی ہمت بلند کی بلائیں لیتا۔ پینسٹھ ستّر کے پیٹے میں ہوں گے، لیکن چہرے کی بشاشت اور تازگی اندر کی جواں قوتوں کا پتہ دیتی تھی۔

میں نے ان کی زندگی کے حالات معلوم کرنا چاہے، تو انہوں نے ایک سادہ سا مصرعہ پڑھ کر میرے تمام سوالات کو خاموش کر دیا۔ کہنے لگے ؎

مجھے نہ سن کہ بہت دور کی صدا ہوں میں

اس مصرع کا گداز دل کو آشنائے راز کر گیا۔ وہی راز جو اہل نظر کے لئے حقیقت اور بوالہوسوں کے لئے افسانہ ہے۔

بیماری کی وجہ سے ہماری ملاقات نامکمل رہی اور ایک خاصی طویل مدت تک ہم ایک دوسرے سے نہ مل سکے؛ البتہ ذکی کیفی صاحب سے روابط بڑھنے لگے اور جب انہیں قریب سے دیکھا تو اپنی بدگمانی پر سخت ندامت ہوئی۔ کھرے آدمی، دل کے صاف، مختصر بات کرنے والے، دوستوں کے دوست، بری صحبتوں سے گریزاں، بڑا اچھا شعر کہتے ہیں اور دکان پر محفل شعر و سخن برپا رکھتے ہیں۔ سوچتا ہوں ماضی کی نادانیوں کی تلافی کیونکر کروں۔

تقریباً پانچ سال بعد مجھے دوسری بار مفتی صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس عرصے میں میرے اپنے اندر ایک انقلاب آچکا ہے۔ ایک خاموش انقلاب جس نے روح کا اضطراب اور دل کی تب و تاب چھین لی ہے۔ ٹیس اٹھتی ہے نہ کسک ابھرتی ہے۔ ایک تنکے کی طرح حالات کے دھارے پر بہے چلا جا رہا ہوں اور خوش ہوں کسی جدوجہد کے بغیر طویل فاصلہ طے کرلیا ہے۔ تاریخ کا ایک سبق بھی یاد نہ رہا۔ عظمت رفتہ کے نقوش اپنے ہاتھوں سے مٹا رہا ہوں کہ نہ وہ ہوں گے اور نہ اسلاف کی یاد آئے گی۔ اپنی کہانی بھولتا جا رہا ہوں اور اب تو یہ عالم ہے۔

رک رک کے پوچھتی ہیں دم نزع ہچکیاں
کس کس کو بھولنا ہے ذرا یاد تو کرو

اور ادھر مفتی صاحب کی عزیمت کا وہی حال ہے جو پانچ برس پہلے تھا۔ وہی دین کے تحفظ کا جنوں اور وہی بے ثبات دنیا سے بے نیازی، وہی سراپا خاکساری، مسکراتی ہوئی آنکھیں شگفتن گلہائے ناز کی کیفیت لئے ہوئے ہیں۔

شہر سے کوئی دس میل کے فاصلے پر کورنگی کی بستی آباد ہے اور اسی بستی کے آخری سرے پر دارالعلوم کی عمارت نظر آتی ہے، یہی خاک نشینوں کا عرش ہے۔ یہاں انسان کردار میں ڈھلتے ہیں اور علم کے سچے موتی رولتے ہیں۔ اس سادہ سی تربیت گاہ میں مفتی صاحب سے طویل ملاقاتوں کا سلسلہ قائم ہوا۔

ایک ڈیڑھ ماہ ہوا کہ وہ حج سے واپس آئے ہیں۔ اسی مناسبت سے پوچھا:

''اس بار کوئی نئی چیز دیکھی؟''

وہ میری بات سن کر مسکرا دیئے اور منہ میں تازہ پان رکھتے ہوئے فرمایا:

''ہم اس سرزمین میں نئی چیز دیکھنے نہیں جاتے، پرانی چیزوں سے ایمان کی نئی حرارت ملتی ہے۔ وہاں کا ذرہ ذرہ کچھ اور ہی شان رکھتا ہے۔ ایک واقعے سے مجھے بڑی حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ یہاں کراچی میں میری ایک نومسلم جرمن سے ملاقات تھی۔ بڑے صفائی پسند اور خوش پوشاک۔ اس سال ہم دونوں کو حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نے انہیں منیٰ میں دیکھا، گرد آلود کپڑے اور بال بکھرے بکھرے سے۔ میں جان بوجھ کر ان کے قریب نہ گیا۔ سوچا یہ لوگ اس طرح کی زندگی کے عادی نہیں ہیں، میں ان کا حال پوچھوں گا، تو ضرور وہ کوئی ایسی بات کہیں گے جس سے مجھے تکلیف پہنچے گی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اور احباب نے ان سے اس نئی زندگی کی کیفیتوں کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے جذب و سرمستی کے عالم میں جواب دیا: جو لذتیں یہاں حاصل ہوئی ہیں، اس سے پہلے کہیں نہ مل سکیں۔ میں جب حرم میں داخل ہوتا ہوں اور خدا کے گھر پر نظر پڑتی ہے، تو نہ جانے آنسو کیوں بہہ نکلتے ہیں۔

یہاں ہر چیز میں ایک ادائے محبوبیت ہے۔ ہاں، کبھی کبھی ذہن بوجھل ہو جاتا ہے اور جی کو وحشت ہونے لگتی ہے۔ وہ اس وقت جب، پتھروں کی بنی ہوئی اونچی اونچی عمارتیں دیکھتا ہوں۔ مجھے بلند و بالا عمارتوں سے نفرت سی ہو گئی ہے۔ دل چاہتا ہے کاش! یہ مقدس سرزمین اونچی اونچی عمارتوں سے پاک ہو اور یہاں وہی سادگی کارفرما ہو جس کی تلاش میں دلِ مضطر کب سے منتظر ہے''۔

یہ واقعہ سناتے سناتے مفتی صاحب پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی جیسے اپنے پاکیزہ روح کے پیغامات سن رہے ہوں۔

میں نے بیتی ہوئی زندگی کا ساز چھیڑنا چاہا، تو انہوں نے وہی مصرع دہرایا جو پانچ برس پہلے پڑھا تھا

مجھ نہ سن کہ بہت دور کی صدا ہوں میں

عرض کیا: ''دور کی صدا سہانی معلوم ہوتی ہے، آپ نے کبھی گرمیوں میں دور سے آتی ہوئی کوئل کی صدا سنی ہوگی، کتنی بھلی لگتی ہے وہ! دور کی بستیاں بھی حسین ہوتی ہیں اور دور کے فاصلے بھی نشاط انگیز ہوتے ہیں۔ میں تو دور کی صدا ہی سننا چاہتا ہوں کہ قریب کے ہنگاموں نے زندگی کو لہولہان کر دیا ہے''۔

میری بے ربط باتیں سن کر فرمانے لگے: اچھا، تو سنیے:

''۱۸۹۷ء کے سر آغاز میں نے دیوبند کی صاف ستھری فضا میں آنکھ کھولی۔ والد محترم مولانا محمد یٰسین دارالعلوم میں مدرّس تھے۔ اللہ! اللہ! کیا ماحول تھا! کیسی کیسی عظمتیں تھیں وہاں! اب تصور کرتا ہوں، تو کلیجے میں ایک تیر سا لگتا ہے۔

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو رخصت ہو گئی

ان عظیم انسانوں کی بستی میں میرا بچپن اور میری جوانی گزری۔ بچپن ایسا سہانا کہ

بچپن میں بھی ہم کھیل جو کھیلے تو صنم کا

وہی ایک لگن اور وہی ایک چیٹک [1] سارے ماحول میں جاری اور ساری تھی۔
والد محترم مجھے گھر سے اپنے ہمراہ دارالعلوم میں لے آتے۔ میں وہاں کے برآمدوں اور صحنوں میں زندگی کا کھیل کھیلتا رہتا۔ کبھی ایک بزرگ کو نظر بھر کر دیکھتا اور کبھی دوسرے بزرگ کی مجلس میں جا بیٹھتا اور ان کی شفقت آمیز باتوں سے لطف اٹھاتا۔ بس سارا دن اسی کھیل میں گزر جاتا۔

ذرا بڑا ہوا، تو تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ فارسی زبان سے لگاؤ اس قدر بڑھا کہ اس میں شعر کہنے لگا۔ عربی تعلیم کا آغاز والد محترم سے کیا۔ منطق، فلسفہ اور ریاضی کے علوم حضرت مولانا محمد ابراہیم سے حاصل کئے۔ تفسیر و حدیث میں حضرت مفتی عزیز الرحمن سے استفادہ کیا۔ اور حدیث حضرت انور شاہ کاشمیری اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے درسوں میں مکمل کی۔ دارالعلوم کے تمام مدارج سے فارغ ہوکر وہیں سبق پڑھانے پر مامور ہوگیا''۔

''مفتی صاحب، جن عظمتوں سے آپ فیض یاب ہوئے، ان کے بارے میں ہمیں بھی تو کچھ بتائیے''۔

''قریشی صاحب، والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے جب ناظم سے لے کر دربان تک ہر شخص ولی تھا۔ دن میں درس و تدریس کا ہنگامہ رہتا اور رات کو یہ درس گاہ ایک خانقاہ میں تبدیل ہوجاتی۔ گھر گھر سے تلاوت قرآن

---

(۱) یعنی شوق، دھن اور خیال۔ شاکر

اوراذ کار کے شیریں نغمے پھوٹتے تھے۔ میرے زمانے میں وہ کیفیت تو نہ رہی تھی، مگر جذب و عشق کی لپٹیں اب بھی اٹھتی تھیں اور سیرت و کردار کے ستارے اب بھی جگمگاتے تھے۔ طہارت و پاکیزگی کے جام اب بھی لنڈھائے جاتے تھے۔ میں اپنے اساتذہ کی چند جھلکیاں پیش کرتا ہوں، ان سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ بادہ مست کیا تھے۔

میں ابھی چھوٹا ہی سا تھا، ان دنوں دارالحدیث کی بنیادیں کھد رہی تھیں۔ ان کے قریب ہی بہت بڑا تالاب تھا، اس لئے بنیادیں پندرہ پندرہ فٹ گہری کھودی گئی تھیں۔ ایک رات زور کی بارش ہوئی اور بنیادوں میں پانی بھر گیا اور پورا علاقہ جل تھل ہو گیا۔ بنیادوں میں پانی بھر جانے کی وجہ سے تعمیر شدہ عمارت کو بھی شدید خطرہ تھا۔ ایک طالب علم نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی۔ آپ نے خاموشی سے پوری بات سنی اور کسی گھبراہٹ کے بغیر فرمایا: اچھا، کچھ کرتے ہیں۔ دس منٹ بعد شیخ الحدیث اپنے گھر کی بالٹیاں جمع کر کے دو تین طلبہ کے ساتھ بنیادوں تک پہنچ گئے اور پانی نکالنے لگے۔ جلد ہی یہ بات تمام دارالعلوم میں پھیل گئی۔ سارے طلبہ اور اساتذہ پہنچ گئے۔ میں بھی تماشائی کی حیثیت سے آیا اور پھر ننھے ننھے ہاتوں سے پانی نکالنے لگا۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر بنیادوں سے پانی نکالا جا چکا تھا۔ اس کام کو مسخر کرنے کے بعد شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ طلبہ کی معیت میں تالاب میں نہانے لگے۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ طلبہ اور اساتذہ میں کوئی فرق ہے۔ میں بھی اسی جوش وخروش میں تالاب کے اندر اتر گیا اور بڑی مشکل سے ڈوبتے ڈوبتے بچا۔

ایک بار شیخ الحدیث طلبہ کے ہمراہ شکار کو نکلے۔ چار پانچ میل چلنے کے بعد انہوں نے لمبی لمبی کیسر گھاس دیکھی۔ یہ گھاس سردیوں میں بڑی گرم اور نرم رہتی ہے۔ شیخ الحدیث نے فرمایا آؤ اسے کاٹتے ہیں؛ چنانچہ سب گھاس کاٹنے لگے اور

پانچ چھ بڑے بڑے گٹھڑ تیار ہو گئے۔ طالب علم سوچنے لگے، انہیں اٹھا کر کون لے جائے گا۔ اتنے میں حضرت سب سے بڑے گٹھڑ کی طرف بڑھے، اسے سر پر رکھا اور فرمایا: السلام علیکم دوستو، میں تو چلتا ہوں۔ ہائے، یہ چاندسی سیرتیں کہاں روپوش ہو گئیں!

حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری کتابوں میں غرق رہتے تھے۔ ایک رات ان کے انتقال کی خبر پھیل گئی۔ حضرت شبیر احمد عثمانی چند دوستوں کے ساتھ صبح سویرے ان کے گھر پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ انور شاہ صاحب جائے نماز پر بیٹھے ایک کتاب پر جھکے ہوئے ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پوچھا: یہ کیا حال بنا رکھا ہے، باہر تو آپ کے انتقال کی خبر پھیلی ہوئی ہے۔ فرمایا: ہاں، یہ بھی ایک طرح کا انتقال ہی ہے۔

ہم ان سے حدیث کے علاوہ علم طب بھی پڑھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، طب میں اپنے وقت کے امام ہیں۔ حافظے کا یہ عالم کہ ایک بار کتاب پڑھ لیں، تو لفظ بہ لفظ یاد ہو جائے۔ ایک روز ہمیں الہدایہ پڑھا رہے تھے۔ عربی میں الہدایہ کی شرح آٹھ جلدوں میں چھپی ہے جس کا نام فتح القدیر ہے۔ درس دیتے ہوئے وہ فتح القدیر کا ایک طویل حاشیہ زبانی سنا گئے۔ ہمیں بڑی حیرت ہوئی، وہ بھانپ گئے اور ہم سے پوچھا:

> ''آپ کے خیال میں میں نے فتح القدیر کب پڑھی ہوگی''؟ ہم خاموش رہے۔ فرمایا: ''یہ نہ سمجھ لینا کہ میں روز کے روز فتح القدیر پڑھ کر آتا ہوں۔ آج سے پینتیس سال پہلے مجھے بجنور جانے کا اتفاق ہوا۔ رمضان کی پہلی تاریخ تھی۔ میزبان سے پوچھا کچھ پڑھنے کے لئے ہے۔ ان کے پاس صرف فتح القدیر تھی۔ میں نے پہلی تاریخ سے اسے پڑھنا

شروع کیا اور ۲۹ رتاریخ تک آٹھوں جلدیں پڑھ لیں۔بس وہ دن اور آج کا دن، پھر اسے پڑھنے کا موقع میسر نہ آیا۔ یہ عبارتیں اسی وقت کی یاد ہیں''۔

مفتی مولانا عزیز الرحمن ولی سے کم نہ تھے۔سودا سلف بازار سے خود خرید کر لاتے تھے۔معمول یہ تھا کہ محلے کی بیواؤں کے پاس ہرروز جاتے اور ان کی ضروریات خود خرید کر لاتے اور خود ان تک پہنچاتے۔اکثر ان کے کندھے پوٹلیوں اور تھیلوں سے لدے ہوئے ہوتے تھے۔

مولانا سید اصغر حسین کی حساس طبیعت کا کیا کہنا! ان کا ایک کچا مکان تھا جس کی ہر برسات سے پہلے لپائی ہوتی تھی۔ اس عرصے میں وہ میرے ہاں قیام فرماتے تھے۔ایک بار ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اپنا مکان پختہ کیوں نہیں کروا لیتے تاکہ ہر سال کی تکلیف سے نجات مل جائے! انہوں نے مجھے شاباش دیتے ہوئے فرمایا کہ واقعی بہت اچھی بات کہی ہے، پھر کچھ دیر خاموش رہے اور آہستہ سے بولے:

''میں جس محلے میں رہتا ہوں، اس میں سارے مکان کچے ہیں۔اگر میں اپنا مکان پختہ کراتا ہوں، تو غریبوں کو اپنی مفلسی کا احساس اور شدید ہوجائے گا۔میں یہ نہیں چاہتا''۔

اور سید اصغر حسین صاحب نے اس وقت تک اپنا مکان پختہ نہیں کرایا جب تک آس پاس کے تمام مکان پختہ نہ ہو گئے۔

انہی کا ایک واقعہ اور سنئے:

وہ بڑے مہمان نواز تھے؛ ان کا دستور تھا کہ جو شخص ان کے گھر پر آجائے، اسے کچھ کھلائے بغیر نہیں جانے دیتے تھے۔ایک روز میں ان کے ہاں گیا، آموں کا موسم تھا؛ چنانچہ انہوں نے میرے سامنے آم رکھ

دیئے۔ جب میں کھا چکا، تو چھلکے اور گٹھلیاں باہر پھینکنے کے لئے اٹھا۔ سید صاحب نے پوچھا، کدھر جا رہے ہو؟ اپنا مقصد بیان کیا، تو پوچھا: چھلکے پھینکنے کا طریقہ بھی جانتے ہو؟ عرض کیا، اس میں کیا دشواری ہے، باہر پھینک آتا ہوں۔ فرمایا، نہیں، مجھے دیجئے میں خود جاتا ہوں، پھر بولے:

''میں چھلکے ایک جگہ نہیں پھینکتا۔ اگر ایک جگہ ڈھیر لگا دوں، تو پڑوس کے غریب بچے حسرت سے دیکھیں گے کہ میاں صاحب کے گھر اتنے آم کھائے جاتے ہیں اور ہمیں ایک بھی نہیں ملتا۔ تم جانتے ہو، میں تو آم کھاتا نہیں، یہ سب دوستوں کے کھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں یہ کرتا ہوں کہ شام کے وقت یہ چھلکے وہاں پھینک کر آتا ہوں جہاں گائے بھینس انہیں آکر چٹ کر جاتی ہیں''۔

مولانا شبیر احمد عثمانی اصولوں کے سخت پکے تھے، لیکن اس سختی میں خشونت نام کو نہ تھی، یعنی وہ سختی کا اظہار اس طرح نہیں کرتے تھے کہ دوسرے کو تکلیف پہنچے۔ خطابت کے بادشاہ تھے۔ الفاظ کے تیز بہاؤ میں حاضرین کو بہالے جاتے۔

ایک بار دستور ساز اسمبلی میں دھواں دھار تقریریں ہو رہی تھیں۔ غالباً قرارداد مقاصد کا مسودہ زیر غور تھا۔ مولانا نے بڑے اعتماد سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ لوگوں کے چہروں پر انگریزی الفاظ کا نقاب پڑا ہوا ہے جس روز یہ نقاب ہٹ گیا، اس روز معلوم ہوگا کہ اصل علم کس کے پاس ہے''۔

حضرتِ مفتی، اساتذہ کا ذکر بڑے انہماک سے فرما رہے تھے اور ان کا چہرہ وفور جذبات سے دمک اٹھا تھا۔ ایک دو لمحے کے لئے رکے، چائے کا ایک لمبا سا گھونٹ لیتے ہوئے بولے: ''دیوبند کے بعد جس چشمے سے سب سے زیادہ سیراب ہوا، وہ تھانہ بھون تھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عظیم تربیت گاہ

قائم کی تھی جس کی فضاؤں میں روح کو عجب بالیدگی ملتی تھی۔ میں نے دیوبند میں تقویٰ کا لفظ بار بار پڑھا تھا۔ اس تربیت گاہ میں تقویٰ کے اصل معنی دیکھے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زیادہ تر توجہ معاشرت، اخلاق اور معاملات پر تھی۔ انسانی برتاؤ کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے۔ کسی کا حق ان کے نزدیک سب سے زیادہ محترم تھا۔ اسی نقطۂ نظر سے انہوں نے بے شمار کتابیں لکھیں۔ سیاست سے ہٹ کر اخلاقی تعمیر سیرت سازی میں مصروف رہے۔

تقوی کی ایک معمولی مثال یہ ہے کہ ان کے والد کی بڑی جائداد تھی۔ حضرت کو ذرا سا شبہہ ہو گیا کہ اس میں ناجائز آمدنی بھی شامل ہے، فوراً دستبردار ہو گئے اور پھر اس کا ذکر تک نہ کیا۔

حضرت وقت کی قدر و قیمت کا شدید احساس رکھتے تھے۔ سفر میں بھی کم سے کم وقت ضائع کرتے۔ جہاں چند منٹ میسر آئے، وہیں لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ایک اسٹیشن پر انہیں گاڑی کا انتظار تھا۔ رات کا وقت تھا۔ ان دنوں بجلی کہاں تھی۔ حضرت وقت استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اسٹیشن ماسٹر سرکاری لالٹین اٹھا لایا، مگر انہوں نے اس کی روشنی میں کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی وقت دوسرا انتظام کیا گیا۔ تب کہیں انہوں نے لکھنا شروع کیا۔ ان کا اصول یہ تھا کہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھتے تھے کہ شرع کے مطابق ہے یا مخالف۔ اگر ذرا بھی احتمال ہوتا کہ اس سے دین کی روح کو گزند پہنچے گا، تو وہیں رک جاتے اور بڑے سے بڑے نقصان کی پرواہ نہ کرتے۔

''حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا سیاسی مسلک کیا تھا؟'' میں نے دین اور سیاست کو ایک اکائی سمجھتے ہوئے پوچھا:

''ابتداء میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سیاست سے کنارہ کش رہے، لیکن حالات کے
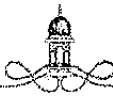
بدلنے سے ان کے افکار میں سیاست کا رنگ جھلکنے لگا۔ کانگریس کی دغاباز سیاست سے انہیں شدید نفرت تھی؛ چنانچہ جونہی مسلم لیگ نے اپنی کوششیں تیز ترکیں اور مسلمانوں کے اندر جداگانہ قومیت کا شعور پیدا کرنا شروع کیا، انہوں نے مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی، مسلم لیگ کی تحریک کو دینی رنگ دینے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مسلم لیگ کے عمائدین سے ان کی برسوں خط وکتابت رہی۔ اس کے ذریعے مفید مشورے دیتے رہے۔ قائداعظم سے ان کا تعلق بہت گہرا تھا اور وہ ۳۵ء کے بعد ہی سے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ پر یہ بات واضح کررہے تھے کہ مسلم لیگ میں دینی رنگ غالب رہنا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے قائداعظم کی طرف وقتاً فوقتاً وفود بھیجتے رہتے۔ ایک وفد میں میں بھی شریک تھا۔ اس کی روداد سناتا ہوں:

یہ ۱۹۳۸ء کے اوائل کی بات ہے۔ قائداعظم ان دنوں دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس وقت مسلم سیاست میں دوتین امور بہت اہمیت اختیار کر گئے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تین افراد پر مشتمل ایک وفد تیار کیا۔ اس میں مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا شبیرعلی اور یہ خاکسار شامل تھے۔ ہم دہلی آئے اور قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سے وقت مانگا۔ کہنے لگے: سخت مصروف ہوں۔ ہم نے کہا صرف دس منٹ عطا کردیجئے۔ مان گئے اور عشاء کی نماز کے بعد دس بجے کا وقت ملا۔ ہم نے طے کیا کہ دس منٹ میں تین باتیں ضرور کہہ دینی ہیں؛ چنانچہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سے علیک سلیک ہوتے ہی دس منٹ کے اندر اندر اپنا مدعا بیان کردیا۔ وہ تین مسائل یہ تھے:

ا۔ مسلم لیگ کی تنظیم اور اس کی کارکردگی میں دینی رنگ کو اور زیادہ گہرا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر مسلمانوں کے دل اس تنظیم سے وابستہ نہ ہوں گے۔ اس کی

ایک واضح شکل یہ ہوسکتی ہے کہ مسلم لیگ کے عام جلسوں میں نماز کا انتظام کیا جائے۔

قائداعظم نے ہماری بات کے پہلے حصے سے اتفاق کیا اور جب نماز کی تجویز آئی تو، قدرے بلند آواز میں کہا، یہ میرے لئے مشکل ہے۔ یہ کام آپ ہی کر سکتے ہیں، بڑے شوق سے کیجئے۔

۲۔ہم نے درخواست کی کہ نماز پابندی سے پڑھنا شروع کر دیجئے۔

اس پر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بلا تامل وعدہ کرلیا۔

۳۔اس وقت ہندوستان کی فضا میں ایک مسئلے نے بڑا ارتعاش پیدا کر رکھا تھا۔ انگریز مسلمانوں پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ فوج میں بھرتی ہوجائیں۔ان کا رویہ روز بروز متشدد ہوتا جارہا تھا۔پورے ہندوستان کے علماء میں اس دباؤ کے خلاف شدید ردعمل تھا۔ان کی ایک بڑی اکثریت نے یہ فتویٰ دے دیا کہ مسلمانوں کے لئے انگریزی فوج میں ملازمت حرام ہے۔دیوبند میں یہ تحریک بڑے عروج پر تھی جس کی قیادت حضرت مولانا حسین احمد مدنی کر رہے تھے۔علماء کی گرفتاریاں عمل میں آرہی تھیں، گویا پورا ہندوستان جذبات کا محشرستان بنا ہوا تھا۔ایسے نازک وقت میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان کیا کہ مسلمانوں کو فوج میں ملازمت کرلینی چاہئے۔اس اعلان سے صورتحال نازک تر ہوگئی۔وہ حلقے جو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف تھے۔انہیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا اور اس بیان پر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا شروع کردیا۔اس صورتحال سے ہم سخت پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنا بیان واپس لے لیں؛ چنانچہ ہم نے انہیں رائے عامہ سے باخبر کیا اور بتایا کہ علماء کا نقطۂ نظر کیا ہے۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے تحمل سے ہماری باتیں سنیں اور پھر فیصلہ کن انداز میں بولے:

''مولانا، آپ صحیح صورتحال سے واقف نہیں۔ میری آنکھیں صاف طور پر دیکھ رہی ہیں کہ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب مسلمانوں کی جان اور آبرو کی حفاظت ہتھیار کے سوا اور کسی چیز سے نہ ہو سکے گی۔ رہا یہ معاملہ کہ انگریز مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں گے، تو آپ یہ جان لیجئے کہ انگریز اس ملک میں اب زیادہ عرصے تک نہیں رہ سکتا۔ اسے ملک کو آزادی دینا ہوگی۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو فوج میں زیادہ سے زیادہ بھرتی ہونا چاہئے۔ اس کے دور رس نتائج آپ کی آنکھیں جلد ہی دیکھ لیں گی''۔

دس منٹ ختم ہو چکے تھے، ہم نے اجازت چاہی، قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ بولے: ''ابھی اور بیٹھئے، چند باتیں اور کہنا چاہتا ہوں''۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں اس بات پر زور دیا کہ علماء، دین کے محافظ ہیں اور ہمیں دینی معاملات میں انہی سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔ آپ میری زندگی میں کوئی ایسی بات دیکھیں جو اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہو، تو مجھے ضرور مطلع کیجئے۔ پھر فرمایا:

''بعض علماء میرے پاس آتے ہیں اور مجھے سیاسی امور میں مشورہ دینا چاہتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ سیاسی معاملات میں میری نظر ان سے دور جاتی ہے، کتنا اچھا ہو کہ سیاسی معاملات وہ مجھ پر چھوڑ دیں اور دینی معاملات میں ان کے سپرد کر دوں''۔

ہم وہاں سے واپس آئے، تو میں نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا:

''قائداعظم نے کسی تامل کے بغیر نماز پڑھنے کا جو وعدہ کر لیا ہے، کیا وہ اس پر عمل کریں گے''؟

میرے ساتھی نے پورے اعتماد سے کہا تھا:

''قائد اعظم جب ہاں کر لیتے ہیں، تو اسے پوری دیانتداری سے نبھاتے ہیں''۔

''بعد کے واقعات سے پتہ چلا ہے کہ واقعی انہوں نے اپنی ''ہاں'' کو نبھایا۔ اور آج جب ان کے یہ الفاظ یاد آتے ہیں کہ میری آنکھیں صاف طور پر دیکھ رہی ہیں۔۔۔تو خیال گزرتا ہے کہ ان میں ایک ولی کی لطیف حس شامل تھی۔ حالات نے ثابت کر دیا کہ ان کی رائے صائب اور ان کا فیصلہ درست تھا''۔

ایک طرف مفتی صاحب کے چھوٹے چھوٹے فقرے دل و دماغ میں اترتے جاتے تھے اور دوسری طرف کورنگی کے غبار آلود بڑے بڑے تھپیڑے میری ننھی سی جان پر تہہ پر تہہ چڑھا رہے تھے۔ مفتی صاحب بار بار ریت کو ایک طرف ہٹاتے، مگر ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام

پھر بولے:

''قریشی صاحب، آپ اس ریت کی بارش سے گھبرا اٹھے ہوں گے، لیکن ہمارا حوصلہ بھی تو دیکھئے۔ آج سے اٹھارہ برس پہلے ہم اس خاکستان میں آ کر بیٹھے تھے۔ دور دور تک کوئی بستی نہ تھی۔ پینے کو کھارا پانی ملتا تھا۔ بجلی نہ تھی، چراغ جلتے تھے۔ اور انسانوں کے بجائے ریت کے ٹیلے ہمارا خیر مقدم کرتے تھے۔ ہم نے اپنے دارالعلوم کا آغاز دو طالبعلموں اور ایک استاد سے کیا تھا اور آج خدا کے فضل سے بارہ سو طالبعلم ہیں۔ ہم نے کئی برس ریت پھانکی ہے اور مٹی کی آغوش میں مدتوں راحت پائی
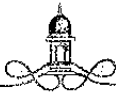
ہے۔ ہماری آخری پناہ گاہ مٹی کی آغوش ہی تو ہے''۔

ہلکے بھورے رنگ کی ریت میں مفتی صاحب کے سپید سپید کپڑے اور بھی اجلے اجلے نظر آتے تھے۔ ''مفتی صاحب، آپ کی قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی اور ملاقات بھی ہوئی؟''

''جی ہاں، دوسری بار غالباً ۱۹۴۶ء کے وسط میں ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مرکزی قانون ساز اسمبلی کے مسلمان نمائندوں نے بھاری اکثریت سے پاکستان کے مطالبے کی حمایت کی تھی۔ اس عظیم الشان فتح پر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور میں قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو مبارکباد دینے گئے۔ ہمارے خوشی سے کھلے ہوئے چہروں کو دیکھ کر فرمانے لگے۔

''مسرت کا اظہار ابھی قبل از وقت ہے۔ کٹھن کام باقی ہے، سرحد اور آسام میں ریفرینڈم ہوگا اور یہ مہم علماء کو سر کرنی چاہئے۔ آپ وعدہ کیجئے کہ پوری تندہی سے کام کریں گے''۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے وعدہ کیا کہ ہم سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے اور واقعی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ میں نے ان کی تگ و دو کے تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، کیونکہ ہر مرحلے پر میں ان کے ساتھ رہا ہوں۔ دار العلوم دیوبند سے مستعفی ہونے کے بعد میں نے تشکیل پاکستان کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا تھا''۔

''مفتی صاحب جس ادارے سے آپ کا بچپن اور آپ کی جوانی وابستہ رہی، اس سے آپ نے استعفیٰ کیوں دے دیا؟''

''ہاں، قریشی صاحب، زندگی میں ایسے مرحلے بھی آتے ہیں کہ اپنے آئیڈیل اور مشن کے لئے محبتیں اور وابستگیاں قربان کرنی پڑتی ہیں۔ یہ ایک طویل داستان ہے۔ کیا کریں گے آپ اسے سن کر؟''

''مفتی صاحب، حال کی بات کرنے کا یارا نہیں، تو کیا ماضی کے پیچ وخم بھی نہ دیکھیں''۔

مولانا رک رک کر مسکراتے رہے اور بولے:

''معاملہ یہ تھا کہ دیوبند میں بتدریج سیاست غالب آتی جارہی تھی۔ سیاست کے آثار حضرت شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے ہی میں ابھرنے لگے تھے۔ ۱۹۱۸ء کا زمانہ تھا، انگریز ترکی خلافت کو ٹکڑے ٹکڑے کردینا چاہتے تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ اس وقت درس گاہ سے زیادہ سیاست کا میدان اہم ہے؛ چناچہ دارالعلوم سے مستعفی ہوکر انہوں نے ریشمی رومال کی تحریک میں زبردست حصہ لیا۔ وہ مسلم طاقتوں سے مل کر ہندوستان میں انگریزوں کا تختہ الٹ دینا چاہتے تھے۔ اس اسکیم کی آخری کڑی یہ تھی کہ ترکی کے انور بے مکہ معظّمہ آئیں گے اور وہاں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آخری منصوبہ طے ہوگا۔ انگریزوں پر یہ راز کسی طرح کھل گیا اور انہوں نے شریف مکہ کے ذریعے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کرکے چار سال کے لئے مالٹا بھیج دیا۔

چار سال کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ دیوبند میں تشریف لائے، مگر زندگی نے زیادہ دیر وفانہ کی اور وہ خالق حقیقی سے جاملے۔ ان کے زمانے میں سیاست کا جھنڈا مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا اور کانگریس ان کے پیچھے پیچھے چلتی تھی، لیکن حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ معاملات بدلتے چلے گئے۔ ۳۵ء کے آخر میں یہ نوبت آگئی کہ سیاست کا علَم کانگریس کے ہاتھ میں تھا اور مسلمان اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اب اس انداز کی سیاست دیوبند میں بھی در آئی تھی۔ یہ بات اساتذہ کے

ایک اچھے خاصے طبقے کو ناپسند تھی۔ ہم یہ کہتے تھے کہ علمی اداروں کو سیاست سے الگ رہ کر کام کرنا چاہیئے اور اگر سیاست ناگزیر ہے، تو علماء مسلمانوں کی تہذیب، تمدن اور تاریخ کو محفوظ رکھنے کے لئے میدان میں آئیں۔ ہمارے نقطۂ نظر کے خلاف دیو بند میں کانگریسی مزاج پختہ ہوتا چلا گیا۔ ہم نے محسوس کرلیا کہ اس ادارے کی فضا ہمارے لئے سازگار نہیں؛ چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ متعدد اساتذہ مستعفی ہو گئے جن میں ایک میں بھی تھا۔ دیو بند سے مستعفی ہو کر ہم نے تحریک پاکستان کو اپنی منزل قرار دیا، کیونکہ اسی سے برصغیر کے مسلمانوں کا مستقبل وابستہ تھا''۔

''مفتی صاحب، اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کی جدوجہد میں علماء بھی شریک تھے''۔

''قریشی صاحب، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات ہے؟ میری آنکھوں نے اس جدوجہد کے جو مراحل دیکھے ہیں، اس کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ علماء نے تحریک پاکستان میں وہ رنگ بھرا، وہ روح پھونکی، ایسا ولولہ اور ایسا جذبہ عطا کیا کہ وہ ایک عوامی تحریک بن گئی۔ ایسی عوامی تحریک جس کی شدت اور جس کی قوت کے سامنے نہ انگریز ٹھہرے اور نہ ہندو جم سکے۔ ہم نے یہ سارا کام دینی جذبے سے سرشار ہو کر کیا تھا۔ ہماری کوئی غرض تھی نہ کوئی مصلحت۔ ہم مسند اقتدار کے پجاری نہ تھے، ہمیں مناصب سے ذرا رغبت نہ تھی۔ دین کا جو علم ملا تھا اور اسلاف سے جو تڑپ پائی تھی، بس وہی ہر آن ایک آزاد اسلامی مملکت کے لئے بے چین رکھتی تھی۔ ہمیں صاف نظر آنے لگا تھا کہ پاکستان وجود میں نہ آیا، تو کروڑں مسلمان ہندو سوسائٹی میں اچھوت بن کر رہ جائیں گے۔ ہمیں شہادت حق کا فریضہ پکار رہا تھا، ہمیں ہماری عظیم الشان تاریخ پکار رہی تھی،

ہمیں ایک شاندار مستقبل آواز دے رہا تھا۔ وہ مستقبل جس میں ہماری تہذیب اور ہماری روایات کے روشن مینار تعمیر ہونے والے تھے۔ ہم اس پکار پر لپکے۔ اور یہ جانتے ہوئے لپکے کہ اپنے بچپن اور اپنی جوانی کی وابستگیوں کو قربان کر دینا ہوگا''۔

''مفتی صاحب، آپ مسلمانوں کو پاکستان کا کیا تصور دیتے تھے؟''

''بہت سیدھا سادہ سا تصور۔ بس یہی کہ مسلمان قوم اپنے مذہب، اپنی تہذیب، اپنے تمدن اور اپنی تاریخی روایات میں سفید قوم سے بالکل مختلف ہے۔ ہم ایک ایسی سرزمین حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم آزادی سے اسلامی قانون نافذ کرسکیں اور اسلامی عدل اور انصاف کے مطابق معاشرے کی تعمیر کرتے چلے جائیں۔ ہم ہندو مزاج کو صدیوں سے جانتے ہیں، وہ کبھی مسلمانوں کو آبرو کی زندگی بسر کرنے نہیں دے گا''۔

''مفتی صاحب، تقریر کے دوران میں کبھی حاضرین کی طرف سے پاکستان کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا گیا؟''

''جی ہاں، سوالات ہوتے رہے ہیں، مثلاً: ایک بار جالندھر میں ایک بڑے جلسے سے خطاب کر رہا تھا۔ موضوع یہی تھا کہ ہم پاکستان کیوں چاہتے ہیں۔ حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا:

''کیا آپ تحریک پاکستان کے قائدین سے مطمئن ہیں؟''

سوال کرنے والے کا مقصد مجھے ایک ختم نہ ہونے والی بحث میں الجھانا تھا۔ میں نے ذرا تفصیل سے جواب دیا:

''پاکستان میں ہم سب آزاد ہوں گے اور ہمارے معاملات میں نہرو اور پٹیل کو دخل دینے کا حق نہ ہوگا۔ ہم باہمی مشوروں سے کام چلائیں گے۔ حکمران، عوام کے خادم ہوں گے اور ملک میں مسلمانوں کی مرضی حکومت

کرے گی۔ آپ جسے چاہیں گے، اپنا حکمران منتخب کریں گے۔ کسی ایک شخص کو ہماری گردنوں پر سوار ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی''۔

''مفتی صاحب، آپ پاکستان کے لئے پانچ چھ برس کام کرتے رہے، سب سے زیادہ کام آپ کو کس علاقے میں کرنا پڑا؟''

''سابق صوبۂ سرحد میں صورت حال بڑی نازک تھی۔ اس کی طرف حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے واضح اشارہ فرمایا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں چند علماء کا قافلہ اس سرزمین میں پہنچا۔ وہاں سرخ پوشوں نے قیامت اٹھا رکھی تھی۔ وہ تحریک بے حد منظم اور عوام میں بے پناہ مقبول تھی۔ عبدالغفار خان، جو سرحدی گاندھی کے لقب سے مشہور تھا، اس کا عوام پر زبردست اثر تھا۔ مسلم لیگ اس علاقے میں انتہائی غیر مؤثر اور بے وزن تھی۔ اسے جلسہ عام کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ساتھ ساتھ علماء ایک گروہ جو دیوبند سے اس زمانے میں فارغ التحصیل ہوا تھا جب وہاں کانگریسی سیاست غالب آچکی تھی، سرخ پوشوں کی حمایت میں کام کر رہا تھا۔ ڈاکٹر خان کی وزارت کے نقوش بہت گہرے تھے۔ ایسے میں پاکستان کے لئے کام کرنا بڑا کٹھن تھا۔

''ہم نے اللہ کا نام لے کر جلسوں کا پروگرام بنایا۔ ہم مسلمانوں سے منبر پر بیٹھ کر بھی بات کر سکتے تھے اور ان کے درمیان رہ کر ان کے دل کی دھڑکنیں بھی سن سکتے تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد پر مردان میں پہلا عظیم الشان جلسہ ہوا۔ لوگ دور دور سے مولانا کو سننے آئے تھے۔ حضرت مولانا نے ہندوؤں کے مظالم اور مسلمانوں کی بے بسی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ حاضرین کی آنکھیں نم ہوگئیں اور پھر ایک آزاد اسلامی ریاست کی ضرورت پر ایسی پرجوش تقریر کی کہ ساری فضا پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ دوسرا عظیم الشان جلسہ پشاور میں ہوا۔ یہاں بھی ایک

تقریر نے حالات کا رخ بدل دیا۔

''کوہاٹ کے ایک بڑے بااثر نواب مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے اور وہ اپنے علاقے میں مسلم لیگ کا جلسہ کرانا چاہتے تھے، ان کو یہ جرأت نہ ہوئی۔ آخر یہاں بھی علماء ہی کام آئے اور ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا۔ اسلام، خدا اور رسول (ﷺ) کا نام لیتے ہی عوام میں بے پناہ جوش وخروش پیدا ہو جاتا تھا اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس وقت اصل جنگ اسلام اور کفر کے درمیان ہے، تو ان کے سرخ و سپید چہرے، عظمت وجلال اور سرفروشی و دیوانگی کے مظہر بن گئے۔

''علماء کے ساتھ سابق پیر مانکی شریف اور پیر زکوڑی شریف نے بڑی تندہی سے کام کیا اور سچی بات یہ ہے کہ ان کی تائید وحمایت سے صوبۂ سرحد کی سیاسی فضا میں وہ عظیم تغیر رونما ہوا جو بظاہر ناممکن نظر آتا تھا''۔

کمرے میں ریت کی ایک اور تہہ جم گئی تھی۔

''مفتی صاحب، پاکستان کے حالات دیکھ کر آپ کو کبھی یہ افسوس تو نہیں ہوتا کہ آپ لوگوں نے پاکستان کے لئے بے کار جد وجہد کی؟''

''نہیں، قریشی صاحب، ہرگز نہیں۔ یہ صحیح ہے چند لوگ اس طرح بھی سوچتے ہیں، مگر میں ان لوگوں میں سے نہیں جو مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پاکستان ہماری تمناؤں اور ہماری آرزوؤں کا ماحصل ہے۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی ہمارے ہاں کی دینداری اور اخلاقی بلندی کئی مسلم ملکوں سے بہتر ہے۔ پاکستان کی تشکیل کے وقت ہمارے دو مقاصد تھے: ایک علیحدہ زمین حاصل کی جائے جس پر مسلمانوں کا تصرف ہو۔ دوسرے یہاں اسلام کا سرسبز وشاداب باغ لگایا جائے۔ الحمد للہ ایک مقصد میں ہم پوری طرح کامیاب رہے۔ باغ نہیں لگا، اس کا غم ضرور ہے، مگر یہ غم مایوسی میں تبدیل نہیں ہوا۔ اگر آج کانٹے اگے ہیں، کل پھول بھی کھلیں گے، کھلیں
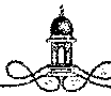
گے، ضرور کھلیں گے''۔

سورج کی شعاعیں ریت کے ذرات کے ذریعے جسم کو جھلس رہی تھیں۔

''مفتی صاحب، کیا آپ کو اس بات کا احساس ہے کہ علماء کا وقار روز بروز کم ہوتا جارہا ہے؟''

''جی ہاں''۔

''کیا آپ نے اس کی وجوہ پر غور فرمایا؟''

''اکثر سوچتا رہتا ہوں۔ دکھ یہ ہے کہ ہم نے آپس میں دست وگریباں ہوکر اپنے وقار کو نقصان پہنچایا۔ اگرچہ وہ ہاتھ میری نظر سے پوشیدہ نہیں جو ہمارے درمیان خلیج حائل کرنے میں مصروف ہیں، مگر میں اسے اپنی ہی غفلت اور اپنی ہی نادانی سمجھتا ہوں۔ دوسرا یہ کہ عوام سے ہمارا رابطہ بتدریج کم ہوتا جارہا ہے۔ ہم نے ان کے معاشرتی مسائل میں دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے۔ وہ دکھ اور کرب سے کراہ رہے ہیں اور ہمارا ہاتھ ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لئے آگے نہیں بڑھتا۔ معاشی بدحالی نے ان کے جسموں سے خون نچوڑ لیا ہے، ان کو توانائی بخشنے کے بجائے ہم صرف وعظ کرتے ہیں۔ ہزاروں بستیاں اور ہزاروں محلے ان ہاتھوں کے منتظر ہیں جو ان کو مفلسی، گندگی اور بیماری سے نجات دلائیں، مگر علماء نے خدمت خلق کی ایسی کوئی تنظیم قائم نہیں کی جو جسم اور روح کو آسودگی مہیا کرسکے۔ علماء تو زندگی کی ایک رواں دواں تحریک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ تحریک جس کا تعلق ایک عام انسان ہے۔ علماء اور عوام کے درمیان کبھی فاصلہ نہیں ہوتا۔ فاصلے تو حکمرانوں ہی کو زیب دیتے ہیں''۔

''مفتی صاحب، کیا آپ اپنے دارالعلوم کے نصاب اور نظام تعلیم سے مطمئن ہیں اور کیا اس سے ہمارے عصری تقاضے پورے ہورہے ہیں؟''

''پاکستان میں آتے ہی میں نے اس بات کی کوشش شروع کردی تھی کہ دینی

اور لادینی نظامہائے تعلیم کی تفریق ختم کر کے پورے ملک کے لئے ایک ایسا نظام مرتب کیا جائے جس میں ایک مسلمان بیک وقت عالم دین اور جدید علوم سے بہرہ ور گریجویٹ تیار ہو۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ میموریل فنڈ سے ایک دارالعلوم کا قیام طے پایا تھا۔ میں نے اس دارالعلوم کے لئے اسی طرز کا نظام تعلیم مدوّن کیا، مگر شاید حکومت اسے پسند نہ کرسکی۔ ہم اپنے دارالعلوم میں صرف مدافعاتی جنگ لڑ رہے ہیں، ان قوتوں کے خلاف جو اسلام کو بنیاد ہی سے اکھیڑ دینا چاہتی ہیں۔ اگر وسائل اجازت دیں، تو میں جدید طرز کی درس گاہ قائم کروں جس میں دین اور دنیا کے مابین کوئی تفریق نہ ہو''۔

''مفتی صاحب، آج معاشرے میں غنڈہ گردی، رشوت ستانی اور بے راہ روی بڑھتی جاتی ہے، کیا آپ حکومت کے تعاون سے ان معاشرتی برائیوں کے خلاف جدوجہد کرنے کا عزم رکھتے ہیں؟''

''قریشی صاحب، معاشرتی برائیوں کے خلاف مؤثر جہاد علماء ہی کر سکتے ہیں اور ہم کرتے رہے ہیں۔ معاشرے میں جس قدر اخلاقی حس باقی ہے، اسے زندہ رکھنے میں ہمارا بہت بڑا حصہ ہے۔ رہا حکومت کا معاملہ، ہم ہر بھلائی کے کام میں حکومت سے تعاون کرنے کو تیار ہیں، لیکن برائی کے کاموں میں ہمارا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ خوف خدا اور خوف آخرت کے بغیر کم از کم ہمارے معاشرے میں صحت مند رویہ ابھر نہیں سکتا۔ اب ہمیں اپنا احتساب کرنا چاہئے کہ ہم نے خوف خدا اور خوف آخرت کا مذاق اڑایا ہے یا اس کا احترام دلوں میں بٹھایا ہے۔ ہم نے چند روزہ زندگی کو اپنی جاگیر سمجھ لیا ہے اور اس پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے صریحاً ناجائز حربے استعمال کر رہے ہیں۔ ہمیں خدا کا ڈر ہے نہ خلق کی شرم اور نہ آخرت کا خوف''۔

ریت کے مجتمع ذرے منتشر ہونے لگے۔

''مفتی صاحب، یہ بات شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ حقِ ملکیت کی وجہ سے معاشی ناہمواریاں بڑھتی جاتی ہیں اور ایک آدمی حق ملکیت پر کوئی پابندی نہ ہونے کی وجہ سے املاک بنا جاتا ہے جس سے غریب غریب تر ہوجاتا ہے۔ کیا اسلامی حکومت کو حق ملکیت پر پابندیاں عائد کرنے کا حق پہنچتا ہے؟''

''ہنگامی حالات میں صحیح اسلامی حکومت کو فرد کے حق ملکیت پر پابندی لگانے کا حق پہنچتا ہے، مگر عام حالات میں اسلام، حکومت کو دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتا۔ دراصل یہ مفروضہ غلط ہے کہ حق ملکیت کی وجہ سے معاشی ناہمواریاں پیدا ہورہی ہیں۔ معاشی ناہمواریاں ان اقتصادی ذرائع سے پیدا ہورہی ہیں جن کے بل بوتے پر ایک چھوٹی سی اقلیت پورے ملک کی دولت پر قابض ہوجاتی ہے۔ سود، سٹہ، قمار بازی کے ذریعے تمام ملک کی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے۔ جب تک یہ ذرائع کھلے ہیں، حق ملکیت پر پابندی عائد کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ اخلاقی روح کو زندہ کئے بغیر صرف قانون کے سہارے سے معیشت کی ناہمواری کو دور نہیں کیا جاسکتا۔ ایک مشین میں دوسری مشین کے کل پرزے لگانے سے کام نہیں چل سکتا۔ اگر ہم اسلامی نظام اقتصاد کے فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو ہمیں پورے اسلامی نظام کو نافذ کرنا ہوگا۔ خبر نہیں ہم اسلام کے تجربہ شدہ نظام کو اپنانے کے بجائے اشتراکی ٹوٹکوں کو آزمانے کے لئے اس قدر جلد تیار کیوں ہوجاتے ہیں۔ سوسائٹی میں ساری خرابیوں کی جڑ سود ہے۔ سرمایہ دار، بینک کے ذریعے پہلے قوم کا سرمایہ جمع کرتا ہے، اس سے جو نفع ہوتا ہے، اس کا بہت بڑا حصہ خود کھا جاتا ہے اور ذرا سا حصہ لوگوں میں تقسیم کرتا ہے، اپنے نقصان کے تمام امکانات انشورنس کے ذریعے ختم کرلیتا ہے اور دوسری طرف سٹے کے ذریعے بغیر کسی سرمایہ کاری کے منافع کماتا ہے جس کے نتیجے میں

چیزوں کی قیمتیں چڑھتی جاتی ہیں اور عوام کی معیشی حالت اور ابتر ہوجاتی ہے۔ غضب خدا کا مال بندرگاہ پر پڑا ہے اور سٹے کے ذریعے وہ مال وہیں پڑا پڑا فروخت ہورہا ہے۔ اگر اس مال کی قیمت بندرگاہ پر سو روپے تھی تو سٹے کے ذریعے اس کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہوگئی۔ اب پچاس روپے سٹے والے اوپر ہی اوپر اڑا لے گئے اور اس کا بار عوام پر پڑ گیا۔ ان دہکتے ہوئے انگاروں کی موجودگی میں قانون کے چند چھینٹوں سے زندگی کا کیا خاک سکون ملے گا؟''

کورنگی کی ریت دہک رہی تھی اور حضرتِ مفتی کے لہجے میں وہی شادابی اور شگفتگی تھی۔ گفتگو کے دوران میں زندگی کے اَن گنت پہلو اور واقعات سامنے آئے جنہیں میں اس وقت ضبط تحریر میں نہ لا سکا۔ پھر کسی مناسب موقع پر وہ روداد بھی بیان کروں گا۔ اٹھنے لگا، تو نہ جانے مفتی صاحب کا یہ شعر کیوں یاد آ گیا۔ ؎

جب ہلنے کے قابل نہ رہے یہ پروبازو
صیاد نے احسان کیا کھول دیا بند

فیصلہ کن جنگ

حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کے درجِ ذیل دو انٹرویو ''فیصلہ کن جنگ'' کے عنوان سے حضرت اقدس استاذی مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ذاتی کتب خانہ سے ایک مطبوعہ رسالہ کی شکل میں دستیاب ہوئے۔ یہ رسالہ دار الفکر اچھرہ لاہور کی طرف سے نومبر ۱۹۶۹ء میں طبع ہوا۔ اور حاشیہ میں کہیں کہیں غالباً حضرت قدس سرہ کے قلم سے تصحیح بھی فرمائی گئی ہے۔ مرتب

تعارف: مفتی محمد شفیع
از: مجیب الرحمٰن شامی

''وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں''---اس کی روشنی علمائے حق نے ہر دور میں پھیلائے رکھی ہے۔ شرار بولہبی ہر زمانے اور ہر دور میں اس سے ستیزہ کار رہا، لیکن کبھی اس شمع کی لو مدھم نہیں ہوسکی۔ یہ فروزاں سے فروزاں ہوتی چلی گئی۔ تابناک سے تابناک آج بھی دنیا میں اس کی بدولت ایمان کا اجالا ہے یقین کی روشنی ہے۔ ایسے

بندگانِ خدا ہر دور ہر زمانے میں موجود رہے جنہوں نے اپنا ناطہ سرکار دربار سے جوڑنے کی بجائے صرف اللہ سے جوڑا۔ وظیفوں پر پلنے کی بجائے روکھی سوکھی پر قناعت کی۔ اور جب ضرورت پڑی۔ جب دین کی بنیادوں پر کوئی ضرب لگتے دیکھی دیوانہ وار اٹھ کر دفاع میں ڈٹ گئے ۔۔۔وطن عزیز میں بھی ایسے بندگانِ حق موجود ہیں۔ ہر چند کہ انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ مفتی محمد شفیع ان چند بزرگوں میں بہت نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے شہر کراچی سے پندرہ میل دور کورنگی کے ویرانوں میں ایمان کی مشعل جلا رکھی ہے۔ اس کا نور پورے برصغیر میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کی روشنی بے شمار دلوں میں ۔۔۔ اجالا بکھیر رہی ہے۔ مفتی صاحب نے کبھی اپنا مقدر اقتدار کے ایوانوں سے وابستہ نہیں کیا۔ وزراء اور امراء کی خیر مقدمی تقاریب میں شرکت نہیں کی۔ کبھی ہوائی اڈے پر جا کر کسی مقتدر شخصیت کو ہار نہیں پہنائے۔ ان کی جبیں پر ایک ہی سجدے کا کا داغ ہے اور یہ وہ سجدہ ہے جس نے انہیں ہزار سجدوں سے نجات دلا دی ہے ۔۔۔ مفتی صاحب اس دور میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام [احمد بن] حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نشان ہیں۔ ان میں ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا سا استغناء ہے تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی سی تمکنت ۔۔۔ ان کی نگاہِ مومنانہ نے کئی تقدیریں بدل کر رکھ دیں۔ آج بھی ہزار ہا طالب علم ان کے چشمۂ فیض سے استفادہ کر رہے ہیں اور اپنے سینوں کو نور سے بھر رہے ہیں۔ مفتی صاحب کے سامنے شاہانِ وقت کی گردن ہمیشہ خم رہی کیونکہ انہوں نے اپنی گردن خدا کے سوا کبھی کسی کے سامنے خم نہیں کی۔ ان کی ذات ستودہ صفات حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی صحیح معنوں میں جانشین ہے۔ ان کے کردار کی پختگی اور اصول پرستی نے ہی انہیں یہ مقام عطا کیا ہے کہ ہر طبقۂ فکر، ہر مکتب خیال سے وابستہ افراد ان کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے اور ان پر تحسین کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔

(مجیب الرحمٰن شامی)

انٹرویونمبرا
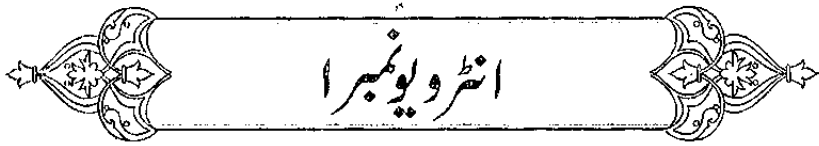
برائے ہفت روزہ چٹان لاہور

(شایع شدہ جلد ۲۲ شمارہ ۳۳)

مرتبہ

ممتاز لیاقت

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز اور علمی جانشین مفتی محمد شفیع پچھلے دنوں لاہور تشریف لائے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ کچھ ان کی کہانی اور کچھ ملکی مسائل کے متعلق ان کا موقف انہی کی زبانی سنا جائے۔ مفتی صاحب اپنے صاحبزادے ذکی میاں کے ہاں چٹائی کے فرش پر تشریف فرما تھے۔ شیخ الحدیث مولانا ادریس کاندھلوی، مفتی جمیل احمد تھانوی اور بعض دوسرے عقیدت مند بھی موجود تھے۔ میں نے حضرت مفتی صاحب سے ابتدائی حالات پوچھنے شروع کئے۔

ابتدائی حالاتِ زندگی

میں شعبان ۱۳۱۴ھ (جنوری ۱۸۹۷ء) کو دیو بند ضلع سہارن پور میں پیدا ہوا۔ والد محترم مولانا محمد یٰسین دارالعلوم دیو بند میں استاد تھے۔ انہوں نے مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمود دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ جیسے یگانہ عصر اساتذہ سے تعلیم پائی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہم سبق رہے، ان کے شاگردوں میں مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمد یٰسین قابل ذکر ہیں۔ والد مرحوم چالیس برس تک دیو بند میں پڑھاتے رہے، میں نے علم وتقویٰ کے اسی ماحول میں آنکھ کھولی، میرے اردگرد روحانیت وتقویٰ کے پہاڑ تھے۔ انہی کی شفقت ومحبت کا نتیجہ تھا کہ مجھے شروع سے درس وتدریس اور تعلیم وتعلم سے شغف رہا۔ ابتدائی تعلیم والد مرحوم اور چچا مولانا منظور احمد سے پائی۔ پھر دارالعلوم میں داخلہ لے لیا جہاں استادِ اکبر مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، عالم ربانی مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد احمد بن حضرت قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رسول خاں رحمۃ اللہ علیہ جیسے جید علماء اور اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ صبح سویرے دارالعلوم جاتا اور رات ایک دو بجے تک دارالعلوم ہی کی فضا میں رہتا۔ اسے تعلیمی شغف کہہ لیجئے یا کوئی اور نام دیجئے۔ ان دنوں بلکہ اس کے بعد ایک عرصہ تک مجھے دیو بند کی گلیوں اور بازاروں کی خبر ہی نہ تھی۔

ابھی تعلیم جاری تھی کہ ۱۳۳۶ھ میں ابتدائی درجوں کی تدریس سونپ دی گئی۔ ایک سال بعد یعنی ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم کے عملہ میں باقاعدہ شامل ہوگیا۔ چونکہ شروع ہی سے درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد کو ذریعہ معاش بنانے کا ارادہ نہ تھا، اس لئے فنِ خطاطی، کاپی نویسی اور طب کا علم بھی حاصل کیا۔ طب میں مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حکیم محمد حسن کی شاگردی کی۔ ابتدائی دنوں میں درالعلوم سے کوئی وظیفہ نہیں لیا لیکن جلد ہی درس و افتاء کی ذمہ داریوں نے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کردیا اور دارالعلوم سے پانچ روپیہ ماہانہ وظیفہ لینے لگا۔ دارالعلوم سے ۲۶ سال کی وابستگی کے بعد ۱۳۶۲ھ میں علیحدہ ہوا تو اس وقت ۵۶ [1] روپیہ ماہانہ وظیفہ تھا۔ اس دوران میں کئی مرتبہ باہر کے مدرسوں نے سہ گنا، چار گنا وظیفہ پر بلانا چاہا۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ نے سات سو روپے ماہانہ کی پیش کش کی لیکن مجھے مادر علمی سے دوری کسی صورت میں پسند نہ تھی۔ لہٰذا انکار کردیا۔

استاذ علماء مفتی اعظم عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تدریس کے ابتدائی دنوں ہی میں بعض فتاویٰ میرے حوالہ فرمادیتے تھے [2] لیکن ان کے انتقال پر ۱۳۴۹ھ میں دارالعلوم کے صدر مفتی کی ذمہ داری بھی میرے کندھوں پر آپڑی۔ جسے دارالعلوم سے علیحدگی ۱۳۶۲ھ تک نبھاتا رہا۔ ایک مرحلہ میں اس فرض کی گرانباری کا سوچ کر اس سے مستعفی ہونے کا خیال ظاہر کیا لیکن ساتھی اساتذہ نے روک دیا۔ دارالعلوم سے الگ ہوا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر یہ سلسلہ جاری

---

(۱) یہاں ۵۶ کے اوپر قلم سے ''۶۵'' لکھا ہوا ہے۔ شاکر

(۲) یہاں قلم کی تصحیح سے پہلے طبع شدہ عبارت یہ تھی: ''تدریس کے ابتدائی دنوں ہی میں اکثر فتاوی میرے پاس بھیج دیتے تھے۔'' شاکر

رکھا۔ دارالعلوم کی خدمت کے دوران جن استفسارات پر جوفتاویٰ جاری کئے گئے تھے ان کا انتخاب دارالعلوم دیوبند سے چار جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور پندرہ مستقل رجسٹر غیر مطبوعہ ہیں۔

حصول تعلیم کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تھی ان کے انتقال پر ۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض پایا اور ہر سال کئی کئی ماہ ان کی صحبت میں گزرتے رہے۔ ۱۳۴۹ھ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کا مجاز قرار دیا۔ حضرت مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ ۱۳۶۲ھ میں جب دارالعلوم سے استعفاء دے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک عربی شعر قدرے تصرف سے پڑھا جس کا مطلب یہ تھا:

''لوگوں نے تجھے اپنے ہاتھوں سے کھو دیا اور وہ کیسے عظیم انسان کو کھو بیٹھے''۔

دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی روش سے اختلاف کا نتیجہ تھی۔

تحریک پاکستان کی جدوجہد میں حصہ

نومبر ۱۹۴۵ء میں حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کلکتہ میں جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد ڈالی تو ابتداء میں اس سے الگ تھلگ رہا لیکن چند ماہ بعد اس قافلہ میں اس لئے شامل ہو گیا کہ تحریک پاکستان یعنی آزاد اسلامی مملکت کے قیام کی جدوجہد کا مرحلہ تھا اور ہمارے سامنے اس وقت ایک ہی مقصد تھا پاکستان کو حاصل کرنا اور حصول کے بعد اسے ایک صحیح اسلامی مملکت بنانا چاہتے تھے۔ یہ دور برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ کا نازک ترین دور تھا کیونکہ کانگریس اور انگریز پاکستان دینے کے حق میں نہ

تھے اور کچھ اپنے بھی مخالفت کر رہے تھے۔ حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں علماء سارے ملک میں پھیل گئے۔ میں نے بھی سرحد سے سلہٹ تک حضرت عثمانی کی قیادت میں سارے ملک کا دورہ کیا۔ نتیجۃً پاکستان قائم ہوگیا۔ پاکستان بنا تو میں دیوبند ہی میں تھا۔ حکومت پاکستان نے جشنِ آزادی میں شرکت کی دعوت دی۔ لیکن میں بیماری کی وجہ سے کراچی نہ جاسکا اور پھر فسادات پھوٹ پڑنے کی وجہ سے وہیں رک گیا۔ وہاں تحریکِ پاکستان کی پرجوش حمایت کے ''جرم'' میں رہنا مشکل تھا۔ گو اس نئے اسلامی ملک کی طرف ہجرت کر جانے کی آرزو ضرور تھی لیکن حالات ایسے تھے کہ دیوبند سے نکلنا بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔ اور دیوبند کی محبت بھی ترکِ سکونت کے راستہ میں حائل تھی۔

پاکستان میں آمد

اپریل ۱۹۴۸ء میں شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر حمید اللہ کے ساتھ ساتھ مجھے بھی بلا بھیجا کہ ایک اسلامی آئین کا خاکہ مرتب کر کے حکومت کو پیش کریں، چنانچہ میں ٦ جولائی ۱۹۴۸ء کو پاکستان پہنچا اور کراچی میں مقیم ہوگیا۔ کراچی میں اس عظیم شہر کے شایانِ شان علوم دینیہ کا کوئی مدرسہ نہ تھا۔ چنانچہ پاکستان پہنچتے ہی یہاں اسلامی دستور کے نفاذ کو مطمحِ نظر اور ایک معیاری و مثالی دارالعلوم کو زندگی کا مقصد ٹھہرالیا۔ پہلا مقصد ابھی تشنہ تکمیل ہے۔ دوسرے کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اس دارالعلوم کا آغاز ۱۹۵۲ء میں نانک واڑہ کی ایک مختصر عمارت میں چند طلباء اور ایک استاد سے ہوا تھا۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس وقت کورنگی ٹاؤن میں دارالعلوم کی اپنی عمارت ہے۔ پاکستان اور دوسرے ملکوں کے ایک ہزار سے زیادہ طلباء تیس

اساتذہ سے تعلیم پا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ شہر میں اس کی بیس بائیس مراکز قائم ہو چکے ہیں۔ مجموعی طور پر اب تک بیس ہزار طالب علموں نے مجھ سے قرآن و حدیث اور علوم دینیہ کی تعلیم پائی ہے۔

۱۹۴۹ء میں اسلامی مشاورتی بورڈ کا رکن نامزد ہوا۔ ۱۹۵۰ء میں حکومت نے مروجہ قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کے لئے لاء کمیشن مقرر کیا تو اس میں سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مجھے بھی شامل کیا گیا۔ لاء کمیشن کی سفارشات کو بعد [کی حکومتوں نے قطعاً] [۱] نظر انداز کر دیا اور آج تک انہیں عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا۔ اگر ان سفارشات کو تسلیم کر لیا جاتا تو ہمارے عدالتی قوانین آج بالکل اسلامی ہوتے۔

قائداعظم کے انتقال پر حکومت نے ان کی یاد میں ایک دینی دارالعلوم قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس دارالعلوم کے نصاب کی تدوین و ترتیب میں بھی میں شریک رہا۔ لیکن افسوس ہے کہ بعد کی حکومتوں نے اس منصوبے کو بھی ترک کر دیا۔

دس سال ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۴ء تک ریڈیو پاکستان سے درس قرآن دیتا رہا۔ کبھی ایک پیسہ بھی عوضاً نہیں لیا۔ اسی طرح قرآن و حدیث مسائل، فقہ، تصوف و اصلاح وغیرہ پر اب تک تقریباً ڈیڑھ سو سے زائد کتب و رسائل لکھ چکا ہوں لیکن رفاہ عامہ کے لئے ان پر نہ کسی سے رائلٹی لی ہے اور نہ کسی مکتبہ کوئی کتاب صرف اپنے لئے مخصوص و محفوظ کرنے کی اجازت دی ہے۔ ان کتابوں میں ''اسلام کا نظام اراضی'' اور ''اسلام میں نظام تقسیم دولت'' بہت پسند کی گئی ہیں۔ آج کل ''معارف القرآن''

(۱) ان الفاظ پر لکیر کھینچ کر یہ تحریر ہے: ''تفصیل طلب ہے''۔ شاکر

کے نام سے تفسیر مکمل کر رہا ہوں پہلی جلد جو ڈھائی سیپاروں پر مشتمل ہے چھپ چکی ہے۔ یہ تفسیر آٹھ دس جلدوں میں مکمل ہوگی اور تفسیر میں متن کا ترجمہ شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے لیکن تشریحات وتصریحات میرے قلم سے ہیں۔ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے خیال سے اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ علمی اصطلاحات غیر معروف الفاظ مشکل مطالب اور مباحثِ علمیہ جو عوام کی سطح سے بلند ہیں نہ آنے پائیں بلکہ سیدھی سادی زبان میں عوام قرآنی تعلیمات سے آگاہ ہوجائیں۔

س: مفتی صاحب! آپ نے فرمایا ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر آپ کراچی تشریف لائے اور مقصد یہ تھا کہ پاکستان میں اسلامی دستور نافذ کرایا جائے کیا آپ ان کوششوں پر جو علمائے کرام نے اسلامی آئین کے نفاذ کی خاطر کیں اوران کے نتائج پر تفصیلی روشنی ڈالنا پسند فرمائیں گے؟

ج: پاکستان میں اسلامی آئین کے نفاذ کی کوششیں قیام پاکستان سے پہلے ہی شروع ہوچکی تھیں۔ ۹ جون ۱۹۴۶ء کو جب مسلم ممبران اسمبلی نے دہلی میں اکٹھے ہوکر پاکستان کے حصول پر صاد[1] کیا تو جمعیت علمائے اسلام کا ایک وفد جس میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور یہ احقر بھی شامل تھا۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں قائداعظم کی قیام گاہ پر پہنچا۔ انہیں اس کامیابی پر مبارک باد دینے کے ساتھ یہ سوال اٹھایا کہ آپ اس موقع پر یہ اعلان بھی کردیں کہ پاکستان اسلامی مملکت ہوگا اور اس میں ٹھیک ٹھیک اسلام کا دستور وقانون نافذ ہوگا۔ اس کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا ملک ہے اس میں اسلامی نظام

---

(۱) یعنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

اور اسلامی آئین کے سوا کسی دوسرے نظام کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا مگر میری حیثیت ایک وکیل کی ہے۔ میں نے یہ مقدمہ لڑ کر ایک خطۂ ملک مسلمانوں کے لئے حاصل کرلیا ہے۔ اب میں اس خطہ کے نظم ونسق کا مالک نہیں، بلکہ جمہور اہلِ اسلام اس کے مالک ہیں۔ یہ فیصلہ انہی کے کرنے کا ہے اور ان شاء اللہ وہ یہی فیصلہ کریں گے۔

پاکستان بننے کے فوراً بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء کے تعاون سے یہ فیصلہ کیا کہ حکومت کو تو دستور اور قانون بنانے میں دیر لگے گی مناسب یہ ہے کہ چند ماہر علماء کو جمع کر کے ایک مسودہ دستور مرتب کرلیا جائے اور پھر حکومت کو پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر حمید اللہ اور اس ناکارہ محمد شفیع کو فوراً کراچی پہنچنے کی دعوت دی۔ اس وقت ہم سب کے سب ہندوستان میں تھے۔ انہوں نے مولانا احتشام الحق کو بذریعہ ہوائی جہاز بھارت بھیجا۔ آخر الذکر تین حضرات فوراً تیار ہوکر کراچی پہنچ گئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عذرات کی بنا پر کچھ مہلت مانگی۔۔۔ کراچی میں تین ماہ شب وروز کام کرنے کے بعد شیخ الاسلام کی ہدایت پر ایک خاکہ دستور اسلامی مرتب کیا گیا۔۔۔ اور پھر جب دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا تو اس میں یہ طے پایا کہ ایک اسلامی مشاورتی بورڈ تشکیل دیا جائے جو ماہر علماء پر مشتمل ہو اور تمام دستوری مسائل ان کے مشورہ سے طے کئے جائیں۔ بورڈ کے ارکان کی نامزدگی کے مرحلہ میں شیخ الاسلام حکومت کے مشیر تھے۔ انہوں نے جمعیت علمائے اسلام کے ارکانِ عاملہ میں سے احقر کا نام بطور رکن بورڈ اور مولانا ظفر احمد انصاری کا نام بطور سیکرٹری مجلس تجویز کیا جو منظور ہو گیا۔ بورڈ کے صدر سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور ممبر ڈاکٹر حمید اللہ،

مولانا عبدالخالق اور مجتہد جعفر حسین تھے۔ اس بورڈ نے ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۴ء تک کام کیا اور اپنی سفارشات ترتیب دے کر حکومت کے حوالے کر دیں۔

''اسلامی مشاورتی بورڈ'' کے قیام کے علاوہ اس عرصہ میں ہمیں ایک اور کامیابی ہوئی اور وہ کامیابی اسمبلی میں قرار داد مقاصد کی منظوری تھی قرار داد مقاصد کا ابتدائی مسودہ خود شیخ الاسلام نے تیار کر کے اسمبلی میں پیش کیا۔ اقلیتی فرقوں کے نمایندوں، سوشلسٹ ذہن رکھنے والوں اور ان کے ساتھی مسلمانوں نے مخالفت کی، لیکن کافی دنوں کی اختلافی بحثوں کے بعد شیخ الاسلام کی تجویز غالب آئی اور شہید ملت لیاقت علی مرحوم نے اس مسودہ کو اپنی طرف سے اسمبلی میں پیش کر کے منظور کرایا لیکن اس کے بعد جب حکومت کی طرف سے پہلا دستوری مسودہ شائع کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اسلامی مشاورتی بورڈ کی سفارشات کے بالکل خلاف ایک ایسا دستور لایا گیا جو کسی طور پر بھی اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں۔ جمعیت علمائے اسلام اور ملک کے اطراف و جوانب سے ہر مکتبِ فکر کے مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی۔ پھر جمعیت کے ذمہ دار افراد نے یہ قدم اٹھایا کہ ملک کے ہر مکتبِ فکر کے ۳۴ نمایندہ اور مسلّمہ علماء کو کراچی میں جمع کیا۔ ان میں دیوبندی، بریلوی، جماعت اسلامی، اور شیعہ سب شریک تھے۔ انہوں نے تین روز کے مکمل اور مسلسل غور و فکر کے بعد ۲۲ دفعات پر مشتمل ایک خاکہ دستور شایع کر دیا۔ نتیجۃً جو دستوری مسودہ شائع ہوا۔ اس میں اسلام کے بنیادی اصول ایک حد تک آ گئے تھے۔ مگر کچھ باتیں ترمیم طلب تھیں۔ علماء کراچی میں دوبارہ جمع ہوئے اور ترمیمات تحریری طور پر حکومت کو پیش کر دیں جن میں سے بعض ترامیم دستور میں شامل کر لی گئیں۔ نتیجتاً ۱۹۵۶ء میں یہ دستور منظور ہو گیا۔ ۱۹۵۶ء کے اس آئین کو پاکستان کے تمام طبقوں نے بخوشی قبول کیا۔ علماء نے بھی دستور میں بعض ترمیمات

کی ضرورت کے باوجود اس کا خیر مقدم کرنا ہی دینی اور ملکی مصالح کا تقاضا سمجھا بلکہ اسے قبول کرلیا لیکن اس پر عمل کئے بغیر ۵۸ء میں اسے منسوخ کر دیا گیا اور ملک میں آمریت مسلط ہوگئی۔

س: اس وقت پاکستان میں سوشلزم کی تحریک جس نہج پر چل رہی ہے آپ اس کے مقابلہ اور توڑ کے لئے کون سے اقدام بہتر سمجھتے ہیں؟ اوران کا صحیح نقشہ کیا ہو؟

ج: پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور اسلام ہی کے نام پر حاصل کیا گیا ہے، اس کا نظام اسلامی اصول کے مطابق شورائی ہی ہوسکتا ہے لیکن سابقہ آمریت نے ۵۶ء کے دستور کو منسوخ کر کے ملک کو ایک بار پھر ۱۹۴۷ء کی سطح کی طرف دھکیل دیا ہے۔ سوشلسٹ عناصر روز اول ہی سے پاکستان میں دستور اسلامی اور قانونِ اسلامی کے نفاذ کی مخالفت کرتے چلے آئے ہیں۔ انہوں نے ۱۰ سالہ دور استبداد میں آمریت سے ملی بھگت کر کے اپنا داخلی وخارجی استحکام پیدا کرلیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ۵۶ء کا دستور نافذ ہوگیا تو پاکستان میں سوشلزم کے لئے راہیں ہموار کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوجائیں گی اور سوشلزم کے نفاذ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ اس لئے وہ دوبارہ دستور سازی کا چکر چلانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے طور پر سمجھتے ہیں کہ اب وہ فضا نہیں جس میں اسلام کے ان بنیادی اصولوں کو تسلیم کرلیا جائے جو ۵۶ء کے آئین کی بنیاد تھے۔ یہی وجہ ہے وہ از سرِ نو دستور سازی پر زور دے رہے ہیں۔ اس کا توڑ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ہم از سرِ نو اسلامی نظریات پر ایمان رکھنے والے مسلمانوں کی منتشر صفوں کو پھر متحد، آپس کے اختلافات کو ملتوی یا خاص علمی حدود تک محدود کر کے متحدہ محاذ کی صورت میں مسلم اکثریت کو ۵۶ء کے دستور اور اس کے تحت انتخابات کرانے پر جمع کریں اور سوشلسٹ عناصر نے جن محنت کش عوام اور مزدوروں میں کہ جو پکے مسلمان ہیں اپنے جال پھیلا رکھے ہیں اور انہیں یہ تاثر

دینے میں مصروف ہیں کہ ملک کے اقتصادی مسائل کا حل (معاذ اللہ) اسلام میں نہیں سوشلزم میں ہے۔ اس کے توڑ کی خاطر ضروری ہے کہ ہر طبقہ اور ہر مکتبِ فکر کے علماء اور عوام اپنی پوری توانائی سے کام لیں۔ کسانوں اور مزدوروں کو سوشلزم کے کافرانہ، مفسدانہ اور جھوٹے پروپیگنڈے کا شکار ہونے سے بچائیں اور انہیں بتائیں کہ سارے عالمِ انسانیت کا امن و اطمینان اور اقتصادی مشکلات کا صحیح اور پائیدار حل صرف اسلام میں ہے۔

س: ہمارے خیال میں مسلمان فضلاءؒ نے سوشلزم کی تحریک کو جہاں تک اس کے ذہنی محاذ کا تعلق ہے اگر شکست نہیں دی تو پس پشت ضرور ڈال دیا تھا لیکن بعض علمائے کرام نے اس گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دے کر اسے مسلمان معاشرہ کے لئے خطرناک مسئلہ بنا دیا ہے؟ آپ اس کی مدافعت کے لئے کون سا حل تجویز کرتے ہیں؟

ج: ہمارے نزدیک اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ جن عناصر کے خلاف سب مسلمانوں کو مل کر جہاد کرنا چاہئے۔ ان کی صفوں میں نہ صرف اپنے بھائی مسلمان بلکہ بعض علماء بھی نظر آتے ہیں لیکن ہم کسی ادنیٰ مسلمان اور خصوصاً کسی عالم کے متعلق یہ گمان نہیں کر سکتے کہ وہ سوشلزم کی حقیقت اور سوشلسٹوں کے ساتھ مل جل کر کام کرنے کے انجام بد کو جانتے ہوئے ایسا اقدام کرے گا۔ اس لئے ضرورت نہیں کہ ہم ان کی نیتوں پر کوئی شبہ کریں مگر قرآن حکیم نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ہر کوشش اللہ کے نزدیک مقبول و سعید نہیں جب تک کہ کوشش مقصد کے مطابق اور مناسب نہ ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ (الاسراء:۱۹)

(اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اللہ آخرت کے واسطے کام کرنے والوں کی کوشش قبول ہونے کے لے سعیٰ لھا کے ساتھ سعیھا قید لگا کر بتادیا ہے کہ جو سعی مقصد کے مناسب نہ ہو وہ کتنی ہی نیک نیتی سے کی جائے۔ اس کے نزدیک مشکور و مقبول نہیں ہے۔ اور نہ اس کے کامیاب ہونے کا امکان ہے۔ کعبہ کی نیت کر کے ترکستان کی طرف سفر کرنے والے کا انجام کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اب سوشلسٹ عناصر کے ساتھ خصوصی روابط قائم کرنے والے حضرات کی مساعی کا جائزہ لیجئے تو آپ ہر قدم پر یہ محسوس کریں گے کہ ان کے گرد و پیش سب سوشلزم کے داعی ہیں۔ ان کی مساعی کی داد دینے اور ہر جگہ ان کی حمایت کرنے والے یہی لوگ ہیں ان کے نعرے بھی وہی سوشلزم والے ہیں وہی مزدور و سرمایہ کی طبقاتی جنگ ان کا بنیادی اصول ہے وہی مزدوروں اور طالب علموں کے جذبات سے کھیلنا اور انہیں سرمایہ داروں سے لڑانا ان کا کام ہے تو اس کے منطقی اور قدرتی نتیجہ میں جو چیز آئے گی وہ سوشلزم ہی ہوسکتا ہے۔ اس عمل کے نتیجہ میں اسلام کا انتظار کرنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

اس لئے موجودہ حالت میں علماء اور عام مسلمانوں کو دو کام کرنے ہیں ایک یہ کہ ہمدردی اور خیرخواہی کے جذبہ سے ان حضرات کو اس غلط راہ سے روکنے کی سعی جاری رکھیں دوسرے یہ کہ ان کی مخالفت کی وجہ سے اپنی صفوں میں کوئی اختلال یا عزم وہمت میں کسی کی کمزوری کو راہ نہ دی جائے اور ملک پر آنے والی ہر افتاد کا مقابلہ پوری قوت سے کیا جائے کہ درحقیقت یہ کفر واسلام کی فیصلہ کن جنگ ہے۔

س: کیا اسلام میں موجودہ سرمایہ داری کی کوئی گنجائش ہے اور کیا اسلامی مملکت میں اس قسم کا سرمایہ دارانہ معاشرہ پیدا ہوسکتا ہے جو اس وقت موجود ہے؟

ج: قطعاً گنجائش نہیں۔ اسلامی نظام رائج ہو تو نہ مروجہ قسم کی سرمایہ داری

اور اجارہ داری پیدا ہو سکتی ہے اور نہ باقی رہ سکتی ہے مگر افسوس ہے کہ پاکستان کی ۲۲ سالہ عمر میں اسلام کا نام تو سب ہی حکمران لیتے رہے اور اسلامی نظام کے وعدے بھی کرتے رہے مگر عملاً اس سلسلے میں کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ اس وجہ سے ناواقف لوگ یہ سمجھنے لگے کہ یہی اسلامی نظریہ ہے جس کی چکی میں ہم پسے جارہے ہیں اور اس سلسلے میں وہ مجبور و معذور بھی ہیں، کیونکہ انہوں نے اسلامی نظام کی صورت ہی نہیں دیکھی بلکہ پچھلے دس سالہ دور میں تو بچی کھچی اسلامی اقدار کو بھی مٹانے کی منظم اور مسلسل جدوجہد جاری رہی۔ درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم دونوں افراط تفریط کی لعنتیں ہیں جو آج کل دنیا پر مسلط ہیں اور انہی کی وجہ سے پوری دنیا جنگ وجدل کا جہنم بنی ہوئی ہے۔ اسلامی نظام ان دونوں کے خلاف ایک عادلانہ اور معتدلانہ نظام ہے جس میں باشندگان ملک کے ہر طبقہ اور ہر فرد کے امن وطمینان کا سامان اور ہر شخص کے لئے اس کی ضروریات زندگی حاصل ہونے کی مکمل ضمانت موجود ہے۔

اس نظام میں سرمایہ دار اور مزدور کی کوئی تفریق نہیں ہر ایک کے حقوق محفوظ ہیں۔ اس کی نظر میں خلافِ شریعت جو مال حاصل کیا جائے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ غریب کا ہو یا امیر کا سب کا سب حرام اور قابل واپسی ہے اور جو مال شرعی اصول کے مطابق جائز طریقوں سے حاصل کیا گیا ہو۔ خواہ وہ مقدار میں کتنا ہی ہو اسلام اس کی ملکیت کو جائز قرار دیتا اور اس کا محافظ ہے۔ کسی کو اس کے سلب کرنے کا حق نہیں، نہ کسی کا دولت مند ہونا بذاتہ جرم ہے نہ غریب ہونا کوئی ہنر ہے۔

اسلامی نظام متقاضی ہے کہ ہر شخص جائز طریقوں سے معاش حاصل کرنے میں اپنی پوری محنت اور کوشش صرف کرے اور اس کے راستے اسلامی مملکت میں اس کو کھلے ہوئے ملیں گے۔ اسلامی مملکت میں خزانوں پر سرمایہ دارانہ نظام کے سانپوں

کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ ہر شخص کے لئے اس کی محنت کا صلہ اور حسن عمل کا اجر ہے مگر سوشلزم ایک اجتماعی سوداگری ہے جس میں محنت کش پیدا کرنے اور ریاست کھاتی ہے (اس مسئلہ کی پوری تفصیل میرے رسالہ ''اسلام میں تقسیم دولت کا نظام'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے جو اردو انگریزی بنگلہ اور عربی میں شائع ہو چکا ہے۔)

س: کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ علماء کی باہمی لڑائی سے علماء کا وقار کم ہوگا اور اس کا فائدہ لادین عناصر کو پہنچے گا؟

ج: اس میں کیا شبہ ہے کہ علماء کے اس اختلاف سے لادین عناصر فائدہ اٹھائیں گے لیکن اس اختلاف کے مفاسد سے گھبرا کر کلمۂ حق میں سکوت اختیار کرنا اپنے محاذ کو باطل کے سپرد کرنے کے مترادف ہے، البتہ اس نقصان سے بچنے کے لئے علماء سے میری اپیل ہے کہ وہ اختلاف میں دلائل کا جواب دلائل سے دیں، طعنہ زنی، الزام تراشی اور شخصیات کے خلاف کیچڑ اچھالنے سے پرہیز کریں، میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے ایک جملہ پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

''اختلاف کا مضائقہ نہیں مگر بدگمانی اور بدزبانی سے پرہیز کیا جائے''۔

آخر میں مفتی صاحب نے اپنے اکابر اساتذہ کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ معاملاتِ دینی میں مصلحت آمیز روش اختیار کرنے کے سخت مخالف تھے۔ ایک دفعہ لاہور کے ایک اجتماع میں مسئلہ سود زیر بحث تھا۔ ایک گروہ جس میں ''انقلاب'' کے ایڈیٹر عبدالمجید سالک بھی موجود تھے کہہ رہا تھا کہ ہم نے سود کو نہ اپنایا تو مسلمان ترقی نہیں کرسکیں گے۔ علماء نے سود کو اپنانے کے حامی گروہ کے دلائل کا مُسکت جواب دیا لیکن سالک مطمئن نہ تھے مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے تھے، کہنے لگے:

''سالک صاحب آپ سالک ہیں اور میں ایک نیم مجذوب! لیکن یہ بات یادرکھیں کہ جہنم کے دروازے کھلے ہیں۔ اگر کوئی اس میں گرنا چاہتا ہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن اگر کوئی مولوی کی گردن پھلانگ کر اس میں گرنے کی کوشش کرے گا تو مولوی ہرگز اسے جہنم میں نہیں گرنے دے گا بلکہ اس کی ٹانگ کھینچ لے گا۔'' اور اس کے بعد محفل میں کسی کو یارائے سخن نہیں رہا''۔

مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ ان کا یہ معمول تھا کہ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے اور محلہ کے غریب غرباء کے گھروں پر جاتے۔ اُن سے پوچھتے بازار سے کچھ منگوانا تو نہیں۔ اور پھر جب بازار سے لوٹتے تو ان کی قمیض میں متعدد گرہیں لگی ہوتیں۔ جو کچھ کسی نے منگوایا ہوتا وہ اس کے سپرد کرتے اور گرہوں کو کھولتے جاتے۔ مولانا اصغر حسین کسی کو تکلیف نہ دیتے تھے اور اس بات کا احساس اس قدر تھا کہ اگر کبھی کوئی مہمان آتا اور اس کی خاطر پھلوں سے کرتے تو پھلوں کے چھلکے ایسی جگہ لے جا کر پھینکتے جہاں جانور انہیں فوراً کھالیں تاکہ غریبوں کو اپنی محرومی کا احساس نہ ہو۔ آپ نے باوجود سرمایہ ہونے کے اس وقت تک اپنا مکان پکا نہ بنوایا جب تک اہلِ محلہ کے مکان پختہ نہ ہوگئے۔ اور اگر اس سلسلے میں کسی نے انہیں کچھ کہا بھی تو یہی جواب دیا کہ:

''اہل محلہ جو غریب غرباء ہیں، ان سب کے مکان کچے ہیں، میں پختہ بناؤں گا تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا''۔

[مولانا حبیب الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم سخت گیر مشہور تھے لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ] ''تم انہیں سخت گیر کہتے ہو لیکن وہ سخت نہیں بلکہ مضبوط ہیں، ریشم کے رسّے کی طرح جو نرم اتنا کہ ہر بچہ موڑے اور مضبوط اتنا کہ ہاتھی

کوجنبش نہ کرنے دے اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اگر کوئی حق بات کہتا تو اُسے قبول کرنے میں کبھی عار نہ سمجھتے لیکن مسلک کی حفاظت میں کبھی جان کی پرواہ بھی نہ کی۔ ایک بار مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین درپئے آزار ہوئے، تو احباب نے مشورہ دیا کہ آپ رات کو دارالعلوم میں نہ سویا کریں لیکن انہوں نے فرمایا:۔

> ''میں عثمانی ہوں۔ میرے جد امجد کے جنازہ پر صرف تین افراد تھے جنہوں نے ان کو دفنایا۔ تم مجھے موت سے ڈراتے ہو''۔

لیکن اب ان کی یادیں ہی یادیں ہیں اُن کا سا عالم باعمل اور حق میں جری کوئی نظر نہیں آتا۔

مولانا مفتی شفیع

(از۔ مجیب الرحمن شامی)

نوٹ: یہ انٹرویو ماہ ربیع الاول میں لیا گیا تھا۔ چنانچہ اسلام میں اس مہینہ کی اہمیت کے پیش نظر گفتگو کا آغاز اسی موضوع سے کیا گیا ہے۔ (مرتب)(۱)

حضور ﷺ کیوں تشریف لائے؟

ربیع الاول کا مہینہ تاریخِ عالم میں بہت اہم اور یادگار حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں حضور خاتم الانبیاء ﷺ کی ولادتِ مسعود ہوئی اور یوں بنی نوع انسان کی رفعتوں کے نئے اور سب سے اعلیٰ باب کا عنوان لکھا گیا۔ حضور ﷺ نے وہ کچھ کر دکھایا جو نہ تو کوئی ان سے پہلے کر سکا اور نہ بعد میں ہی کر سکتا تھا۔ انہوں نے پورے زمانے، پوری دنیا اور پوری نوعِ انسانی کے سوچنے اور عمل کرنے کے انداز کو بدل ڈالا، ظلم، گمراہی اور ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کے درمیان افکارِ ایمانی کی مشعل روشن

(۱) نوٹ: یہ انٹرویو "جواہر الفقہ" ج ۵ ص ۱۳۵ پر بھی شائع ہوا ہے۔ شاکر

کی اور تھوڑے ہی عرصے کے اندر ایک مثالی ریاست کی تشکیل کر ڈالی۔ ایسی ریاست جس میں زمین اپنی نعمتیں اگلتی اور آسمان اپنی رحمتیں برساتا تھا۔ حضور ﷺ نے جب اعلائے کلمۃ الحق کیا تو وہ تنہا تھے۔ اس تنہا وجود نے کفر کے ایوانوں میں کھلبلی مچادی، ہزار مصائب اور مشکلات کے باوجود ان کے قول وفعل میں یکسانیت اور قوتِ عمل کے کرشموں نے لوگوں کو اپنا قائل کرنا شروع کیا۔ ایک، ایک، دو، دو کر کے حق کے جویا[1] بندے ان کے سایۂ رحمت میں پناہ لیتے گئے۔ یہاں تک کہ بڑا کارواں بن گیا۔ پھر لوگ جوق در جوق آنے شروع ہوئے اور یوں اللہ کے اس ایک بندے نے تاریخِ انسانی کا دھارا موڑ کر رکھ دیا۔ پوری دنیا کو جہاں بانی اور جہاں داری کے ساتھ ساتھ دین داری کے اصول بھی سمجھائے اور ''دین وسیاست'' کو الگ الگ رکھنے کے فتنے کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ حضور ﷺ کی سیرتِ مقدسہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ فرد جماعت سے نہیں، جماعت فرد سے بنتی ہے۔ اگر کچھ نیک بندے راہِ حق پر چل نکلیں تو پھر آخر کار پورا زمانہ ان کے ساتھ ہو کر رہتا ہے۔

ربیع الاول کا مہینہ ہمیں ذرا زیادہ شدت سے اس عالمگیر انقلاب کی یاد دلاتا اور اس کے بانی کے نقوش ہائے قدم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے لیکن ہمارے ہاں اس مہینے کا چاند طلوع ہوتے ہی جس طرح جشنوں اور گانے بجانے کی محفلوں کا اہتمام شروع کیا جاتا ہے۔ پھر عید میلاد کے روز جس طرح بھنگڑے ڈالے جاتے (اور بعض جگہ ٹوسٹ[2] بھی ہوا ہے) اور جسم کے تھرکنے کے جو مظاہر پیش کئے جاتے ہیں اس سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ محبتِ رسول کا حق ادا ہو گیا۔ اگر خدا ہمیں عقل و بصیرت سے نوازے تو یہ سوچنا چاہئے کہ کیا قرآن کریم اور رسولِ رحیم (ﷺ) اس

---

(۱) یعنی حق تلاش کرنے والے۔

(۲) یعنی شراب نوشی بھی ہوئی۔

دنیا میں اسی لئے آئے تھے کہ یہاں کچھ جلسے جلوس چراغاں اور گانے بجانے کی محفلوں کی کمی تھی۔ اللہ اور رسول کے نام پر ایسے جشن منانے کے لیے قرآن اور رسول کے آنے کی کیا ضرورت تھی جولوگ اس میں لگ گئے انہوں نے نزولِ قرآن اور بعثتِ نبوی کے مقصد کو پورا کر دیا؟ پھر چاہے وہ سو فی صد جھوٹ بولیں، غریبوں کو ستائیں، حرام کھائیں، نماز روزے کے پاس نہ جائیں معاملات میں سب دھوکہ فریب ہوتا رہے، یا ان کے آنے کا مقصد کفر وشرک اور لادینی جاہلیت کو مٹانا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا کر دنیا کے کھیل تماشوں سے بچانا اور انسان کے اخلاق وکردار کو اعلیٰ معیار پر پہنچانا، انہیں خدا ترسی کے ذریعے باہمی ہمدردی اور ایثار پیدا کرنا تھا۔ کاش! ہم سب قبر اور آخرت کو اور اس بات کو سامنے رکھیں کہ ایک دن رسولِ کریم ﷺ ہی کی پناہ لینی ہے، آپ ہی کی شفاعت سے کام چلنا ہے۔ اگر آپ نے پوچھ لیا کہ جن مقاصد کے لئے میں نے اپنی تمام زندگی صرف کی۔ دشمنوں کے جوستم سہے۔ مصیبتوں کے پہاڑ برداشت کئے اس سلسلے میں تم نے کیا کام انجام دیا تو یقین فرمائے کہ کوئی شخص ان رسمی جشنوں اور جلوسوں اوران کے پیچھے مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو اپنی خدمات کی حیثیت سے پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ کاش! مسلمان اپنی توانائی اور دینی جذبے کا رُخ خالص ان منکرات اور باطل عقائد کی طرف پھیر دے جو دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث غرض کسی جماعت کے عقائد ونظریات میں قابلِ تحمل نہیں اور وہی آج کل طوفانی رفتار سے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لئے چلے جارہے ہیں، کاش مسلمان اپنی فرقہ بندیوں اور دوسری خرافات سے دامن چھڑا کر مغربی الحاد کے جھکڑ اور اشتراکیت کی آندھی کے آگے بند باندھ سکیں۔ یہ بات دن منانے اور جلوس نکالنے سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے تھرکنے والے جسم کی بجائے تڑپنے والے دل کی ضرورت ہے

اور وہی آج جنس گراں مایہ بنا ہوا ہے۔

دن منانے اور جشن رچانے میں اپنی صلاحیتوں کو وہی قومیں صرف کرسکتی ہیں جو قابلِ تعظیم بزرگوں کے معاملے میں مفلس ہوں یعنی ان میں گنے چنے چند افراد ایسے ہوں جن کے کارناموں کی یادگار منانا ضروری سمجھا جائے لیکن جس قوم کا حال یہ ہو کہ ''ایں خانہ تمام آفتاب است'' وہ اگر ان چیزوں کا اہتمام کرے تو پورے سال میں کوئی دن بھی ایسا نہ رہے جس میں کوئی نہ منایا جائے بلکہ سال کے پورے دن بھی کفایت نہ کریں۔ امت کے علماء نے رسول ﷺ کی زندگی کے ہر قول و فعل اور حرکت و سکون کی اتنی حفاظت کی ہے کہ پچھلی امتیں اپنی آسمانی کتابوں کی بھی اتنی حفاظت نہیں کرسکیں۔ آپ ﷺ نے یا آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے کبھی عید معراج، یا عید ہجرت یا کوئی اور عید (سوائے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے) منائی ہوتی تو اسلامی تاریخ میں اس کے ہزاروں واقعات مذکور ہوتے مگر یہاں پورے ذخیرۂ حدیث و تاریخ میں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی ایسی نہیں ملتی، جھوٹی حدیثیں گھڑنے کا سلسلہ منافقین یا حاسدین کی طرف سے ہمیشہ جاری رہا مگر اس معاملہ میں جھوٹ بولنے کی بھی جرأت کسی کو نہیں ہوسکی۔ آج کوئی حدیث گھڑے تو ممکن ہے، مگر زمانۂ قدیم میں تو اس قسم کی کوئی موضوع روایت بھی نظر نہیں آتی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ تنہا سید الانبیاء المرسلین رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں کیا صرف یومِ ولادت ہی قابلِ تعظیم ہے، اگر ذرا بھی عقل و انصاف سے کام لیا جائے تو آنحضرت ﷺ کی زندگی کا ہر دن بلکہ ہر گھنٹہ اور ہر لمحہ پوری انسانیت کے لیے حیاتِ جاودانی ہے۔

خلافت الٰہیہ کے نفاذ کی تدابیر

رسول اکرم ﷺ کا اصل مشن خلافتِ الٰہیہ کو دنیا میں نافذ کرنا تھا۔ خلافت الٰہیہ

کے قیام کے بدولت ہی انسان کو دائمی فلاح و بہبود حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ فلاح و بہبود دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک موجودہ دنیا کی معاشرت اور اس میں امن وسکون سے زندگی، دوسرے موت کے بعد عالمِ ثانی میں دائمی اور لازوال زندگی، اسلام ہی وہ نظامِ حیات ہے جو آدمی کی دونوں زندگیوں کو سدھارنے کا عزم کرتا اور ذمہ لیتا ہے جب کہ اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں صرف ایک ہی زندگی سے بحثت کرتے ہیں، عالم آب وگل کی زندگی جو انتہائی ناپائیدار اور عارضی شے ہے دائمی زندگی کا نہ تو انہیں ادراک ہی ہے اور نہ ہی اس کا سبب ہے۔ عمرِ نبوی ﷺ کا تو ہر دن جشنِ مسرت منانے کا مستحق تھا لیکن صحابہ کرام اور خود آنحضرت ﷺ نے جشن منانے کی کوئی طرح نہیں ڈالی۔ جو قومیں عمل کی دھنی ہوتی ہیں وہ ایسی باتوں میں کہاں الجھتی ہیں؟ جب معاملہ عمل کی بجائے محض ''گفتار کے غازی'' بننے کا رہ جائے تو پھر خود کو ایسے ہی سرابوں کے سہارے زندہ رکھا جاتا ہے۔ وہاں کے لیے انسان کو کچھ توشہ لے جانے دیتے ہیں۔

اسلام نے دنیا کی اصلاح کے لیے بھی دو نظام بنائے ہیں۔ ایک اصلاح اخلاق واعمال کے لیے اور دوسرا قانون وسیاست سے متعلق، قرآن کی یہ صفت خاص ہے کہ وہ لوگوں کو عام قانون کی دفعات کے طور پر احکام نہیں دیتا۔ محض تعزیرات کی دفعات قائم نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے یا کسی چیز سے منع کرتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اکثر ایسی آیتوں کے ساتھ اس مضمون کی آیتوں کے جوڑ لگے دکھائی دیتے ہیں۔ دراصل قانون کو اخلاق سے جدا کرنا وہ بھیانک غلطی ہے جس میں گرفتار ہوکر دنیا گوناگوں مصائب میں مبتلا ہوگئی۔ دنیا کا کوئی قانون خود کار مشین نہیں ہوتی اس کو چلانے والے بہرحال انسان ہوتے ہیں۔ یہ اگر اخلاقی اوصاف سے کورے ہوں دنیا کو وہی نقصان پہنچے گا جو آج پہنچ رہا ہے۔ اس کا مشاہدہ آپ ہر جگہ

کر سکتے ہیں۔قرآن کے دونوں طریقوں سے ایک ایسا معاشرہ تیار ہوتا ہے جو قانون کو صحیح طور پر قائم کر سکے اور یہی نظام دنیا کے امن وسکون کا ضامن بن سکتا ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے افراد کے اخلاق واعمال درست کیے ان کی فکری کج روی کو صراطِ مستقیم دکھائی یا اس کے بعد ہی وہ ایک مثالی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

اسلامی سیاست کی بنیادیں

حضور ﷺ نے سب سے پہلے تو افراد سازی پر توجہ دی۔مکی زندگی کے تیرہ سالہ دور میں وہ اسی کام میں مشغول رہے، اس دوران انہیں افراد کی ایک ایسی جماعت مل گئی جن کی صلح و جنگ، دوستی اور دشمنی، محبت اور عداوت کوئی چیز بھی اپنے لیے نہیں تھی، صرف اور صرف اللہ کے لیے تھی، اس کے بعد مدنی تعمیری دور میں اسلام نے قدم رکھا تو نبی کریم ﷺ نے اسلامی سیاست کو دو بنیاد پر قائم فرمایا۔

پہلی بنیاد اسلامی وحدت واخوت کی تھی۔مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد دو قومیں بن رہیں تھیں۔ایک انصار اور دوسرے مہاجرین۔اگر دنیا کے عام رسوم ورواج کے تابع یہی امتیاز رہتا تو اسلامی ریاست کا بھی وہی حشر ہوتا جو آج قبائلی اور نسلی بنیادوں پر قائم کی جانے والی ریاستوں اور معاشروں کا ہورہا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو بھائی بھائی بنادیا۔ان دینی بھائیوں میں اخوت، ہمدردی اور ایثار کی فضا نسبی بھائیوں سے کہیں بڑھ کر تھی۔نسبی بھائی جو کفر پر تھے ان سے کٹ گئے۔بدر اور احد کی جنگیں شاید ہیں کہ بھائی کی تلوار بھائی پر چل رہی تھی۔بیٹا باپ سے مصروف جنگ تھا، اللہ اور رسول کے نام لیوا ایک طرف تھے، ایک قوم تھے اور نہ ماننے والے دوسری قوم۔اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ایسی وحدت قائم فرمادی جس

کی بنیاد نسل و رنگ، زبان اور وطن، قبائل ونسب سب سے بالا ہو کر ایک اللہ کو ماننے پر رکھی گئی تھی۔

ایک طرف تو اسلامی جماعت میں اتحاد و یگانگت کی یہ فضا تھی دوسری مخالفینِ اسلام میں جس کی مخالفت وقتی طور پر کم اور قابلِ برداشت نظر آئی، اس کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرلیا گیا۔ مدینے کے اردگرد یہودیوں کے قبائل آباد تھے جو مستقل ریاستوں کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ ان سب قبائل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا، مگر یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ غیروں کے ساتھ معاہدات میں نزاعی معاملات کا آخری فیصلہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے اس بات کا کوئی شائبہ تک نہ تھا کہ اسلامی شعار اور اسلامی ضروریات میں کوئی کتر بیونت یا نرمی اختیار کی جائے۔ غیروں کے ساتھ معاہدوں کے سلسلے میں حضور کا یہی طرزِ عمل دنیا کے لیے سبق آموز اور مسلم اور غیر مسلم معاہدات کی دائمی بنیاد ہے۔

آج کا بحرانی دور اور مسلمان

آج جب کہ ہم ایک بحرانی دور سے گزر رہے ہیں طرح طرح کی فکری اور عملی گمراہیوں سے دوچار ہیں حضور ﷺ کا یہ طرزِ عمل ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اسلامی سیاست کی بنیاد یہی دو باتیں ہیں لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے ان سے بھی صرفِ نظر کرلیا ہے۔ اب وہ غیر مسلموں، ملحدوں اور اشتراکیوں سے تو بغل گیر ہیں لیکن خود مسلمانوں کے خون کے درپے ہیں۔ جب میں یہ سنتا ہوں تو میرا دل بہت کڑھتا ہے کہ بعض علمائے کرام سوشلزم کے نام لیواؤں اور اشتراکیت کے دعوے داروں کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کو تیار ہو رہے ہیں۔ ان سے ملاقاتیں اور عہد و پیمان کرتے ہیں مگر اپنے توحید پرست اور کلمہ گو بھائیوں سے گلے ملنے کو تیار نہیں ہوتے، یہ

مسلمانوں کی کم نصیبی نہیں تو پھر کیا ہے کہ وہ لوگ جو مسندِ رسول کے وارث اور ان کی رہنمائی کے دعوے دار ہوں، گمراہی کی دلدلوں میں پھنس کر رہ جائیں۔ میری آرزو ہے اور دعا بھی کہ ایک اسلامی محاذ قائم ہوجائے جو ہمیں گمراہیوں اور ضلالتوں کی دلدل سے محفوظ رکھنے کے لیے کام کرے۔ یہ دور بڑا نازک ہے۔ اس وقت تمام کلمہ گوؤں کو جو توحید، آخرت اور رسالت پر ایمان رکھتے ہوں۔ مغربی الحاد اور اشتراکیت کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک ہوجانا چاہیے۔ اگر کچھ لوگوں نے یا کچھ گروہوں نے محض جماعتی تعصّبات اور شخصی اختلافات کو اس مقصد کے حصول کی راہ میں رکاوٹ بنائے رکھا تو پھر انہیں اللہ کے حضور جواب دینا پڑے گا۔ اس بات کو وہ خوب اچھی سمجھ لیں اور جان لیں۔ حیرت ہے جنہیں دوسروں کو بیدار کرنا تھا وہ خود خوابِ غفلت کا شکار ہیں۔

اشتراکیت اور مساوات کا فریب

بات سرمایہ داری، اشتراکیوں اور اشتراکیت کی طرف آئی ہے تو ان کا بھی کچھ بیان ہوجانا چاہیے۔ تفصیلاً نہیں تو مجملاً ہی سہی۔ نظام سرمایہ داری میں حلال و حرام کی قیود سے بالاتر ہوکر اور دوسرے لوگوں کی خوشحالی یا بدحالی سے آنکھیں بند کرے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنا ہی سب سے بڑی انسانی فضیلت سمجھی جاتی ہے۔ دوسری طرف اشتراکیت میں شخصی اور انفرادی ملکیت کو ہی سرے سے جرم قرار دے دیا جاتا ہے۔ غور کیجیے تو معلوم ہوگا ہر دو نظاموں کا حاصل اور مقصد مال و دولت کی پرستش اور اس کو مقصدِ زندگی سمجھتے ہوئے اس کے لیے دوڑ دھوپ ہے جب کہ اسلام میں یہ مقصدِ حیات نہیں وسلیہ حیات ہیں۔ اسلام نے ایک طرف تو دولت کو مقصدِ زندگی بنانے سے منع فرمایا اور اس پر کسی منصب و عہدہ کا مدار نہیں

رکھا۔ دوسری طرف تقسیم دولت کے ایسے پاکیزہ اصول مقرر کیے جن سے کوئی انسان ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے اور کوئی فرد ساری دولت کو نہ سمیٹ لے اسلام معاشی انصاف کا علم بردار ہے اور صرف اسی نظام سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔ یورپ کی ظالمانہ سرمایہ داری اور اس کے مظالم سے عاجز آخر قریباً ڈیڑھ سو برس پہلے کچھ لوگوں نے معاشی مساوات کا دلفریب نعرہ لگایا اور امیر وغریب کی تفریق مٹانے کا دعویٰ لے کر اٹھے۔ مساوات کی اس خیالی جنت کے فریب میں بہت سے غریب عوام اور مزدور اس تحریک کے علمبردار ہوگئے۔ اب اسی تحریک کے علمبردار یہاں بھی ایسے ہی نعرے لگا رہے ہیں جب کہ سوشلسٹ معاشروں میں یہ مساوات کسی طور پر بھی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ حتی کہ ۱۹۳۱ء میں سٹالن نے یہ اعلان کردیا کہ ہم مساوات کے علمبردار نہیں ہیں۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ اشتراکیت کے دشمن ہیں۔ مسائل لنین ازم مطبوعہ ماسکو کے صفحہ نمبر ۵۰۳ پر اسٹالن صاحب کے یہ الفاظ درج ہیں ''مارکسزم مساوات پرستی کا کا دشمن ہے''۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد عملی طور پر مزدوریوں اور تنخواہوں میں بے پناہ تفاوت پیدا ہوگیا۔ ۱۹۳۷ء میں ایک اشتراکی مصنف ایم وائی یون نے روس میں اس کی کیفیت یوں بیان کی تھی:

عام مزدور کی تنخواہ: ۱۱۰ روبل سے ۴۰۰ تک

درمیانہ افسر کی تنخواہ: ۳۰۰ روبل سے ایک ہزار تک

اونچے افسر کی تنخواہ: ۱۵۰۰ روبل سے دس ہزار تک

اس کے علاوہ اسی مصنف کے بقول چوٹی کے لوگ بیس سے تیس ہزار روبل تک تنخواہ پاتے ہیں۔ خروشیف نے ۵ مئی ۱۹۶۰ء کو سپریم سوویٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''ہم اجرتوں میں فرق مٹانے کی تحریک کے سختی سے مخالف ہیں۔ ہم اجرتوں میں مساوات قائم کرنے اور ان کے ایک سطح پر لانے کے کھلے بندوں مخالف ہیں۔ یہی لنین کی تعلیم ہے۔ اس کی تعلیم یہ تھی کہ سوشلسٹ سماج میں مادی محرت کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا''۔ (سوویٹ ورلڈ صفحہ نمبر ۳۴۶)

ملاحظہ فرمایے کہ معاشی مساوات کے خواب کی یہ تعبیر کس قدر بھیانک نکلی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ عدم مساوات اور امیر و غریب کا تفاوت اشتراکی مملکت روس میں عام سرمایہ دار ملکوں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ روسی فوج میں ۱۹۴۳ء میں ایک سپاہی کو صرف ۱۰ روبل تنخواہ ملتی تھی جب کہ لیفٹینٹ کو ایک ہزار روبل اور کرنل کو دو ہزار چار سو روبل ملتے تھے۔ حتی کہ اجرتوں کے درمیان یہ تفاوت ایک اور تیس سے بڑھ کر ایک اور سو تک جا پہنچا۔ اب روس میں اجرتوں میں تفاوت سرمایہ دار ممالک سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اس طرح مساوات کا وہ دلفریب نعرہ جس نے لوگوں کو سوشلزم کے جال میں پھنسایا تھا۔ عمل کی کسوٹی پر پورا نہ اتر سکا خود اشتراکی معاشرے اس کی منہ بولتی تصویریں ہیں لیکن یہی نعرہ اب سوشلزم کے نام لیوا پاکستان میں لگا رہے ہیں اور غریب مزدوروں اور محنت کشوں کی ہمدردیاں جیتنے کے درپے ہیں۔ اس بات کا ان کے پاس کیا جواب ہے؟ جب ان کے فکری اور علمی آبا اس نعرے کو روس میں عملی جامہ نہ پہنا سکے بلکہ اس سے منحرف ہو گئے تو یہ حضرات پاکستان میں اسے کیسے اور کیوں کر عملی طور پر نافذ کر سکیں گے؟ دراصل یہ سب ایک فریبِ محض ہے لوگوں کو اس دام میں الجھانے اور پھنسانے کے لیے وگرنہ سرمایہ داری میں غریب کی زندگی جتنی اجیرن ہوتی ہے ویسی ہی اشتراکیت میں ہے۔

اسلامی نظام میں تقسیم دولت

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ اسلامی نظام میں معاشی مسئلہ کیوں کر سلجھے گا اور اسلامی نظام میں تقسیم دولت کیسے ہوگی؟ یا یہ کہ اسلام کا نظام تقسیم دولت کیا ہے تو اسے سمجھنے کے لیے سب سے پہلے تو یہی بات پیش نظر رہنی چاہیے جس کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں کہ اسلامی معاشیات میں معاشی ترقیات ضروری اور ناگزیر تو ہیں لیکن انسانی زندگی کا مقصدِ اصلی نہیں۔ اسلام کی نظر میں تمام وسائلِ معاش انسان کی رہگزر کے مرحلے ہیں، اس کی اصلی منزل ان سے آگے ہے اور وہ ہے کردار کی بلندی اور اس کے نتیجہ میں آخرت کی بہبود۔ چنانچہ جبتک معاشی وسائل اس منزل کے لیے رہگذر کا کام دیں وہ وہ ''فضل اللہ'' اور ''خیر'' لیکن اگر یہ اس منزل کے راستے میں رکاوٹ بنیں اور خود منزل و مقصود بن جائیں تو پھر یہ ''فتنہ'' اور ''متاع الغرور'' کہلائے جاتے ہیں۔

دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے دولت خواہ جونسی شکل میں ہو، اللہ کی پیدا کردہ ہے اور اصلاً اسی کی ملکیت ہے۔ انسان کو کسی چیز پر حق ملکیت اللہ کی عطا سے ہی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ قرآن کریم کی ہی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ انسان تو صرف عمل میں ہی کوشاں رہ سکتا ہے لیکن اس کوشش کے نتائج میں برکت ڈالنا اور اس سے پیداوار مہیا کرنا خدا کے سوا اور کسی کا کام نہیں؟ انسان تو اتنا ہی کر سکتا ہے کہ زمین میں بیج ڈالا لیکن اس بیج کو کونپل اور کونپل کو درخت بنانا اللہ ہی کے لیے خاص ہے۔ دولت خواہ کسی بھی شکل میں ہو اللہ کی ملکیت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے ہی ارشادات کے مطابق اللہ تعالیٰ جو کسی کو عطا کر دیں وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔ ''دولت'' پر اصل ملکیت تو اللہ کی ہے۔ اس نے انسان کو اس میں

تصرف کرنے کا حق دیا ہے۔ چنانچہ انسان کو اپنی زیر تصرف دولت پر آزاد، خود مختار اور بے لگام ملکیت حاصل نہیں۔ اس پر ''دولت'' کے اصل مالک نے کچھ حدود و قیود عاید کر رکھی ہے۔ جہاں وہ خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے وہاں اُسے خرچ کرنا ضروری ہے اور جس جگہ ہاتھ روکنے کا حکم دیتا ہے وہاں ہاتھ روک لینا ضروری ہے۔ دولت پر انسان کا تصرف حکم خداوندی کے ماتحت ہوا تو اس کی دو صورتیں ہوں گی ایک تو یہ کہ وہ انسان کو اس بات کا حکم دے کہ مال کا کوئی حصہ کسی دوسرے کو دے دے، دوسرے یہ کہ وہ دولت کے ''عارضی مالک'' کو بھی یہ حکم دے دے کہ تم بھی اس میں تصرف نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اجتماعی خرابیوں اور زمین میں فساد پھیلانے کے لیے دولت کے خرچ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

یہی امر اسلام کو اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں سے ممتاز کرتا ہے۔ سرمایہ داری کا ذہنی پس منظر نظری اور عملی طور پر مادہ پرستی ہے اس لیے وہ انسان کو اپنی دولت پر آزاد اور خود مختار ملکیت کا حق دے دیتی ہے خواہ وہ اسے جس طرح چاہے صرف کرے قرآن کریم نے قومِ شعیب علیہ السلام کا ایک مقدمہ نقل کرتے ہوئے اس نظریے کی مذمت کی ہے۔ وہ لوگ یہ کہتے تھے:

> ''کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ یا اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ترک کر دیں''۔ (۱۱۔۸۶)

وہ لوگ چونکہ اموال پر اپنی بے لگام اور بے قید ملکیت سمجھتے تھے اس لیے جو چاہیں اور جس طرح چاہیں اسے استعمال کرنے کے دعوے دار تھے۔ یہی طرزِ فکر سرمایہ داری کی روح ہے۔ قرآن کریم نے سورۂ نور میں اس ''اموال'' کے لفظ کو ''مال اللہ'' قرار دیا اور ان کے فکر کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ اس کے ساتھ ہی ''الذی

اتاکم" (جو تمہیں دیا ہے) کی قید لگا کر اشتراکیت کی بھی نفی کر دی جو سرے سے انفرادی ملکیت سے ہی انکاری ہے۔

اسلام کا نظام تقسیم دولت اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں سے قطعاً مختلف ہے اشتراکی نظام میں تقسیم دولت صرف اجرت کی شکل میں ہوتی ہے کیونکہ اس میں نجی ملکیت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی نظریہ تقسیم دولت کے اصولوں کی رو سے کائنات کی تمام اشیاء اصلاً اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ پھر ان اشیاء میں سے ایک کثیر حصہ تو وہ ہے جسے اس نے وقف عام کے طور پر تمام انسانوں کو مساوی طور پر دے دیا۔ آگ، پانی، مٹی، ہوا، روشنی خودرو گھاس، جنگل اور پانی کا شکار، معادن اور غیر مملوک بنجر زمین وغیرہ وقف عام ہیں۔ ہر شخص ان سے فائدہ اٹھانے کا یکساں حق دار ہے۔ دوسری طرف بعض ایسی اشیاء ہیں جن میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کیے بغیر وہ قابل عمل اور فطری نظام معیشت قائم نہیں ہوسکتا جس کی بدولت معاشی وسائل انسانی زندگی کے مقاصدِ اصلی: کردار کی بلندی اور پھر اخروی نجات کے حصول میں ممد ثابت ہوسکیں۔ اشتراکیت میں تمام جھوٹے سرمایہ دار ختم ہوجاتے ہیں۔ ایک بڑا سرمایہ دار ریاست کی شکل میں وجود میں آجاتا ہے اور دولت کے سارے انباروں پر سانپ بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ من مانے طریقے پر اس سے کھیلتا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی محنت اختیار اور مرضی کے فطری حق سے محروم ہوجاتی ہے۔ اس کے استعمال کے لیے جبر وتشدد ناگزیر ہوجاتا ہے۔ اس سے محنت کی کارروائی پر انتہائی بُرا اثر پڑتا ہے اور اس کی ذہنی صحت بھی متاثر ہوتی ہے اسی لیے اسلام نے انفرادی ملکیت کو تسلیم کر کے سرمایہ دار اور زمین کی جداگانہ حیثیت بھی برقرار رکھی ہے اور ان میں رسد وطلب کے فطری نظام کو بھی صحت مند بنا کر استعمال کیا ہے۔ چنانچہ اس کے یہاں اشتراکیت کی طرح تقسیم دولت صرف اجرت کی شکل میں نہیں بلکہ

کرائے اور منافع کی صورت میں بھی ادا ہوتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اس نے سود کو ختم کر کے اور دولت کے ثانوی مستحقین کی (جن میں معاشرے کے نادر اور ضرورت مند افراد شامل ہیں اور ان کی مدد کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔قرآن نے فرمایا: ان کے اموال میں سائل اور محروم کا ایک معین حق ہے پھر ارشاد ہوا۔اس کھیتی کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔ان دونوں مقامات پر ''حق'' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ مفلس اور نادار افراد بھی دولت کے ٹھیک اسی طرح مستحق ہیں جس طرح اولین مالک اور اللہ تعالیٰ اس قسم کا حکم دینے کا بہر طور مجاز ہے کیونکہ اصلاً ملکیت اسی کی ہے) ایک طویل فہرست بنا کر ارتکاز دولت کی اس خرابی کا بھی قلع قمع کر دیا جو سرمایہ کاری کا خاصہ لازمہ ہے۔زکوٰۃ، عشر، کفارات، صدقۃ الفطر، نفقات اور وراثت کے نظام کے ذریعے دولت زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں بٹتی چلی جاتی ہے اور اس میں وہ خرابیاں پیدا نہیں ہو پاتیں جو نظام سرمایہ داری کا لازمہ ہیں۔یا پھر اشتراکیت کے ذریعے اسر ابھارتی ہیں۔گویا نہ تو سرمایہ داری کی سی بے قیدی اور بے لگامی اسلامی نظام میں پنپ سکتی ہے اور نہ اشتراکیت کی سی مجبوری ومقہوری۔(اقتباسات انٹرویو ہفت روزہ اخبارِ جہاں کراچی ۱۹۶۹ء)